IZHAR

TEACHER EDUCATOR SERIES-II

تدریسی نسخہ

(Teaching Recipe)

مصنف

محمد مجتبیٰ حسین

انعام حسین

تدریسی نسخہ

مصنفین

محمد مجتبیٰ حسین

انعام حسین

اظہار سنز

19۔ اردو بازار لاہور فون: 7230150

ہیڈ آفس: 9۔ ریٹی گن روڈ لاہور فون: 7220761

E-mail: izharsons_2004@hotmall.com

www.izhar-sons.com

جملہ حقوق محفوظ

2009ء

نام کتاب: تدریسی نسخہ

مصنفین: محمد مجتبیٰ حسین
انعام حسین

ناشر: سید محمد علی انجم رضوی
اظہار سنز۔ ۱۹۔ اردو بازار، لاہور
فون: 7230150

طابع: سیّد اظہار الحسن رضوی
اظہار سنز پرنٹرز لاہور
فون: 7220761

قیمت: 500/-

اظہار سنز
19۔ اردو بازار لاہور فون: 7230150
ہیڈ آفس: 9۔ ریٹی گن روڈ لاہور فون: 7220761
E-mail: izharsons_2004@hotmail.com
www.izhar-sons.com

maablib.org

انتساب

تدریسی نسخہ میں اُن تمام نوخیز اور نوآموز اساتذہ مرد و خواتین جو ۔ بطور ان ٹرینڈ ٹیچر تدریسی فرائض سرانجام دے رہے ہیں یا جو پیشہ تعلیم کو اختیار کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں کے نام سے منسوب کرتا ہوں۔

انعام حسین

maablib.org

عنوانات

-i	پہلے اسے پڑھیے	Health First	8
-ii	دیباچہ	Preface	9
-iii	عرض حال	Present Status	11
۱۔	تعارف	Introduction	13
۲۔	ابتدائیہ	Prelude	16
۳۔	علم کیا ہے؟	About Knowledge	26
۴۔	تعلیم کیا ہے؟	About Teaching	29
۵۔	تعلیم کا ذریعہ	Instructional Media	32
۶۔	تعلیم کے مقاصد	Educational Objectives	34
۷۔	تعلیمی نفسیات	Educational Psychology	40
۸۔	تعلیم کا نفسیاتی پہلو کیا ہے؟	Psychology in Educational	44
۹۔	تعلیمی نفسیات اور بچے کی نشوونما	Educational Psychology	48
۱۰۔	تعلیمی مشاورت	Educational Counselling	56
۱۱۔	تعلیم کے مدارج	Stages of Education	64
۱۲۔	نصاب تعلیم	Eudcational Curriculum	70
۱۳۔	نصاب و کتاب	Curriculum & Text Book	74

79	Educational Supervision	تعلیمی نگرانی	۱۴۔
86	Literacy & Education	خواندگی اور تعلیم	۱۵۔
89	Retardation in Litreray	شرح خواندگی کے نہ بڑھنے کے اسباب	۱۶۔
96	Formal & Informal Education	رسمی اور غیر رسمی تعلیم	۱۷۔
101	Special Education	خصوصی تعلیم	۱۸۔
107	Technical Education	فنی وسائنسی تعلیم	۱۹۔
110	Vocational Education	پیشہ ورانہ تعلیم	۲۰۔
114	Environmental Education	ماحولیاتی تعلیم	۲۱۔
125	Religious Education	دینی تعلیم	۲۲۔
131	Information Technology	معلوماتی تکنیک	۲۳۔
133	Population Education	تعلیم آبادیات	۲۴۔
138	Communication	کمیونیکیشن	۲۵۔
147	Mentoring Teaching	مدرس کیسے بنائے جاتے ہیں؟	۲۶۔
149	Becoming a Teacher	مدرس کیسے بنا جائے؟	۲۷۔
154	Quality of a Teacher	مدرس کی خصوصیات	۲۸۔
162	Teaching - what it is?	تدریس کیا ہے؟	۲۹۔
164	Aims of Teaching	تدریس کا مقصد	۳۰۔
166	How to Teach	تدریس کیسے ہو؟	۳۱۔
172	Improving Teaching	بہتر تدریس کیسے ہو؟	۳۲۔
178	Learners Need	طلباء کی ضروریات	۳۳۔

183	Remedial Teaching	۳۴۔ معالجاتی تدریس
186	Remedial Recreational Teaching	۳۵۔ معالجاتی تفریحی تدریس
197	Lesson Planning	۳۶۔ اسباق کی منصوبہ بندی
207	Inside Teaching Adis	۳۷۔ تدریسی معاونات کیا ہیں؟
216	Curricular & Co-Curricular Activties	۳۸۔ نصابی وہم نصابی مشاغل
218	Utility of Primary Education	۳۹۔ پرائمری تعلیم کی افادیت
223	Nautre of Examination	۴۰۔ امتحانات کیا ہیں؟
237	What is an Educational Institution	۴۱۔ تعلیمی ادارہ کیا ہے؟
241	Educational Adminstration	۴۲۔ تعلیمی نظم ونسق
247	Adminstration & Supervision	۴۳۔ انصرام واہتمام مدارس
255	Discipline	۴۴۔ نظم وضبط
262	Educational & Society	۴۵۔ تعلیم اور معاشرہ
265	PostLude	اختتامیہ
267	About the Authors	مصنفین کے بارے میں

◆◆◆

maablib.org

پہلے اسے پڑھئے

الرجی (Alergy) ہلاکت کا سبب بن سکتی ہے بچوں میں مختلف غذاؤں سے الرجی کا رجحان بڑھ رہا ہے کنگز کالج لندن میں الرجی اور ماحولیاتی ادویات کے پروفیسر جوناتھن برونس ٹوف کا کہنا ہے کہ اینا فلیکشیز سے موت پانچ سال یا اسکے بعد ہوتی ہے لیکن عام طور پر اس سے نوعمر لڑکے اور لڑکیاں متاثر ہوتے ہیں۔ تاہم اس مرض میں مبتلا بچوں کی تعداد کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

دمہ: یہ کوئی مرض نہیں الرجی کی ایک قسم ہے۔ کہتے ہیں دمہ دم کے ساتھ۔ دمہ کے مریض مشاہدہ کریں کہ کب، کن حالات میں، کس ماحول میں، کس غذا یا لباس کی وجہ سے دمہ کا حملہ ہوتا ہے۔ اس سے پرہیز کیا جائے تو دمہ کے حملہ سے بچا جاسکتا ہے۔

احتیاط: دمہ کے علاج میں اینٹی بائیوٹک کا استعمال مفید نہیں خارجی دمہ بچوں میں شکایت زیادہ ہوتی ہے۔ پاکستان میں موسمی دمے کے شکار مریضوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔

دمہ: چھوت کا مرض نہیں۔ موروثیت کا کسی حد تک دخل ہے۔ ان ہیلر (In Haler) کی صورت میں دواؤں کا استعمال مریض کا بنیادی اور بہترین علاج ہے۔ دوران حمل دمہ کی ادویات کا استعمال بچے کے لیے نقصان دہ نہیں۔

فالج: طویل المعیاد معذوری کا سب سے بڑا سبب ہے۔ یہ مرض مردوں میں عورتوں کی نسبت ڈیڑھ گنا زیادہ پایا جاتا ہے۔ فالج کی سب سے اہم وجہ دماغ میں خون پہنچانے والی رگوں کی بندش ہے۔ پاکستان میں فالج کی سب سے بڑی وجہ بلند فشار خون (High Blood Pressure) ہے۔ دنیا بھر میں اموات کی تیسری بڑی وجہ فالج ہے۔ تمد

چنبل: جلد کو متاثر کرنے والا مرض ہے۔ بیماری کے شکار لوگوں کو دھوپ سے بچنا چاہیے۔ ویسے وہ دھوپ برداشت بھی نہیں کرسکتے۔

دیباچہ

ہر حکومت نے تعلیم پر کمیشن بنائے، کمیٹیاں تشکیل دیں اور خواندگی سے نجات کے لیے بڑے بڑے دعوے کیے۔ مگر ناخواندگی کا پرنالہ وہیں کا وہیں رہا۔ سینیٹیزنس کمیشن برائے ہیومن ڈیولپمنٹ بطور N.G.O. بہت عرصہ تک حکومت کے منصوبوں کی تکمیل کے لیے سرگرم عمل رہا ہے۔

لیکن موجودہ حکومت نے غیر رسمی تعلیم برائے خواندگی کا منصوبہ جس انداز میں چلایا ہے۔ اگر اس میں کام کرنے والے مدرسین کے لیے تدریس کی ٹریننگ کا انتظام بھی کر دیا جاتا تو بہترین نتائج برآمد ہوتے۔ شاید حکومت کے لیے ایسا کرنا ذرا مشکل کام تھا۔ پرائیویٹ سیکٹر بھی ناخواندگی دور کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ لیکن اس سیکٹر میں بھی اساتذہ تدریس اور تعلیم کے امور سے ناواقف ہیں جس کی بنا پر محنت کرنے کے باوجود وہ تعلیمی مقاصد حاصل نہیں ہو رہے جس کی توقع کی جا رہی ہے۔ لہٰذا زیر نظر کتاب کی تدوین و تصنیف انہی مقاصد کو سامنے رکھ کر کی گئی ہے کہ پرائیویٹ سیکٹر یا N.G.O. کے تحت چلنے والے تعلیمی اداروں کے اساتذہ ان اصول تدریس اور طریقہ تدریس سے واقفیت حاصل کر سکیں۔ ٹریننگ کی کمی یہ کتاب "تدریسی نسخہ" بہ خوبی پورا کر سکتی ہے اور اساتذہ، ان ٹرینڈ اساتذہ اور طلباء کی ہمہ وقت رہنمائی کر سکتی ہے۔ "تدریسی نسخہ" عام روایت سے ہٹ کر مختلف طریقہ اور انداز سے مرتب کی گئی ہے اور یہ کوشش کی گئی ہے کہ ان اساتذہ جن کو تربیت کا کوئی موقع نہیں ملا اور وہ مکمل طور پر تعلیم و تربیت کے بنیادی اصولوں اور اس کے دیگر امور سے واقفیت نہیں رکھتے اور نہ وہ تربیتی اداروں میں داخلہ لینے کی اہلیت اور صلاحیت رکھتے ہیں۔ وہ اس سے استفادہ حاصل کر کے اپنے کام کو آسان بنا سکیں اور اپنے اندر وہ صلاحیتیں پیدا کر سکیں جو اچھے معلم کے لیے ضروری ہیں۔ امید ہے کہ یہ کتب ٹرینڈ اور ان ٹرینڈ

دونوں اساتذہ کے لیے مفید ثابت ہوگی۔

اس کتاب کی تکمیل کے لئے مشہور ماہر تعلیم محمد مجتبیٰ حسین صاحب ایم۔اے،ایم۔ ایڈ،ریٹائرڈ ڈپٹی ڈائریکٹر مرکز تعلیم تحقیق وترقی نصاب محکمہ تعلیم پنجاب اور انعام حسین، پروفیسر آرمی پبلک سکول وکالج مری، نے اپنی بہترین کاوشوں سے مرتب کیا ہے۔ وہ اس کے لیے مبارکباد کے مستحق ہیں۔انہوں نے تعلیمی میدان میں ایک بڑی کارآمد کتاب "تدریسی نسخہ" ان کو دیدی جو قوم کی ایک بڑی خدمت ہے۔

امید ہے کہ یہ کتاب مقبولیت حاصل کریگی۔اللہ اس محنت کو قبول فرمائے(آمین)!

پروفیسر ڈاکٹر منور حسین نقوی

چیئرمین

جوہر میڈیکل اینڈ ایجوکیشنل ٹرسٹ پاکستان

◆◆◆

maablib.org

عرض حال

انسان کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ غیر رسمی طور پر ابتدائے آفرینش سے جاری و ساری ہے۔ تہذیب کے ارتقاء کے ساتھ جہاں کاروبار حیات کو سائنسی اصولوں کی بنیاد پر منظم کیا گیا وہاں تعلیم و تربیت کے نظام کو بھی انہی اصولوں کے تحت مستحکم کیا گیا اور یوں رسمی تعلیم کا سلسلہ جاری ہوا۔ اب تعلیم و تربیت کا نظام ایک مربوط صورت میں نہایت منظم طور پر سائنسی بنیادوں پر استوار ہو چکا ہے۔

ابتدا میں تعلیمی نصاب بہت مختصر تھا۔ پڑھنا، لکھنا اور روزی کمانے کے لیے ہنر سیکھ لینا ہی کافی سمجھا جاتا تھا۔ ہنر بھی وراثتاً سیکھا جاتا تھا۔ صنعتی انقلاب نے تعلیم و تربیت کی دنیا میں ہلچل مچا دی۔ نئے نئے علوم کے منظر عام پر آنے کے بعد علم بھی مختلف خانوں میں تقسیم ہوتا گیا۔ علم نفسیات نے انسانی ذہن اور اس کے ظاہری و باطنی کردار کا مطالعہ شروع کر دیا۔ اس کی بنیاد پر تعلیم و تربیت کی نئی راہیں نکلنا شروع ہو گئیں۔

<u>تعلیم کے شعبہ میں مختلف خانے بنتے چلے گئے۔</u>

ا۔	نصاب سازی کا عمل	۲۔	مدارس کا نظام
۳۔	درسی کتب کی تیاری	۴۔	اساتذہ کا تقرر و تربیت
۵۔	طلباء کی تعلیمی ضروریات	۶۔	تعلیم کے مدارج
۷۔	تعلیم کی اقسام	۸۔	تدریس کے طریقے اور اصول
۹۔	تعلیمی پروگرام کی نگرانی	۱۰۔	تعلیمی پروگرام کا انتظام و انصرام
۱۱۔	مخصوص بچوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام	۱۲۔	فنی و پیشہ ورانہ تعلیم کا پروگرام
۱۳۔	غیر رسمی تعلیم، تعلیم بالغاں	۱۴۔	تعلیم نسواں

۱۵۔ سائنس و ٹیکنالوجی کی تعلیم

غرض یہ کہ ان گنت چھوٹے شعبوں نے نظام تعلیم میں بھی جنم لے لیا۔ اب سپیشلائزیشن کا دور آ چکا ہے۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے بعد میں لوگ تعلیمی تحقیق میں معروف ہو گئے۔ آبادی بڑھنے سے مسائل بھی بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔

تعلیم و تربیت کے حوالہ سے اس وقت ناخواندگی کی شرح بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ ناخواندگی کی وجہ سے روزگار کے مواقع کم ہو گئے ہیں۔ بیروزگاری کے عفریت نے ملکی معیشت کو اس قدر نقصان پہنچایا ہے کہ عوام کے لیے رشتہ جسم و جان قائم رکھنا مشکل ہو گیا ہے۔

اب لوگ ملازمتیں حاصل کرنے کے لیے یہ نہیں دیکھتے کہ وہ کس کام کے اہل ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ نااہل افراد اداروں کو ناقص کارکردگی کی وجہ سے اور بھی کمزور اور بے سود بنا دیتے ہیں۔ ابھی حال ہی میں چند ڈاکٹروں نے پولیس کی نوکری اختیار کر لی ہے۔ کئی ڈاکٹر مقابلہ کے امتحان کے بعد انکم ٹیکس ایکسائز اور دیگر محکموں میں جا چکے ہیں۔ روزگار کے مواقع مناسب نہ ہونے کی وجہ سے Right Man for the Right Job کا تصور ہی ختم ہو گیا ہے۔ ہر صبح پڑھے لکھے نوجوان بچے، بچیاں ملازمت کی تلاش میں نکلتے ہیں۔ دفتروں کے بورڈ پڑھتے ہیں، اندر جاتے ہیں وہاں سے مایوس نکل کر پرائیویٹ سکولوں کے بورڈ پڑھ کر ان میں چلے جاتے ہیں۔ تھوڑے پیسوں پر انھیں ٹیچر کی ملازمت مل جاتی ہے۔ صبر اور شکر کے ساتھ وہ اسی کو قبول کر لیتے ہیں۔ فلسفہ تعلیم کیا ہے؟ بچوں کی تدریس کی نفسیات کیا ہے؟ بچوں کی نفسیات کیا ہے؟ تدریسی سواد کی تیاری کس طرح کرنی ہے؟ طلباء کے ساتھ رویہ کیسا رکھنا ہے؟ لیکن وہ ٹیچر بن جاتے ہیں اور ادارے والے انھیں ملازمت بھی دے دیتے ہیں کیونکہ ان دونوں کی مجبوری ہوتی ہے۔

maablib.org

محمد مجتبیٰ حسین

◆◆◆

یونٹ نمبر ۱

تعارف

انسان کی تعلیم وتربیت کا سلسلہ یوں تو غیر رسمی طور پر ابتدائے آفرینش سے جاری ہے لیکن جیسے جیسے انسانی تہذیب آگے بڑھتی گئی اس کے ساتھ ساتھ انسان کے علم میں اضافہ اور مزید علم کی طلب وضرورت بڑھتی گئی۔ تعلیم غیر رسمی سے رسمی شکل میں ڈھل گئی اور گھروں عبادت گاہوں سے ہوتی ہوئی با قاعدہ درسگاہوں تک جا پہنچی اور اب تعلیم وتربیت کا یہ نظام ایک ہمہ گیر اور مربوط شکل میں با قاعدہ منظم اور سائنسی بنیادوں پر استوار ہو چکا ہے۔

ابتداء میں تعلیم اور نصاب تعلیم کا دائرہ کار محدود تھا، لکھنا، پڑھنا، سیکھنا اور اس کے ساتھ ساتھ زندگی بسر کرنے اور روزی کمانے کے لیے ہنر سیکھنا ہی تعلیم کی معراج سمجھا جاتا تھا اس کے لیے بھی کوئی منظم مربوط اور با قاعدہ طریق کار نہ تھا۔ صنعتی انقلاب نے تعلیم وتربیت کی دنیا میں بڑی تبدیلی کا راستہ کھولا اور اب تو جدید دنیا میں یہ نظام عالمی شکل اختیار کر گیا ہے۔ اس سارے عمل میں تعلیم وتربیت کے کئی راستے اور خانے کھلے ہیں نئے نئے علوم کے منظر عام پر آنے کے بعد شعبہ جاتی تعلیمی تقسیم مزید پھیل گئی ہے اور تعلیم کئی شعبوں اور حصوں میں نظر آتی ہے۔ مدارس کا نظام اور اساتذہ کا تقرر ہو یا نصاب سازی و درسی کتب کی تیاری، طلباء کی تعلیمی ضروریات، تعلیم کے مدارج و اقسام ہوں یا تدریس کے طریقے اور اصول، تعلیمی پروگرام کا انتظام و انصرام ہو یا اس کی نگرانی تعلیم کے مختلف شعبوں کے حوالے سے ان کے لیے علیحدہ علیحدہ نظام سامنے آرہے ہیں۔ مخصوص بچوں کی تعلیم وتربیت، فنی و پیشہ ورانہ تعلیم، غیر رسمی تعلیم یعنی تعلیم بالغاں، تعلیم نسواں، سائنس کی تعلیم غرض خود تعلیم کے ان گنت چھوٹے چھوٹے شعبوں نے جنم لیا ہے جن پر مشتمل نظام تعلیم آج کی ضرورت بن چکا ہے۔

آج جب کہ سپیشلائزیشن کا دور ہے۔ دنیا بھر میں تعلیم کے ذرائع اور طریقے کمپیوٹر ایج کے تقاضوں اور ضرورتوں سے ہم آہنگ کیے جا رہے ہیں۔ ہمارے ہاں صورت حال روز بروز معکوس سمت میں جاتی نظر آ رہی ہے۔ آبادی کے دباؤ نے بے روزگاری کے عفریت کو جنم دیا ہے جس نے اس وقت ہمارے لیے تعلیمی میدان میں خصوصاً بے پناہ مشکلات کھڑی کر دی ہیں۔ اب لوگ ملازمت چاہتے ہیں لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ وہ کس کام کے اہل ہیں اور کس کام میں مہارت رکھتے ہیں ڈاکٹر پولیس میں معمولی عہدوں پر بھرتی ہو رہے ہیں اور کئی ڈاکٹر مقابلہ کے امتحانوں میں قسمت آزمائی کر رہے ہیں۔

تعلیم و تدریس کے عمل میں مدرسہ کی کلیدی حیثیت ہوتی ہے قدرت اللہ شہاب نے 1959ء کے شریف کمیشن کی تعلیمی رپورٹ کے دیباچہ میں ایک نہایت سادہ اور پر مغز جملہ لکھا تھا۔

("No nation can rise above his teachers")

یعنی کوئی قوم اپنے معلم سے زیادہ بلند نہیں ہو سکتی۔ تدریسی عمل کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مدرس کو ایک تدریسی پیکج دیا جاتا ہے جو ماہرین تعلیم کا مرتب کردہ ہوتا ہے۔ لہذا تدریس کا کام تفویض کرنے سے قبل مدرس کو تدریسی پیکج کے مندرجات۔ مقاصد اور طریقہ تعلیم سے روشناس کرانا نہایت ضروری عمل ہے اس لحاظ سے "تدریسی نسخہ" مرتب کرنا نہایت اہمیت کا حامل ہو گیا ہے۔ جس تدریسی پیکج کو استعمال کرنے کی ذمہ داری مدرس کو سونپی جاتی ہے وہ رسمی نظام تعلیم سے ہٹ کر غیر رسمی تعلیم کے طریقوں سے واقف نہیں۔۔۔۔ جب کہ غیر رسمی نظام تعلیم ایک ان لکھا اور ان دیکھا نظام ہے کیونکہ اس نظام کو قدرت نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اس کا ہاتھ آغوش مادر ہو والدین، رشتہ داروں اور محلہ داروں کا ہاتھ ہے اور اردگرد کا ماحول کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔

غیر رسمی نظام تعلیم کے فرائض انجام دینے کے لیے تدریسی نسخہ تیار کیا گیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے نو آموز یا دلچسپی رکھنے والے اساتذہ خود آموزی (self learning) کے اصولوں کے مطابق انفرادی طور پر خود ہی استفادہ کر سکتے ہیں۔ تدریسی نسخہ کے حسب ذیل مقاصد ہیں۔

۱۔ تعلیم، تعلیمی نفسیات، رسمی اور غیر رسمی تعلیم کی ضرورت اور اہمیت کا ادراک پیدا کرنا۔

۲۔ ایسی مہارتیں جن سے کمیونٹی (Community) کو راغب کرسکیں۔

۳۔ بچوں کی نفسیات سمجھتے ہوئے موثر تدریس کے اصولوں کو اپنا کر نہ صرف بچوں کو تعلیم کی طرف راغب کرسکیں بلکہ بچوں کے رویوں میں مثبت تبدیلی لانے میں نمایاں کردار ادا کرنے کے قابل ہونا۔

۴۔ اپنی روزانہ، ہفتہ وار، ماہانہ اور سالانہ کارکردگی کا جائزہ لینا سیکھنا۔

۵۔ کثیر الجماعتی تدریس کے تصور کو نہ صرف سمجھنا ہی، کھنا بلکہ تدریس کے طریقہ کار سے واقفیت حاصل ہونا۔

۶۔ سبق کی منصوبہ بندی اور اس کی افادیت کو سمجھنا۔

۷۔ نظم ونسق مدرسہ کے مفہوم اور مدرس کے ریکارڈ رکھنے کے طریقوں سے واقفیت حاصل کرنا سیکھنا۔

۸۔ سمعی وبصری معاونات اور ان کا صحیح استعمال سیکھنا۔

امید کی جاتی ہے کہ تدریسی نسخہ غیر رسمی نظام کے تحت چلنے والے مدارس میں تدریسی فرائض انجام دینے والے اساتذہ کی کارکردگی کو بہتر بنانے میں نہایت ممد ومعاون ثابت ہوگا۔

◆◆◆

maablib.org

یونٹ نمبر ۲

ابتدائیہ

بہت سے ایسے اساتذہ ہیں جن کو پیشہ ورانہ تربیت حاصل کرنے کے مواقع میسر نہ آے۔ کچھ نجی تعلیمی ادارے بھی ایسے ہیں کہ جنھیں تربیت یافتہ اساتذہ ان کے اداروں کے لیے بوجوہ میسر نہ آسکے اور غیر تربیت یافتہ اساتذہ کو ہی درس و تدریس کا کام سونپنے کے لیے مجبور ہو گئے۔ کیونکہ کہ تعلیمی اداروں کا اجراء معاشرے کی اہم ضرورت تھی اور ہمیشہ رہے گی۔

ابتدائیہ محسوس کرتے ہوے کہ پیشے سے متعلق نظریاتی معلومات اس انداز سے مرتب کی جائیں کہ مبتدی اور نو آموز اساتذہ ان کا مطالعہ خود آموزش (self learning) کے اصولوں پر تعلیم و تربیت نیز درس و تدریس طلباء کے فرائض بہتر طور پر انجام دیں۔ اپنے عملی کام کے دوران ان معلومات سے فائدہ اٹھاتے ہوے اپنی خامیوں کو خود ہی دور کر کے بہتر سے بہترین مدرس بن جائیں۔ "تدریسی نسخہ" کی تیاری میں اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ آسان اور عام فہم زبان میں معلومات فراہم کی جائیں نیز انھیں درس و تدریس کی دنیا میں ہونے والی تبدیلیوں کا بھی علم ہو سکے۔ اگر کوئی گوشہ تشنہ تکمیل رہ گیا ہو تو اسے عمداً ترک کیا گیا ہے۔ اس کا تعلق تعلیم کے کسی دوسرے شعبے سے ہوگا۔

پڑھنے لکھنے کا کیا فائدہ نوکری تو ملتی نہیں

ان مسائل کے حل کے لیے مختلف وقتوں میں مختلف تجاویز نظر آتی رہی ہیں۔ اگر قارئین نے "خواندگی اور تعلیم" "درس و تدریس" کے یونٹوں کا بغور مطالعہ کیا تو انھیں ان کے مسائل کا حل کافی حد تک مل جاے گا۔ مختصراً ان مسائل کا پس منظر بیان کیا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 1: **معیار تعلیم گرتا جا رہا ہے، گر رہا ہے یا گر گیا ہے**

اول یہ کہ آج تک کسی نے یہ نشاندہی نہیں کی کہ معیار تعلیم کیا ہے؟ معیار تعلیم کہاں تھا؟ اور کہاں سے گرا ہے وہ کونسی نچلی سطح ہے جہاں پر آنے کے بعد یہ کہا جائے گا کہ اب تو بالکل ہی گر گیا اب مزید کیا کرے گا۔ اس کے آگے زمین میں ہی دفن ہو سکتا ہے۔ ہمارے اساتذہ کو چاہیے کہ وہ غور کریں معیار سے ان کا مطلب کیا ہے اور معیار کا اعلیٰ مقام کیا ہے یا کہاں ہے۔ اگر دیکھا جائے تو علم بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے۔ آج کل نہایت ہی ان پڑھ آدمی بھی نہ معلوم کتنی دوائیوں، کتنی بجلی کی اشیاء، کتنی اپنے کام کی چیزوں کا نام جان چکا ہے۔ جو پہلے کے پڑھے لکھے لوگوں کو بھی معلوم نہیں تھا۔ آپ ذرا کسی موٹر میکینک کے "چھوٹے" سے موٹر کے متعلق بات کر کے دیکھیں وہ آدھے سے زیادہ آٹو انجینئرنگ کا ماہر نظر آئے گا۔ بے شمار عطائی دیہاتوں میں ڈاکٹر حکیم بنے بیٹھے ہیں۔ اگرچہ نیم حکیم خطرہ جان اور نیم ملا خطرہ ایمان ہوتے ہیں۔ مساجد میں اماموں کی کمی نہیں اور دیہات ڈاکٹروں حکیموں سے بھرے پڑے ہیں۔

غور کرنے کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ تعلیم کا معیار نہیں گرا ہے بلکہ تعلیم کی اقدار گر گئی ہیں۔ سوچ اور سمت تبدیل ہو گئی ہے یعنی اب تعلیم کا واحد مقصد اچھی سی ملازمت ہے لہٰذا ڈگریاں اور سندیں فروخت بھی ہوتی رہی ہیں، امتحان میں بوٹیاں بھی چلتی رہی ہیں، امتحان ہوتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے سرحدوں پر جنگ چھڑ گئی ہے۔ پولیس، فوج، عدلیہ، محکمہ تعلیم سب حرکت میں آئے ہوئے ہوتے ہیں پھر امتحانوں میں نمبروں کی رعایت کے جلوس نکلتے ہیں۔ ہڑتالیں ہوتی ہیں۔ امتحانی پرچوں میں (Choice) کی کمی کا شکوہ ہوتا ہے۔ تھوڑا پڑھ کر مکمل تعلیم کی سند حاصل کر کے نکلنے والے نالائق نہیں تو کیا لائق ہوں گے۔ ایک ایک امتحان کئی کئی قسطوں میں پاس کیا جاتا ہے۔ تعلیم تو جیسے پہلے تھی اب بھی ویسی ہی ہے۔ تعلیم حاصل کرنے والوں اور تعلیم دینے والوں کے رویہ اور سوچ بدل گئے ہیں۔ اخلاقی معیار سے گر گئے ہیں۔ علم وہیں ہے جہاں تھا بلکہ دن دگنی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ محققین کا کہنا ہے کہ جتنا علم آج سے 50 سال قبل تھا اس

میں بے حساب اضافہ ہو چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب چھوٹا سا بچہ بھی کھلونا گاڑی ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبا کر خود بخود چلانا سیکھ جاتا ہے۔ ٹیلیویژن کا چینل بدل لیتا ہے۔ نلکے کی ٹونٹی کھول لیتا ہے۔ بغیر کسی استاد کے ٹی۔وی پر رقص اور گانا دیکھ کر دونوں سیکھ جاتا ہے۔ تعلیم کے معیار سے اگر مراد لکھنا پڑھنا ہے تو کیلکولیٹر اسے صرف دس تک کی گنتی آنے پر نہ صرف گنتی بلکہ ہزاروں تک کے پہاڑے پڑھ کر بتا دیتا ہے۔ اس لیے اب استاد سے گنتی سیکھنے یا پہاڑے پڑھنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ ٹیلیفون پر بات کر کے اپنا جواب حاصل کر لیتا ہے تو اب اسے خط لکھنا سیکھنے کی کیا ضرورت۔ شارٹ ہینڈ، ٹائپ رائٹر، کمپیوٹر نے اسے لکھنے کی مہارت سیکھنے کو ایک بے فائدہ عمل بنا دیا ہے۔ اب اگر اب بھی آپ اس سے خوش خطی کی توقع رکھتے ہیں تو آپ سے بڑا نادان کوئی نہیں۔ خوش خطی اب فنون لطیفہ کے شعبہ کا حصہ بن چکی ہے۔ جسے ادھر جانا ہے وہ اس کی مشق کرے۔ اسی طرح زندگی کے تمام شعبوں کا بغور مطالعہ کریں تو یہ کہنا غلط ہوگا کہ معیار تعلیم گر گیا ہے۔ ہماری سوچ تبدیل ہو گئی ہے۔ ہمارا عمل اور کردار گر گیا ہے اس کے بلند کرنے کے لیے مدرسین کو کچھ کرنا ہوگا۔ جب معاشرہ پڑھانے کا معاوضہ بھی لے گا اور بچے کی تعلیمی مشکل دور کرنے یعنی ٹیوشن پڑھانے کا بھی معاوضہ لے گا تو بچہ سمجھے گا کہ تعلیم ایک تجارتی مال ہے وہ ہر حال پر جائز ناجائز طریقہ سے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا تاکہ وہ بھی اس سے منافع بخش تجارت کو بڑا ہو کر اپنا سکے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ الیکشن پر سیاسی رہنما لاکھوں نہیں کروڑوں صرف کر دیتے ہیں لیکن کسی غریب کی جھونپڑی کو پکا نہیں کرواتے۔ کسی اپاہج کو گاڑی نہیں دلواتے۔ غریبوں کے لیے مفت تعلیم کے ادارے یا ہسپتال نہیں بنواتے کیونکہ اس میں کوئی مالی منافع نہیں بلکہ وہ اس رقم کو اسمبلیوں میں پہنچنے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور ایک خرچ کر کے دس کماتے ہیں۔ ہمارے ملک کا سیاسی پس منظر ساری دنیا کے سامنے ہے۔ لیکن ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ہمارا ملک خراب ہے۔ ان کی سوچ منفی ہے۔ ان کا کردار گرا ہوا ہے۔ محلوں میں رہ کر جھونپڑی والوں کے ووٹ لے کر وہ اسمبلیوں میں پہنچ کر ایک اور محل تیار کر لیتے ہیں۔ یہی حال تعلیم کا ہے تعلیم کا معیار

اپنی جگہ پر ہے تعلیم حاصل کرنے والوں اور تعلیم دینے والوں کی سوچ پست ہو گئی ہے۔ کردار اخلاق سے گر گیا ہے۔

مسئلہ نمبر 2: بستہ بھاری ہو گیا:

بچوں کا بستہ بہت بھاری ہو گیا ہے کتابوں کا بوجھ کم کیا جائے کورس بہت طویل ہے اسے مختصر کیا جائے تو اس قسم کے نعرے اخبارات، جلسے، جلوسوں، رسائل اور الیکٹرونک میڈیا پر خصوصیات کے ساتھ صدر جناب ضیاء الحق صاحب کے دور میں بلند ہوئے اور آہستہ آہستہ اب وہ ختم تو نہیں ہوا لیکن دب گیا ہے اسی کے نتیجے میں محکمہ تعلیم کی طرف سے اس امر کا جائزہ لیا جائے کہ آیا بستہ بھاری ہے یا نہیں۔ کورس زیادہ طویل ہے یا نہیں۔ لہٰذا سب سے پہلے یہ قدم اٹھایا گیا کہ محکمہ تعلیم سے منظور شدہ تمام جماعتوں کی کتب کو جمع کیا گیا اور اسے سائنس کی ایک لیبارٹری میں اس ترازو پر تولا گیا جس میں بال کا وزن بھی معلوم ہو جاتا ہے پھونک مارو تو پلڑا جھک جاتا ہے وزن کرنے پر جو جواب ملا وہ حسب ذیل تھا۔

پہلی جماعتوں کی کتابوں کا وزن اڑھائی پاؤ علاوہ تختی اور سلیٹ کیوں کہ پرائمری جماعت میں کاپیاں اور بال پوائنٹ پین استعمال کرنے کی محکمانہ طور پر اجازت نہیں ہے۔

دوسری جماعت کی کتابوں کا وزن سوا کلو۔

تیسری جماعت کی کتابوں کا وزن پونے دو کلو۔

چوتھی جماعت کی کتابوں کا وزن سوا دو کلو۔

پانچویں جماعت کی کتابوں کا وزن 3 کلو تقریباً۔

ان اوزان کے ساتھ اس بستے کے تختی اور سلیٹ کا وزن بھی شامل کر لیا جائے کہ ایک پانچ سال سے لے کر دس سال تک کا بچہ اس وزن کو بآسانی نہ اٹھا سکے۔

اب رہا دوسرا نعرہ کہ پڑھائی کا بوجھ بہت ہے کورس کم کیا جائے۔ چنانچہ اس کے لیے حکومت پاکستان نے ورلڈ بینک سے قرضہ لے کر مربوط نصاب کا پروجیکٹ شروع کیا۔ پہلی اور

تیسری جماعت تک تمام کتابوں کو ماسوائے ریاضی اور سائنس ایک کتاب میں تبدیل کر دیا گیا۔ ساتھ ہی چوتھی اور پانچویں جماعت کی کتابوں پر نظر ثانی کی گئی اور تعلیمی بوجھ کو کم کرنے کی پوری کوشش کی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس طرح کسی کے جسم میں سے خون کی بوتلیں اس لیے نکال لی جائیں کہ جسم کا وزن کم ہو جائے تو وزن تو کم ہونے سے رہا البتہ کمزوری بڑھ جائے گی اسی طرح اب تعلیم بھی کمزور ہو گئی ہے کیونکہ اس کا خون کئی مضامین کو مربوط بنا کر نچوڑ دیا گیا ہے۔ جب یہ صورت پیدا ہوئی تو شور اٹھنے لگا کہ تعلیم کا معیار گر گیا ہے۔ تعلیمی اداروں سے بچے نالائق نکل رہے ہیں۔ اب حکومت کیا کر سکتی ہے۔ قوم نے اپنے ساتھ جو کیا اس کا خمیازہ خود ان کی نسلیں بھگت رہی ہیں۔

اب شور دب گیا لیکن بستہ دن بہ دن بھاری ہی ہوتا جا رہا ہے۔ خون کی کمی ہو چکی ہے۔ بدن پھولتا جا رہا ہے۔ ایک نہ ایک دن یہ چلنے کے قابل بھی نہ رہ جائے گا۔ اور وہی ہو رہا ہے کہ پہلے گھریلو ملازم بستہ اٹھا کر لے جاتے تھے اب ٹرالی نما بستے تیار ہو گئے ہیں۔

گویا بچے تعلیمی درسگاہ نہیں ہوائی اڈے کے ڈیپارچر لاؤنج میں پرواز کے لیے جا رہے ہیں۔ نہ بستہ بھاری تھا نہ تعلیم کا بوجھ زیادہ تھا یہ ایک سیاسی نعرہ تھا جس کے پیچھے عوام کی نسلوں کو پسماندہ رکھنے کی کوشش کی گئی تھی اب یہ ہو گیا ہے کہ نہ ملازمت ملتی ہے نہ کاروبار۔

اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی   پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں

ذرا بستے کی تلاشی لیجیے تو اس میں کیا ملے گا۔ لنچ باکس، پانی کی بوتلیں، گھر کے کام کی ڈائری، ہر مضمون کے لیے وزنی جلد شدہ نوٹ بکس، آرٹ پیپرز پر چھپی ہوئی وزنی کتابیں، قلم، پنسل رکھنے کے لیے خوبصورت ڈیزائنوں کی بنی ہوئی تھیلیاں، کارٹون، قصے کہانیوں کی کتابیں۔ پہلے بستے سے کاندھے جھک رہے تھے اب بستے سے پیٹھ دہری ہو رہی ہے۔ رہی سہی کسر ٹرالیوں نے پوری کر دی اب بچے اسکول میں ریڑھیاں گھسیٹتے پھرتے ہیں۔ جب اس طرح تعلیم حاصل کر کے مدرسوں سے نکلیں گے تو ریڑھیاں ہی لگائیں گے نہ کہ کچھ اور کام کریں گے۔ ایک اور اضافہ کیلکولیٹر اس کے ساتھ C.D گیمز۔

یہ تمام مسائل کھاتے پیتے گھرانوں کے لوگوں کے بچوں کے ہیں نہ دیہاتوں سے ننگے پاؤں مدارس آنے والے بچوں کے لیکن ان ہی لوگوں نے غریبوں سے تعلیم بھی چھین لی ہے۔ پڑھ لکھ کر بھی جاہل ہی رہے گا۔ اب اندازہ ہو گیا ہو گا کہ بستہ بھاری ہے یا یہ صرف ایک نعرہ ہے کورس زیادہ تھا یا اس کو کم کرنے کی سازش۔

بستہ بھاری محکمہ تعلیم یا ماہرین تعلیم نے نہیں بلکہ تاجر پیشہ لوگوں نے والدین کے ساتھ مل کر بنایا ہے۔ نجی اداروں نے بھی اس سلسلے میں بڑا کردار ادا کیا ہے کیونکہ بہت سے ادارے اپنا ہی سٹیشنری کا سامان خود تیار کرواتے اور خود ہی مہنگے داموں خریدنے پر والدین کو مجبور کرتے ہیں۔

اساتذہ ان مسائل کو جو نعرے کی صورت اختیار کر لیں ان کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کریں اور تعلیم کے مقاصد کا بغور مطالعہ کریں۔

مسئلہ نمبر 3: تعلیم مہنگی ہوتی جارہی ہے

عام تاثر یہی ہے کہ غریب تعلیم حاصل نہیں کر سکتا۔ آج سے ایک صدی واپس جایئے۔ غریب بھی اس وقت تعلیم حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اگر وہ تعلیم حاصل کر لیتا تو مزدور طبقہ کہاں سے آتا ؟ مزدوری کون کرتا؟ غربت اور امارت دونوں وجود کائنات کے ساتھ ساتھ سفر کر رہی ہیں۔ اونچ نیچ کا تصور کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ آغاز اسلام میں بھی غلاموں اور کنیزوں کا وجود تھا۔ انہیں تحفظ ہی اسی صورت میں ملتا تھا کہ وہ مقتدر طبقہ کی خدمت کا کام کرتے تھے۔ تعلیم کے مفہوم کی تشریح اور اساتذہ کی تربیت آگے کسی باب میں کر دی گئی ہے۔ اوپر کا طبقہ ہمیشہ دساور میں جا کر تعلیم حاصل کرتا تھا۔ تقسیم ہندوپاک سے قبل تمام پرائمری مدارس مقامی کونسل کے تحت کام کرتے تھے۔ جو عوام کے لیے تھے، خواص کے لیے جونیئر ماڈل سکول تھے۔ سنٹرل پبلک سکول جہاں انگریزوں، وڈیروں اور جاگیرداروں کے بچے پڑھتے تھے لاہور ایچی سن کالج، کینئرڈ کالج، کوئین میری کالج کراچی میں سندھ مدرسہ اوپر کے طبقہ کے لوگوں کے لیے جاری تھے۔ عوام عام مدرسوں

میں پڑھتی تھی۔ اشرافیہ اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن جایا کرتی تھی اور نچلی ذات کے لوگ عام مدارس میں پڑھتے تھے۔ تعلیم اس وقت بھی مہنگی تھی اور اب بھی مہنگی ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ مثل مشہور ہے جتنا گڑ ڈالو گے اتنا ہی میٹھا پکوان ہوگا۔ جس قدر رقم خرچ کرو گے اس قدر عمدہ ماحول میں تعلیم حاصل کر سکو گے۔ پیسے خرچ نہیں کرو گے تو ٹاٹ والے مدرسے ہی ملیں گے۔ جس تعلیم کی بات لوگ کرتے ہیں کہ تعلیم مفت تھی تو وہ دینی تعلیم تھی۔ دینی تعلیم اب بھی ہر ملک اور مذہب میں مفت دی جاری ہے اور سستی بھی جا سکتی ہے۔ لیکن یہ دیکھیے کہ معاشرے میں وہاں سے نکلے ہوئے طلباء کو کیا مقام حاصل ہے لہٰذا یہ سوچ کہ تعلیم مہنگی ہو گئی ہے اور غریبوں کے ہاتھ سے نکلتی جا رہی ہے صرف نعرہ بازی ہے۔ تعلیم پہلے بھی غریبوں کی دسترس میں نہ تھی اور نہ اب ہے۔ ایک غلط نعرے کی وجہ سے لوگوں نے تعلیم کو روزگار اور ملازمت کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ پہلے یہ تصور قطعاً نہیں تھا۔ لوگ اپنے لیے روزگار خود ہی پیدا کرتے تھے کوئی حکومت سے مطالبہ نہیں کرتا تھا کہ حکومت روزگار اور ملازمتوں کا بندوبست کرے۔ یہ یہودی نظریہ تعلیم ہے۔ جس نے تمام اسلامی معاشرے کی سوچ کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ ہر سیاسی رہنما یہی دعویٰ کرتا ہے کہ روزگار کے مواقع پیدا کرے گا۔ لوگوں کو روزگار دے گا۔ ملک سے غربت دور کرے گا۔ نصف صدی کے اندر ۷۲ فیصد عوام غربت کی لکیر سے نیچے جا چکے ہیں۔ پاکستان میں فی کس آمدنی ایک ڈالر یومیہ ہو چکی ہے۔ یہ کہنا کہ تعلیم غریبوں کے ہاتھ سے نکل گئی ہے۔ تعلیم نہیں روزگار کے مواقع ہاتھ سے نکل گئے پہلے کے غریب آج کے غریب سے کہیں زیادہ خوش حال تھے اب سندیں اور ڈگریاں ملازمتوں کے لیے حاصل کی جا رہی ہیں اپنے رویوں میں مثبت تبدیلیاں لانے کے لیے نہیں۔ معاشرے کو فلاحی معاشرہ بنانے کے لیے نہیں۔ عوام خود انحصاری ختم ہو کر حکومت انحصاری پر آ گئی ہے اور حکومت میں بیشتر نمائندے زرِ خطیر خرچ کر کے منافع کمانے آتے ہیں نہ کہ عوام کی حالت سدھارنے۔ لہٰذا ہمیں تعلیم کے مقاصد جس کا تذکرہ اسی کتاب میں آیا ہے کا مطالعہ بغور کرنا چاہیے۔ اور طلبہ میں خود انحصاری کے طریقے وضع کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا چاہیے۔ نیز وہ اپنے لیے اعلیٰ تعلیم حاصل

کرنے کے مواقع خود پیدا کریں۔

مسئلہ نمبر 4: تعلیم میں دوہرا نظام چل رہا ہے نظام تعلیم بدلنے کی ضرورت ہے

جس طرح کہتے کہ ہم معیار تعلیم ہیں اور کہنا کچھ اور چاہتے ہیں اسی طرح ہم نظام تعلیم کہتے ہیں سمجھانا کچھ اور چاہتے ہیں۔ جب کوئی چیز وجود میں آتی ہے تو وہ کسی نہ کسی نظام کے تحت آتی ہے۔ اگر اس چیز میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے تو نظام کے مطابق اس کو جانچنا ہوگا کہ اس میں خرابی کی کیا وجہ ہے۔ جس طرح حکومت جمہوری ہو یا شخصی، صدارتی ہو یا پارلیمانی یہ تمام نظام حکومت ہیں۔ اب ہمیں ہر نظام کا مطالعہ کرنا ہوگا اور یہ طے کرنا ہوگا کہ حکومت کس نظام کے تحت چلانا ہے۔ اگر ہم جمہوری نظام حکومت چلاتے ہیں اور حکومت میں کچھ خرابیاں پیدا ہو جائیں تو یہ دیکھنا ہوگا کہ جمہوریت کے کیا تقاضے ہیں۔ جمہوری نظام حکومت ہم سے جو تقاضا کرتا ہے کیا وہ تقاضے پورے ہو رہے ہیں اگر پورے نہیں ہو رہے ہے تو پھر حکومت میں خرابی ہے اور ہمیں حکومت کو بدلنا ہوگا نہ کہ نظام حکومت۔ نظام حکومت وہی جمہوری رہے گا حکومت بدل جائے گی۔ اسی لیے ملک کے آئین میں حکومت بنانے کے لیے انتخابات کرانے ہوتے ہیں۔ اگر بقیہ حکومت تقاضوں کو پورا کرتی رہی ہے اور اس میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی۔ عوام انھیں نمائندوں کو دوبارہ منتخب کر لیتے ہیں اور پھر سے وہی حکومت بن جاتی ہے۔ نظام ایک نظریاتی اصطلاح ہے۔ اسی طرح نظام تعلیم قدرتی تقاضوں کے مطابق بنایا گیا ہے۔ جس کا بنیادی نقطہ بچہ ہے۔ جسے ہم تعلیم دینا چاہتے ہیں، قدرت کے تقاضوں کے مطابق وہ دن، ماہ و سال میں اپنی زندگی کا سفر طے کرتا ہے۔ اسی لیے اس کتاب کے ایک باب میں بعنوان تعلیم اور اس کے مدارج میں یہی بات واضح کی گئی ہے کہ تعلیم کے دو نظام ہیں ایک جو کلیتاً قدرتی اصولوں پر چلتا ہے۔ انسان بچے کو اس تعلیم جس کی ہمارے ملک میں ۵ سال کی عمر ہے میں قدرتی تقاضوں کے مطابق جس میں لانے کے لیے تیار کرتا ہے۔ غیر رسمی تعلیم میں آنے کے بعد بچے کی طبعی عمر کے مطابق تعلیم کے مدارج متعین کر دیے جاتے ہیں کیوں کہ طبعی عمر کے مطابق بچے کی ذہنی عمر بھی نمو پاتی ہے۔ ذہنی اور جسمانی پختگی کے

مطابق تعلیم کا پروگرام مرتب کیا جاتا ہے جسے نصاب یا کورس(Course) کہتے ہیں۔ ساری دنیا میں یہی نظام تعلیم رائج ہیں اور ہم بھی اسی نظام کے مطابق تعلیم وتدریس کا اہتمام کرتے ہیں۔ لہٰذا نظام ایک ہمہ گیر اصطلاح ہے۔ اس کی اقسام ہیں جس طرح حکومت کی اقسام ہیں۔ تعلیم کا نظام صرف قدرت ہی بدل سکتی ہے۔ اگر کوئی تبدیلی لائی جاسکتی ہے تو اس کے مدارج ہیں جس طرح ہمارے ملک میں پرائمری تعلیم ۵ سال سے شروع ہوتی ہے، ملائیشیا میں ۶ سال سے اور جاپان میں ۷ سال سے۔ ہمارے ملک میں تعلیم کی زبوں حالی نظام کی وجہ سے نہیں بلکہ پروگرام جو اس نظام کے تحت چل رہے ہیں۔ مثلاً طریقہ امتحانات، طریقہ تربیت، اساتذہ طریقہ درس وتدریس، طلباء کے داخلہ کا طریقہ، تعلیمی اخراجات، تعلیمی پروگرام حکومت چلائے، نجی ادارے چلائیں یا دونوں باہمی اشتراک سے چلائیں۔ غیر ملکی پروگراموں کو اپنایا جائے۔ جیسے O لیول، A لیول، سینئر کیمبرج، جونیئر کیمبرج، پائلٹ طرز کے مدارس، کمپریہنسو (جامع) مدارس، جونیئر ماڈل، سنٹرل ماڈل، انٹرمیڈیٹ کالج، ہائیر سیکنڈری سکول، ایلیمنٹری کالج آف ایجوکیشن، ادارہ تعلیم وتحقیق پنجاب یونیورسٹی اور اوپن یونیورسٹی یہ تمام مختلف ناموں سے اپنے اپنے پروگراموں کے مطابق تعلیم دے رہے ہیں۔ اس تعلیم میں کیا خرابی پیدا ہورہی ہے۔ تعلیمی پروگرام سے خاطر خواہ نتائج کا حاصل نہ ہونا اس میں خرابی پروگرام کی وجہ سے نہ کہ نظام کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا یہ نعرہ کہ نظام بدلا جائے یہ جہالت پر مبنی ہے۔ البتہ پروگراموں کا جائزہ لیا جاسکتا ہے اور جہاں خرابی ہو اسے دور کیا جائے۔ ہمارے ملک میں شرح خواندگی خاطر خواہ رفتار سے نہیں بڑھ رہی ہے۔ اس کا سبب نظام نہیں بلکہ پروگرام ہے جب حکومت بدلتی ہے تعلیمی پالیسی بھی بدل دی جاتی ہے۔ اور پروگرام میں حکومت کی خواہش کے مطابق طلباء کی ضروریات اور والدین کے مسائل کو مدنظر رکھے بغیر پروگرام تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ کوئی منصوبہ غیر مستحکم حکومتوں کی وجہ سے مکمل نہیں ہوتا جس سے تعلیم بھی متاثر ہوتی رہی ہے۔ اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام تعلیمی پروگراموں کا جائزہ لے کر ان میں خاطر خواہ تبدیلیاں لائی جائیں نہ کہ نظام کی تبدیلی کا نعرہ بلند کرتے رہیں۔ سیاسی مداخلت

نے نہ صرف شعبہ تعلیم بلکہ ہر شعبہ میں مسائل پیدا کر دیے ہیں۔ آسٹریلیا میں تعلیم کو آئین میں تحفظ دیا گیا ہے۔ حکومت کو بھی بنائے ہوئے نظام پروگرام میں من مانی اور بے جا مداخلت کا اختیار نہیں ہوتا۔

مسئلہ نمبر 5: پڑھنے لکھنے کا کیا فائدہ نوکری تو ملتی نہیں

تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے انیسویں صدی کی نصف سے پیچھے جائیں تو معلوم ہوگا کہ پڑھنے کا رجحان تعمیر سیرت و کردار، نیک نامی، شہرت، عزت اور خود کفالت کی طرف تھا۔ ملازمتوں کے لیے اس قدر بھاگ دوڑ نہیں ہوتی تھی۔ لوگوں کو ملازمتوں کی پیشکش ہوتی تھی اور وہ انکار کر دیا کرتے تھے۔ قائد اعظم کو انگریزوں نے ملازمت کا لالچ دیا آپ نے ٹھکرا دیا۔ بڑی بڑی شخصیتوں کی سوانح عمریاں پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ انھیں ملازمتیں ملتی تھیں اگر دل چاہا تو کر لیا ورنہ چھوڑ دیا۔ متوسط طبقہ کے لوگ زیادہ تر گھریلو صنعتوں کو اپناتے تھے اپنی آئندہ نسلوں کو بھی وہی ہنر سکھاتے تھے لیکن ساتھ ساتھ ہی وہ تعلیم یافتہ بھی ہوتے تھے۔ سابقہ صفحات میں تعلیم کے مقاصد بیان کیے گئے ہیں۔ کوئی ایک مقصد بھی ایسا نہیں ہے جو نشاندہی کرے کہ تعلیم کے ذریعے طلباء کو ملازمت کے قابل بنانا مقصود ہے واضح طور پر لکھا ہے کہ طلباء کو باعزت طور پر زندگی گزارنے اور خود کفالت کے وسائل پیدا کرنے کے قابل بناتا ہے۔ مکینیکل تعلیم اور فنی ہنر اسی لیے سکھائے جاتے ہیں کہ طلباء پڑھ لکھ کر اپنے لیے خود روزی کا ذریعہ تلاش کرنے کے قابل ہو جائیں۔ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ملازمت کو اچھا نہیں سمجھا۔ تجارت پر انھوں نے زور دیا لہٰذا جب تک تعلیم یافتہ طبقہ خود کفیل بننے کے لیے نہ سوچے گا۔ وہ تعلیم سے صدا مایوس رہے گا۔

◆◆◆

یونٹ نمبر ۳

علم کیا ھے

تعلیم کا عمل انتقال ''علم'' کے ذریعے وقوع پذیر ہوتا ہے۔ تعلیم کے مفہوم کی وضاحت سے قبل مختصراً یہ جان لینا کہ ''علم'' کیا ہے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

لفظ علم عربی زبان کے تین حروف تہجی ''ع، ل، م'' سے بنا ہوا ہے۔ علم کے لغوی معنی واقفیت، جاننا، کسی چیز کی سمجھ ہوتا ہے۔ علم کے لیے انگریزی زبان میں عام طور پر دو الفاظ استعمال ہوتے ہیں پہلا لفظ (Knowledge) ہے جو لغوی معنی ہیں دوسرا لفظ (Science) ہے جو اصطلاحی معنی ہیں جسے کسی چیز کا علم ہو اسے عالم کہتے ہیں جسے انگریزی میں (Scholar) اور عربی میں علامہ کہتے ہیں۔

جسے کسی چیز یا بات کا علم نہ ہو اسے جاہل کہتے ہیں۔ لیکن عام طور پر ناخواندہ کو جاہل کہتے ہیں۔ ناخواندہ جو پڑھا لکھا نہ ہو اسے جاہل کہنا غلط ہے اسے ہم ان پڑھ کہہ سکتے ہیں۔ ہر شخص عالم بھی ہوتا ہے اور جاہل بھی۔ جاہل کے لیے انگریزی کا لفظ (Ignorant) یعنی لاعلم ہے اور ان پڑھ کے لیے انگریزی کا لفظ (Illiterate) ہے۔ پڑھے لکھے کو انگریزی میں Literate کہتے ہیں خواندگی کے عمل کو (Literacy) کہتے ہیں۔

اس بحث سے بخوبی واضح ہو گیا ہے کہ علم کیا شے ہے۔ کسی شے یا عمل کے ادراک کا نام علم ہے۔ علم حاصل بھی کیا جاتا ہے اور علم وہبی بھی ہوتا ہے جیسے انبیاء (علیہم السلام اجمعین) پر وحی نازل ہوتی تھی۔ اولیا (رحمہم اللہ اجمعین) پر کشف ہوتا ہے۔ عام لوگوں کو الہام ہوتا ہے۔ علم تحقیق اور دریافت کے ذریعے بھی حاصل ہوتا ہے۔

علم کے پختہ اور درست ہونے کی جانچ کے لیے انسان نے خود طریقے وضع کیے ہیں۔

علم کو تجربات کی کسوٹی پر جانچا بھی جاتا ہے۔ علم صحیح بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی۔ ڈارون (Darwin) نے ارتقائے انسانی کا نظریہ پیش کیا۔ مشاہدات اور واقعات نے اس علم کو غلط قرار دیا۔ ہوا ہر جگہ موجود ہے۔ پانی ہلکا اور بھاری ہوتا ہے۔ رنگ سورج کی شعاعوں سے بنتے ہیں۔ سائنسی تجربات نے اس علم کو صحیح قرار دے دیا۔ وہی علم قابل قبول ہوتا ہے جسے عقل انسانی قبول کرلے۔ جس کے پیچھے کوئی منطقی استدلال ہو یہی وجہ ہے کہ علم کی بے شمار شاخیں پیدا ہو گئی ہیں۔ مثلاً علم نباتات، علم حیوانات، علم جمادات، علوم انسانیات اور ان کی بے شمار ذیلی شاخیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے گویا کائنات ارضی و سماوی علوم کے خزانے سے بھری ہوئی ہے۔ ابھی جو کچھ ہمارے علم میں آیا ہے وہ کچھ بھی نہیں ہے علامہ اقبال نے اسی لیے کہا۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں　　　زمیں اور بھی آسماں اور بھی ہیں

جس طرح سمندر کا کوئی کنارہ نہیں نظر آتا اسی طرح علم ایک بحر بیکراں ہے۔ لاطینی زبان میں (Educator) تعلیم دینے والے کو کہتے ہیں اسی لفظ سے فعل Educate بنایا گیا۔ تعلیم دینے والے کو Educator کہتے ہیں۔ اس لفظ کو اب بہت وسیع مضمون اور مقاصد کے اظہار کے لیے استعمال کیا جائے گا مثلاً پرورش، دیکھ بھال، نشوونما اور کارآمد بنانا وغیرہ۔ تعلیم ایسا عمل ہے جس کے ذریعے بچہ جو حیوانیت کے بہت قریب ہوتا ہے۔ اسے انسان بنایا جاتا ہے۔ غالب نے کہا ہے۔

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا　　　آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

انسانیت کی جامع تشریح اس طرح کی گئی ہے کہ۔

وہی انسان بس انسان کہلانے کے قابل ہے

جو اپنے سے زیادہ غیر کی مجبوریاں جانے

ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو استاد کامل اور معلم اول کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ انسانیت کا کمال یہ ہے کہ سائل افطار کے وقت آئے تو اپنی روٹی سائل کو دے دے

اور خود پانی سے افطار کر کے اٹھ جائے۔ علم انسان میں خودداری، عزت نفس، انسانوں سے اچھا سلوک کرنا سکھاتا ہے ایسے ہی شخص کو تعلیم یافتہ کہتے ہیں۔

علم اور معاشرے کا گہرا تعلق ہے انسان چونکہ تنہا نہیں رہ سکتا اسے معاشرتی زندگی اپنانی پڑتی ہے۔ عربی ہو، ایرانی ہو، افغانی ہو، پاکستانی ہو، جاپانی ہو، یونانی ہو۔ کسی بھی نسل، ذات اور عقیدے کا ہو علم اسے ایک ساتھ باہمی رابطے افہام و تفہیم کے ساتھ رہنا سکھاتا ہے۔ عزت کسی کی بھی ہو چھوٹا ہو یا بڑا ہو ایک ایسے مقام پر باعزت بزرگ اور قابل احترام ہوتا ہے۔ اسی لیے ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو بچوں سے بڑی شفقت سے پیش آتے تھے۔ دین اسلام میں بچوں کے حقوق والدین کے لیے اور والدین کے حقوق بچوں کے لیے، ہمسائیوں اور مسافروں کے لیے ہمدردی، پیار و محبت اور شفقت سے پیش آنا ہی کسی کے تعلیم یافتہ ہونے کی علامت ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے اختتام پر جو تباہی ہوئی، انسانی جانوں کا ضیاع ہوا تو دنیا کی تمام اقوام نے مل کر ایک سیکیورٹی کونسل بنائی۔ اقوام متحدہ (UNO) کا ادارہ وجود میں آیا اور ممبر ملکوں نے عہد کیا کہ اب جنگ نہیں لڑی جائے گی، مہلک ہتھیار نہیں بنائے جائیں گے۔ یہ تعلیم کا نتیجہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ماسوائے بربریت پھیلانے اور دہشت گردی کرنے والی اقوام ہی جنگوں میں قتل و غارت کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں ورنہ تعلیم یافتہ اقوام اس عمل کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتیں۔

◆◆◆

maablib.org

یونٹ نمبر ۳

تعلیم کیا ھے

جب ہم اپنی معلومات یا علم کو کسی دوسرے تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ تعلیمی عمل کہلاتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے تیسویں پارے سورۃ العلق کی آیت نمبر ۹۶ میں ارشاد فرمایا ہے "علم الانسان مالم یعلم" "انسان کو وہ سب کچھ بتادیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ جس چیز کا اسے شعور نہیں تھا، اس کا شعور دے دیا تاکہ کائنات میں جو کچھ ہے اسے جان سکیں، پہچان سکیں اور سمجھ سکیں۔ یہی وہ عمل ہے جو کسی معلم کی طرف سے واقع ہوتا ہے۔ فرد کو اشیاء اور ان کی حقیقت کا ادراک بہم پہنچانے کا عمل تعلیم کا عمل ہوتا ہے۔ تعلیم کے لیے انگریزی لفظ (Education) استعمال ہوتا ہے۔ تعلیم کے عمل کو انگریزی میں (Educationl Process to Educate) کہتے ہیں۔

تعلیم ایک عمل ہے۔ پڑھنا اکتساب علم کی کوشش ہے۔ علم حاصل کرنے کے بعد ہی اکتساب علم کی کوشش کامیاب ہوتی ہے۔ علم حاصل کرنے کے بعد ہی انسان تعلیم یافتہ بنتا ہے۔ اگر تعلیم کا عمل صحیح اور بامقصد خطوط پر استوار کیا گیا ہے تو تعلیم کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ تعلیم کا عمل انسان کی پیدائش کے بعد سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ بچے کو سکول میں سائنس، ریاضی، معاشرتی علوم، تاریخ، جغرافیہ پڑھانا مقصود ہوتا ہے۔ صحیح اور ناقص تعلیم کا مسئلہ بہت پرانا ہے۔ ایک بار ارسطو کے شاگردوں نے اس سے شکایت کی تھی کہ ان کے شاگردوں کی صحیح تعلیم نہیں ہو رہی تو اس نے ان سے کہا تھا کہ "ہم مدرسین کیا کرتے ہیں تاریخ پڑھاتے ہیں، ریاضی پڑھاتے ہیں، جغرافیہ پڑھاتے ہیں لیکن کمرہ جماعت میں بچوں کو نہیں پڑھاتے ہماری توجہ کا مرکز کمرہ جماعت میں مضامین کی تدریس ہوتا ہے بچے کی تعلیم پر نہیں ہوتا۔ اسی لیے تعلیم کے عمل کے

خاطر خواہ نتائج بر آمد نہیں ہو رہے۔"

تعلیم کی وضاحت بڑے بڑے ماہرین، مفکرین اور فلسفیوں نے کی ہے۔ ماہرین کی رائے اس طرح ہے۔

بقول سقراط "تعلیم سچائی کی تلاش میں مدد دینے کا نام ہے۔"

بقول افلاطون "تعلیم معاشرے کے متوازی تنظیم کا عمل ہے۔"

بقول ارسطو "تعلیم مخفی صلاحیتوں کے ساتھ عقلی اور اخلاقی نشوونما کا عمل ہے۔"

بقول روسو "تعلیم فطری ماحول میں انسانی نشوونما کا عمل ہے۔"

بقول فروبل "تعلیم زندگی خوشگوار بنانے کا ایک ذریعہ ہے۔"

بقول ملٹن "تعلیم جنگ یا امن میں متوازن زندگی گزارنے کا عمل ہے۔"

بقول امام غزالی (رحمۃ اللہ علیہ) "تعلیم تشکیل و تکمیل اخلاق کا عمل ہے۔"

بقول ابن خلدون "تعلیم غور و فکر کو بروئے کار لا کر انسان کو حقائق سے روشناس کرانے کا عمل ہے۔"

بقول علامہ اقبال "تکمیل خودی کا نام ہے۔"

بقول حضرت علیؑ "دنیا میں اصل حسن علم و ادب ہے۔ گویا مولا کے نزدیک علم حسن ہے۔ حسن معنوی بھی اور حسن باطنی بھی۔

اسی طرح بے شمار مفکرین تعلیم کے متعلق اپنا اپنا فلسفہ رکھتے ہیں۔ لیکن ان تمام تعریفوں کو یکجا کر کے ان کا نچوڑ نکالا جائے تو یہ بات ضرور واضح ہوتی ہے کہ "تعلیم" ایک عمل (Process)

ہے جس کے ذریعے چند مخصوص مقاصد حاصل کیے جاتے ہیں۔ تعلیم کے عمل کو جاری رکھنے میں تدریس کا بڑا عمل دخل ہے۔ تدریسی عمل کے معیار کا انحصار تعلیم کے معیار پر ہے۔

تعلیم کے فوائد

علم میں اضافہ، معاشرے میں ہم آہنگی، زندگی میں بہتری کی خواہش اور اپنی شخصیت میں نکھار پیدا کرنے سے انسان ترقی کرتا ہے۔ ترقی دراصل بہتری کی خواہش کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ غیر تعلیم یافتہ افراد کے مقابلے میں تربیت یافتہ افراد معاشرے کی ترقی میں زیادہ معاون و مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جتنی کوئی قوم تعلیم یافتہ ہوگی اتنی ہی جلد ترقی کی منزل حاصل کرے گی۔ جب ہم ترقی یافتہ اقوام پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو ان کی ترقی کا راز تعلیم میں مضمر نظر آتا ہے۔ اس سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ ملک کی ترقی میں تعلیم کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔

پرائمری تعلیم ملک کے تعلیمی ڈھانچے کی بنیاد ہے۔ آج دنیا میں وہ ملک جن میں پرائمری تعلیم عام و معیاری ہے، وہی ممالک ترقی کی دوڑ میں پیش پیش ہیں۔ معاشی اور معاشرتی سطح پر تعلیم ہی ایک ایسا زینہ ہے جس کو طے کرنے سے صحیح معنوں میں مثبت تبدیلی رونما ہوسکتی ہے۔ معاشرے کے خدوخال کے عکس ہم تعلیم کے آئینے میں دیکھ سکتے ہیں۔

◆◆◆

maablib.org

یونٹ نمبر ۵

تعلیم کا ذریعہ

عرف عام میں ذریعہ تعلیم سے مراد زبان لی جاتی ہے۔ یعنی تعلیم کے لیے کون سی زبان استعمال کی جاتی ہے۔ جہاں تعلیم کا ذریعہ اردو زبان ہو وہاں کہتے ہیں (Urdu Medium of Education) اور جہاں انگریزی زبان ذریعہ تعلیم ہو تو وہاں کہا جاتا ہے (English Medium of Education)۔ اصل میں ذریعہ تعلیم کے لیے جو بولی بولی جائے (Medium) کہلاتی ہے۔ یا لفظ جس کے ساتھ کوئی معنی جڑے ہوں یا سننے والا اسے سمجھ سکتا ہو۔ مثلاً بچہ پیدا ہوتا ہے تو گوشت پوست سے بنی ہوئی زبان تو اس کے منھ کے اندر ہوتی ہے۔ لیکن اظہار خیال کے لیے اس کے پاس ذخیرہ الفاظ ہوتے ہیں اور نہ ہی وہ کسی زبان سے واقف ہوتا ہے۔ اس کے پاس صرف ایک ہی زبان ہوتی ہے اور وہ ہے ''آواز کی زبان'' جسے ہم اس کا رونا کہتے ہیں۔ دنیا میں آتے ہی بچہ یہی زبان استعمال کرتا ہے اور جانتا بھی ہے۔ اب یہ اس کی ماں ہوتی ہے جو اس کے رونے کے انداز کو سمجھتی ہے چنانچہ ماہرین نے بچوں کے رونے کو سونوگرام پر ریکارڈ کر کے اس کا گراف بنایا تو معلوم ہوا کہ بچے کا رونا ۲۱ اقسام کا ہوتا ہے۔ جسے ہم رونا ہی کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ ۲۱ زبانوں میں اپنے خطاب کا اظہار کرتا ہے۔ بھوک سے رونا اور ہوتا ہے۔ پیاس سے رونا اور ہوتا ہے۔ گرمی، سردی، خوشی، غمی، خوف، ڈر، محبت، بزدلی غرضیکہ ہر مطلب کے لیے وہ رونے کی آواز پیدا کرتا ہے جو مختلف نوعیت کی ہوتی ہیں۔

ابتدائے آفرینش سے لوگ اشاروں کی زبان استعمال کرتے تھے۔ جسے ہونٹوں پر ایک انگلی رکھ کر ہم کہتے ہیں ''خاموش'' ''شور مت مچاؤ'' انگلی کے اشاروں سے بلاتے اور بھگاتے ہیں۔ لہٰذا یہ بات واضح ہے کہ تعلیم کا ذریعہ صرف الفاظ ہی نہیں بلکہ اشکال، اشارے، چہرے کے

عضلات کا اتار چڑھاؤ، آنکھوں کی حرکت، کھچاؤ، ماتھے کی شکن، ہونٹوں پر مسکراہٹ، آنکھوں کی چمک، قدموں کی چاپ، ہتھیلیوں کی تھاپ، ہاتھوں کے اشارے، آواز کا زیر و بم، اچھل کود، بھاگ دوڑ، نقالی، کارٹون سازی، پینٹومیمنگ (Pantomiming) اعضائے جسمانی کی لچک اور تحرک یہ تمام زبانیں ہی ہیں جن کی مدد سے نہ صرف انسان بلکہ حیوان بھی وہ سب کچھ سیکھ جاتے ہیں جو اسے سکھایا جائے یا وہ سب کچھ سمجھ جاتے ہیں جو اسے سمجھایا جائے۔ الّو رات کی تاریکی میں بولتا ہے۔ کوا دن کی روشنی میں کائیں کائیں کرتا ہے، پرندے علی الصبح چہچہاتے ہیں، چکور چاندنی رات میں گاتا ہے۔ مور بارش میں پر پھیلا کر رقص کرتا ہے۔ ہرن بہار میں کلیلیں بھرتے ہیں۔ کچھ پھول صبح صبح کھلتے ہیں، کچھ دوپہر میں کھلتے ہیں، کچھ سورج کی شعاعوں کے مطابق گردش کرتے ہیں، کچھ موسمی ہوتے ہیں، کچھ سدا بہار ہوتے ہیں۔ ہر پھول رنگوں کا اپنا امتزاج رکھتا ہے۔ یہ سب کیا ہے۔ یہی تو ذریعہ تعلیم ہے۔ کچھ ذرائع سے ہم خود سیکھ جاتے ہیں۔ کچھ ذرائع دوسرے استعمال کر کے سکھاتے ہیں۔

لہٰذا یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مدرس کے لیے ذرائع تعلیم بہت وسیع ہیں۔ وہ بچوں کو صرف اپنی ہی زبان سے نہ سکھائے بلکہ انھیں مواقع مہیا کرے کہ بچے خود بخود قدرتی ذرائع سے بھی سیکھ سکیں۔ ماہرین تعلیم نے الفاظ کی علامات (Verbal Symbol) کے ذریعہ سکھانے یا پڑھانے کو نہایت ہی کم تر اور ناقص طریقہ تدریس قرار دیا ہے۔ خصوصاً بچوں کی تعلیم کے لیے عملی (Learning by doing) یا خود آموزی (Self Learning) کا طریقہ نہایت موثر ہے۔ بچوں کو خود کچھ کرنے دیجیے۔ سیکھنے دیجیے جو کچھ آپ سکھانا چاہتے ہیں انھیں بچوں کے سیکھنے کے طریقوں میں ڈھالیے۔ یہی موثر ذریعہ تعلیم ہے۔

maablib.org

◆◆◆

یونٹ نمبر ۲

تعلیم کے مقاصد

دنیا میں امور مملکت کو چلانے کے لیے مختلف شعبے قائم ہوتے ہیں۔ان شعبوں کا سیاسی سربراہ وزیر ہوتا ہے۔اور انتظامی سربراہ ناظم کہلاتا ہے۔ ہر شعبہ اپنے مخصوص مقاصد کے حصول کے لیے کام کرتا ہے۔ چنانچہ، سارے انتظامی ڈھانچے میں تعلیم کا شعبہ بھی چند مخصوص اور کچھ عمومی مقاصد کے لیے کام کرتا ہے۔ لیکن یہ تمام مقاصد قومی مقاصد سے ہم آہنگ ہوتے ہیں چنانچہ ترتیب وار ان کی وضاحت مختصر انداز میں کی جارہی ہے۔

قومی مقصد:۔

قومی سطح پر تعلیم کا بنیادی مقصد مہذب ، باشعور، محب وطن، نظریہ پاکستان پر یقین رکھنے۔ اسلامی معاشرہ کے اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے۔ اسلامی ثقافتی ورثہ کی حفاظت کرنے والے نیز پیداواری صلاحیت رکھنے والے افراد پیدا کرتا ہے۔قومی مقاصد کو انگریزی میں (National Goal) کہتے ہیں۔

تعلیم کے خصوصی مقاصد:۔

تعلیم کا بنیادی مقصد انسان کی تعمیر سیرت و کردار ہے۔ جان لاک (J.Lock) کا کہنا ہے کہ باشعور انسان بنانا تعلیم کا مقصد ہے۔روسو (Russeu) کا کہنا ہے کہ تعلیم کا مقصد صحت مند جسم پر صحت مند دماغ کا پیدا کرنا ہے۔ (Sound mind on a Sound Body)۔تمام مفکرین اور ماہرین تعلیم نے اپنے اپنے عقائد اور یقین کے اعتبار سے تعلیم کے مقاصد بیان کیے ہیں۔ ماہرین تعلیم نے ان تمام مقاصد کا جائزہ لینے کے بعد ایک نہایت جامع مگر مختصر مقصد کی نشاندہی کی ہے۔جس کے مطابق تعلیم کا بنیادی مقصد انسانی رویوں میں خاطر خواہ تعمیری صلاحیت

پیدا کرتا ہے۔قومی مقصد کسی مملکت کے منتہائے مقصود کا حصول ہے۔جس کے لیے مقررہ مدت درکار ہے۔

تدریسی مقاصد:۔

یہ وہ مقاصد ہیں۔ جو تعلیم کے عمل سے فوری طور پر حاصل کیے جار ہے ہیں مثلاً پڑھنا، لکھنا، سیکھنا، چلنا، بائیسکل چلانا۔تدریس (Aims of Education) کے ذریعے ہم تعلیمی مقاصد (Aims) حاصل کرنا چاہتے ہیں۔جس کے نتیجے میں فوری طور پر انسان میں تبدیلیاں محسوس ہونے لگتی ہیں یا نظر آنے لگتی ہیں، مثلاً شرح خواندگی میں اضافہ تدریس وشوق کا نتیجہ ہے۔ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے ہمیں تدریس کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ان مقاصد کو انگریزی میں (Objective) کہتے ہیں۔

مقاصد کے حصول کے لیے لائحہ عمل قبل از وقت تیار کرنا ہوتا ہے۔ورنہ تمام عمر کی کوششیں رائیگاں جاتی ہیں ۔چنانچہ تدریس مقاصد کا تعین کر کے وقت کا ضروری خیال رکھنا چاہیے کہ ہمارے تعلیمی مقاصد کیا ہیں۔خواہ ہم کسی بھی کلاس کو کوئی بھی مضمون پڑھانے کا منصوبہ بنا بیٹھے ہوں۔ہمیں تعلیمی مقاصد پر نظر ضرور رکھنا چاہیے مثلاً ہم تیسری جماعت کی سائنس کی کلاس میں درجہ حرارت کی پیمائش کا طریقہ بتاتے ہیں۔ ہمارا مقصد درجہ حرارت کی پیمائش کا طریقہ بتانا نہیں ہے بلکہ ہمارا تعلیمی مقصد یہ ہوتا ہے کہ طالب علم تھرمامیٹر کو پڑھ سکے اور گھر میں بیمار آدمی کا درجہ حرارت تھرمامیٹر سے دیکھ سکے تاکہ اس کے علم کا فائدہ حاصل ہو۔

اس بحث سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ انتہائی درجہ کے مقاصد کے حصول کے لیے کافی انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اسی لیے ان مقاصد کو اصطلاحاً (Long Range Goal) یا (Proximate Goal) یعنی قومی مقاصد درمیانی مدت کے مقاصد کو (Medial Goal/Aims) کہتے ہیں اور نچلی سطح پر حاصل کیے جانے والے مقاصد کو (Initial Objective) کہتے ہیں۔

چینیوں کے ہاں ایک کہاوت مشہور ہے کہ اگر آپ مختصر مدت کے مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں تو فصل کاشت کیجیے۔ سارے ملک میں سال میں دو فصلیں پیدا ہوں گی اور غلہ کی ریل پیل ہو جائے گی۔ اگر آپ کم طویل عرصہ میں مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آپ درخت لگائیے۔ دس سال بعد ملک میں ہر طرف درخت ہی درخت ہوں گے۔ ملک میں ایندھن کی فراوانی ہوگی۔ پھلوں کی بہتات ہوگی۔ لکڑی کی صنعت کو خاطر خواہ ترقی ہوگی۔ اگر آپ لمبے عرصہ میں مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں تو انسانوں کی تعلیم وتربیت کا پروگرام بنائیے۔ ایک صدی بعد ملک کی حالت ہی بدل جائے گی۔ ایک مہذب تعلیم یافتہ اور پیداواری صلاحیت رکھنے والی قوم جڑیں پکڑ چکی ہوگی اور اگر آپ تمام منصوبے ایک ساتھ شروع کردیں گے تو کہیں کے نہ رہیں گے۔ بقول شاعر

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم　　　　نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

یہی وجہ ہے کہ مقاصد کا تعین کرنے کے لیے بڑے بڑے ماہرین، تجربہ کار اور صاحب علم اکٹھا ہوتے ہیں اور بحث ومباحثہ کے بعد ہر سطح کے مقاصد کا تعین کیا جاتا ہے۔ مقاصد کا تعین کرتے وقت اس امر کا ضرور خیال کیا جاتا ہے کہ کیا یہ مقاصد قابل حصول بھی ہیں یا نہیں؟ کیا ان مقاصد کے حصول سے طلباء کے کرداری رویوں میں خاطر خواہ تبدیلی نظر آئے گی۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے آخری منزل پڑھانے پر آکر ختم ہوتی ہے۔ جب پڑھانے کی بات آتی ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ

کیا پڑھانا ہے　　　　(نصاب)؟

کس چیز کی مدد سے پڑھانا ہے　　　　(کتاب)؟

کون پڑھائے گا　　　　(مدرس)؟

پڑھانے کی اہلیت کیسے پیدا کی جائے گی　　　　(تربیت)؟

کس طرح پڑھایا جائے گا　　　　(مشاغل تدریس)؟

کہاں پڑھایا جائے گا　　　　(تعلیمی ادارہ)؟

کن حالات میں پڑھایا جائے گا　　　　(ماحول)؟

ہر عنوان کے تحت معلومات حسب ذیل ہیں۔

نصاب تعلیم سے کیا مراد ہے:۔

نصاب تعلیم وہ نسخہ ہے۔ جس میں تعلیمی عمل کو حرکت میں لانے کے لیے ان تمام عوامل کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ جس سے تعلیمی مقاصد حاصل ہو سکیں مثلاً کیا پڑھانا یا سکھانا ہے۔ اس کے لیے مواد کس قسم کا ہوگا اور کون تیار کرے گا۔ کیسے پڑھایا جائے گا اور کون پڑھائے گا۔ جس میں اساتذہ کی تربیت کی تفصیل ہوتی ہے۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ تدریس کے عمل سے مجوزہ مقاصد حاصل ہوئے ہیں امتحانات یا جائزہ لیا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل بھی نصاب میں موجود ہوتی ہے۔ نصاب قومی، معاشرتی اور معاشی ضروریات کی تکمیل میں نہایت اہم کردار ادا کرتا ہے۔

خلاصہ

تعلیم کا بنیادی مقصد اگرچہ ایک ہی ہے لیکن اس کو حاصل کرنے کے طریقے مختلف ہیں۔ یہ طریقے حالات اور ماحول کے تابع ہوتے ہیں۔ جب دوسری جنگ عظیم میں جرمنی میں افرادی قوت ضرورت سے زیادہ تباہ ہوگئی، صنعتی کارخانے اور دیگر کارخانے بند ہوگئے۔ معاشی حالت دگرگوں ہوگئی (Semester System) سمسٹر سسٹم کا آغاز کر دیا گیا۔ جو عام تعلیمی طریقوں سے مختلف تھا۔ نصاب کی نوعیت بھی بدل گئی کیونکہ اس ملک کو جلد از جلد ہنر مند تعلیم یافتہ افرادی قوت اپنی معیشت سنبھالنے کے لیے درکار تھی۔ اسی طرح دنیا کے ترقی پذیر یا غیر ترقی یافتہ ممالک میں آبادی میں تیزی سے اضافہ کی وجہ سے شرح خواندگی حد سے زیادہ گرنے لگی تو عام رسمی تعلیم سے ہٹ کر ان ممالک نے غیر رسمی تعلیم کے طریقہ کو اپنایا۔ اگرچہ اس کو بھی زیر عمل لانے کے لیے ہر ملک نے اپنے وسائل کے مطابق مختلف طریقے اپنائے لیکن بنیادی مقصد غیر رسمی طریقہ تعلیم سے ہٹ کر شرح خواندگی کو تیزی سے بڑھانا تھا۔

پاکستان میں غیر رسمی تعلیم کی ابتداء کئی مراحل سے گذرتی ہوئی سابقہ حکومت کے دور میں پرائم منسٹر لٹریسی کمیشن کے ذریعہ شروع ہوئی اس کے بنیادی مقاصد درج ذیل تھے۔

۱۔ پرائمری تک تعلیم ۵ سال کے بجائے ۳ سال میں مکمل ہو۔

۲۔ اساتذہ کی تربیت غیر رسمی طریقہ پر On-Job کے طور پر کی جائے۔

۳۔ اساتذہ کو کثیر الجماعتی تدریس کے طریقہ سے روشناس کر دیا جائے۔

۴۔ تعلیم ناخواندہ افراد کے علاقوں میں ان کے گھروں میں پہنچائی جائے۔

۵۔ مدرس خود اپنے گھر کو مدرسہ بنالے اور اپنی سہولت کے مطابق تدریس کا کام سرانجام دے۔

۶۔ طالبات کے لیے عمر کی حد ۱۴ سال تک کر دی گئی۔

۷۔ فیس ختم کر دی گئی۔

۸۔ درسی کتب اور تدریسی سامان مہیا کیا گیا۔

۹۔ اساتذہ کو مشاہرہ ایک ہزار روپیہ ماہوار دیا گیا۔

۱۰۔ زیادہ تر کام غیر سرکاری تنظیموں (NGO's) کے سپرد کیا گیا۔

۱۱۔ درس و تدریس کی نگرانی کا باقاعدہ پروگرام بنایا گیا۔

۱۲۔ امتحانات رسمی طریقہ پر لے کر کامیاب طلباء و طالبات کو اسناد جاری کی گئیں۔

۱۳۔ تعلیمی مدت میں ۲ سال کی کمی نیز ہر قسم کی تعطیلات بند کر کے مدت پوری کی گئی۔

غیر رسمی تعلیم عمومی تعلیم سے ہٹ کر خصوصی تعلیم کی حدود میں بھی عمل پذیر ہوتی ہے۔ چند کا ذکر آگے ہوگا۔

۱۔ ہر قسم کی مہارتوں کو استعمال کرنے پر عبور حاصل کرنے میں مدد دیتی ہے۔

۲۔ آموختہ مہارتوں کو اعلیٰ مقاصد کے لیے استعمال کرنے میں مدد دیتی ہے۔

۳۔ دنیا کے تمام علوم کے تمام دروازے کھل جاتے ہیں اور ہر قسم کا علم حاصل کرنے کی

صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔

۴۔ انسان کی شخصیت کو بنانے اور ابھارنے میں مدد دیتی ہے۔

۵۔ انسان میں بہتر زندگی گذارنے، معاشرتی، معاشی، ثقافتی، دینی اور دنیاوی اقدار کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔

۶۔ تعلیم کا سلسلہ لامتناہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ رحمٰن میں فرمایا ہے:
الرحمٰن O علم القرآن O خلق الانسان O علم البیان O تعلیم آدم سے تا ایں دم جاری ہے۔ حدیث میں ہے کہ علم حاصل کرو خواہ چین بھی جانا پڑے یعنی کتنے ہی دشوار گذار راستوں پر چلنا پڑے تحصیل علم میں کوتاہی نہ برتو۔

۷۔ اپنے ذاتی مشاہدات و تجربات کو دوسروں تک اور دوسرے کو اپنی ذات تک پہنچانے میں مدد دیتی اور اسی بنیاد پر تحقیقات و ایجادات کی راہ ہموار کرتی ہے۔

تعلیم کا سلسلہ چوں کہ ابتداے آفرینش سے جاری ہے لہٰذا طبعی عمر کے مطابق تعلیم کو خانوں میں تقسیم کیا گیا۔ نیز نوعیت تعلیم کے لحاظ سے اسے اقسام تعلیم میں منقسم کیا گیا۔ باری باری ہر دو کا جائزہ لیتے ہیں۔

◆◆◆

maablib.org

یونٹ نمبر ۷

تعلیمی نفسیات

علم کی شاخیں دنیا میں ایک تناور درخت کی شاخوں کی طرح شاخ در شاخ نمودار ہو چکی ہیں۔ بنیادی علوم میں علم نباتات، علم حیوانات، علم جمادات، علم سماوات، علم ارضیات ہیں۔ ان ہی علوم کی شاخ در شاخ نے انسان پر قدرت کے بہت سے پوشیدہ رازوں کو عیاں کر دیا ہے۔ اور روز بروز نت نئے علم کی خبریں آتی رہتی ہیں۔ جیسے اس سائنسی دور میں جدید ترین علم آئی۔ ٹی (I.T.) کا آ گیا ہے۔ اور اب ان کی اس قدر شاخیں نکلتی چلی آ رہی ہیں کہ رائے بیل کی طرح پھیلتی جا رہی ہیں۔

علم نفسیات کوئی بہت پرانا علم نہیں ہے۔ انسانی دماغ (Brain) کے مطالعہ کے نتیجہ میں اس علم کا انکشاف ہوا اور انسانی زندگی سے یہ علم اس قدر وابستہ ہے کہ ہر شعبہ زندگی میں اس کا عمل دخل پایا جاتا ہے۔ چنانچہ تعلیم سے اس کا بہت گہرا رشتہ ہے۔ لہٰذا تعلیم کے میدان میں تعلیمی نفسیات (Educational Psychology) کی حیثیت سے اس نے نہایت اہم مقام حاصل کر لیا ہے۔ نفسیات کا یہ ایک اہم شعبہ ہے۔

تعلیمی نفسیات کی ماہیت:۔

نفسیات کا تعلق فطری قوتوں اور ان کو بروئے کار لانے کی صلاحیتوں کو سمجھنے سے ہے۔ تعلیمی نفسیات کا آغاز "انیسویں صدی" سے ہوا۔ ماہرین نفسیات نے مختلف صلاحیتوں مثلاً آموزش (Learning) ذہانت (Intelligence) ادراک (Perception) اور یادداشت (Memory) وغیرہ پر تجربہ کر کے بہت سے ایسے اصول وضع کیے ہیں جو طلباء کی تعلیم و تربیت میں ممد و کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔ تدریس و تعلیم آموزش و عمل ہیں۔ اگر انسانی نفسیات

سے کام نہ لیا جائے تو تعلیم یا درس کا تمام عمل رائیگاں اور بے اثر ثابت ہوتا ہے۔ تعلیمی نفسیات کے درج ذیل مدارج ہیں۔

مدارج تعلیمی نفسیات (Stages of Educational Psychology)

نشوونما (Development):۔

بیج کے زمین میں کاشت کرنے کے عمل سے لے کر تناور پھل دار درخت بننے کے عمل میں نباتاتی نفسیات کا عمل دخل رہتا ہے۔ اسی طرح بچے کے بطن مادر میں آنے کے بعد سے قبر میں جانے تک تعلیمی نفسیات، انسانی ارتقاء اور نشوونما پر اثر انداز رہتی ہے۔ نہ صرف انسان بلکہ ہر جاندار کی اپنی اپنی نفسیات ہوتی ہیں۔ مثلاً بھینس راستہ بھول جاتی ہے لیکن گائے راستہ نہیں بھولتی۔ اس لیے یورپ میں گائے کا گوشت کھایا جاتا ہے لیکن بھینس کا دودھ یا گوشت کچھ بھی استعمال نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس سے انسانوں کے اندر بھی بھینس کے جینز (Genes) داخل ہو کر ان کی یادداشت پر منفی اثر ڈال سکتے ہیں۔

تعلیم یا آموزش (Learning):۔

سیکھنے کا عمل ہر جاندار کے دنیا میں آنے کے بعد سے قبر تک جاری رہتا ہے۔ اس لیے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ "ماں کی گود سے قبر تک علم حاصل کرتے رہو" یعنی سیکھنے کا عمل ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ کچھ آموزش اکتسابی ہوتی ہے۔ کچھ قدرت کی طرف سے ودیعت۔ مثلاً ماں کی چھاتی سے دودھ پینا بچے کو کوئی نہیں سکھاتا۔ پانی پینا کوئی نہیں سکھاتا یہ قدرتی آموزش ہے۔ لیکن پانی پینے کے آداب کیا ہیں؟ یہ سکھائے جاتے ہیں۔ یہ اکتسابی آموزش ہے۔

یادداشت (Memory):۔

یادداشت ہر جاندار میں ہوتی ہے۔ کم یا زیادہ لیکن کچھ حیوانات و حشرات میں بالکل نہیں ہوتی۔ مثلاً گھوڑا راستہ کبھی نہیں بھولتا۔ بلی اپنی رہائش گاہ کبھی نہیں بھولتی، پرندے اپنا گھونسلہ کبھی نہیں بھولتے وغیرہ وغیرہ۔ آموزش کے عمل میں یادداشت کی نفسیات بہت اثر انداز ہوتی

ہے۔ بچپن میں قوت حافظہ تیز ہوتا ہے۔ اسی لئے جن بچوں کو بچپن ہی میں کلام پاک حفظ کرایا جاتا ہے وہ بڑوں کی نسبت جلد حفظ کر لیتے ہیں۔ بڑھاپے میں حافظہ کمزور ہو جاتا ہے۔ شوگر کے مریضوں کا حافظہ تیزی سے کمزور ہوتا ہے۔ کیونکہ دماغ میں حافظہ کے خلیے مردہ ہونے لگتے ہیں۔

ذہانت (Intelligence):۔

آموزش کا تعلق ذہانت کے ساتھ بہت گہرا ہے۔ اس کی تفصیل آگے چل کر آئے گی۔ کچھ لوگ بہت ذہین ہوتے ہیں، کچھ کند ذہن۔ یعنی کچھ جلدی سیکھ جاتے ہیں کچھ دیر سے اور کچھ تو بالکل ہی نہیں سیکھ پاتے۔

شخصیت (Personality):۔

ہر فرد یا بچے کی اپنی شخصیت ہوتی ہے شخصیت میں صورت شکل نہیں بلکہ ان کا وصف ذاتی اور شخصی سیرت و کردار طور طریقے شامل ہیں۔ شخصیت کا اندازہ شکل و صورت سے نہیں بلکہ رفتار، گفتار اور کردار سے ہوتا ہے۔ مدرس کے لیے اسکی اپنی شخصیت نہایت اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ کیونکہ طلباء مدرس کی شخصیت سے بہت متاثر ہوتے ہیں۔ انگلستان میں انیسویں صدی کا شاعر لارڈ بائرن اپنے زمانے کا نہایت خوبصورت درباری شاعر تھا۔ لیکن وہ کچھ لنگڑا کر چلتا تھا۔ لوگ اس کی شخصیت سے اس قدر متاثر تھے کہ نوجوان لنگڑا کر چلنا اپنے لیے فخر کی بات سمجھتے تھے۔ کیونکہ وہ بائرن کی تقلید میں لنگڑا کر چلتے تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو وزیر اعظم تھے۔ انھوں نے اجرک کا استعمال کیا تو ملک میں اجرک عام ہوگئی۔

جائزہ، اکتساب، آزمائش (Achievement Measurement and Evaluation)

سیکھنا، سیکھنے کے عمل کو اپنانا اور پھر اسے آزمانا، ان تینوں عمل سے انسان گذرتا ہے۔ مثلاً آپ کار چلانا سیکھتے ہیں۔ اب آپ اسے فن پختہ بنا لیتے ہیں اور آزمانے کے لیے بغیر کسی کے سہارے یا رہنمائی کے چلاتے ہیں۔ یہ کام عمل تعلیم کا حصہ ہیں۔

تعلیمی نفسیات میں ان تمام مدارج سے مدرس اور طلباء کو گذرنا ہوتا ہے۔اس سے ہمیں دو کاموں میں مدد ملتی ہے۔

۱۔ طلباء کی نشوونما اور ذہنی صلاحیتوں کے معلوم کرنے اور بڑھانے میں۔

۲۔ ذہانت کے ٹیسٹ متعین کرنے میں۔

تعلیمی نفسیات بچوں کی نشوونما کے اصولوں سے وابستہ ہے۔ کیونکہ آموزش اور تعلیم (سیکھنے کا عمل) کے ساتھ نشوونما کا گہرا تعلق ہے۔ ہر بچے کی سیکھنے کی صلاحیت عمر اور تجربہ سے نہ صرف بڑھتی ہے بلکہ سوئٹزرلینڈ کے ماہر حیاتیات پیاجے (Jean Piaget) کے مطابق اس میں بہت سی ایسی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں جن کی وجہ سے بچے کے سیکھنے کے طریقہ کار میں تبدیلیاں آتی ہیں۔

۱۔ تعلیمی نفسیات میں بچوں کی ذہانت کی پیمائش کے ساتھ ساتھ ٹیسٹوں کی مدد سے ہر بچے کو اس کی صلاحیتوں کے مطابق تعلیم دینے اور موزوں پیشہ اختیار کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

۲۔ بچوں کے نفسیاتی اور جسمانی مسائل سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔

۳۔ نصاب مرتب کرنے میں مدد کرتی ہے۔

۴۔ پڑھانے کے طریقہ کار میں سے بہترین طریقہ ہائے تدریس اپنانے میں مدد کرتی ہے۔

۵۔ اصول وضوابط سے روشناس کراتی ہے۔

۶۔ بچوں کو پڑھائی کی طرف رغبت دلانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

۷۔ سمعی وبصری معاونات کا استعمال سکھاتی ہے۔

۸۔ کثیر الجماعتی تدریس میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

۹۔ مانیٹرنگ اور جائزہ لینے کا ذریعہ بنتی ہے۔

◆◆◆

maablib.org

یونٹ نمبر ۸

تعلیم کا نفسیاتی پہلو کیا ھے؟

ہم لوگ الفاظ کا بہت غلط استعمال کرتے ہیں۔ انگریزی زبان میں الفاظ کا دائرہ تعلیم کے حوالے سے بہت وسیع ہے۔ بات ہم تعلّم کی کرنا چاہتے ہیں لیکن لفظ تعلیم (Education) استعمال کرتے ہیں۔ تعلّم ایک بنیادی اور فطری عمل ہے۔ تعلیم قدرت شروع کرتی ہے۔ انسان تعلیم کو پالش کرنے کے ذرائع وضع کرتا ہے۔ تعلیم کے نتیجہ میں تعلّم یعنی آموزش کا عمل وقوع پذیر ہوتا ہے، آموزش یا تعلّم کی بنیادیں ہیں۔ مثلاً کھانا پکانے کا عمل بقائے حیات کے لیے فطری حیثیت رکھتا ہے۔ بقائے حیات کا جذبہ ایک نفسیاتی پہلو ہے۔ ہر ذی روح اسی نفسیاتی ضرورت کے تحت خوراک تلاش کرتا ہے۔ تعلیم کے ذریعے انسان کو سکھایا جاتا ہے کہ خوراک کے ذرائع کیا ہیں۔ اس کے لیے کس قسم کی خوراک ضروری ہے۔ آداب معاشرت کے تحت کھانا کھانے کے کیا آداب ہیں۔ چنانچہ آموزش نفسیاتی بنیادوں کے مطابق ہوتی ہے۔ اگر نفسیاتی بنیادوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو آموزش وقوع پذیر نہیں ہوتی۔ اب ہم آموزش کے نفسیاتی پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہیں۔ تعلیم کے دو بنیادی عناصر ہیں۔

۱۔ **شعور:۔**

ذہنی طور پر اگر آمادگی نہ ہوگی تو تعلّم کا عمل وقوع پذیر نہیں ہوگا۔ اس آمادگی کا تعلق شعور سے ہے۔

۲۔ **حرکیاتی تصور:۔**

اپنی سابقہ واقفیت کی بنا پر نئے تجربات کو اس سے مربوط کر کے ہم کچھ نتائج اخذ کر لیتے ہیں۔ مثلاً گزشتہ سال گرمی کی شدت سے کافی لوگوں کو ہیٹ سٹروک ہوا تھا۔ اس سال گرمی کی

شدت زیادہ ہے۔ لہٰذا یہ ہم اپنے تجربے کو حرکت میں لا کر سیکھتے ہیں کہ اس سال ہیٹ سٹروک زیادہ لوگوں کو ہونے کا امکان ہے۔ کیونکہ پچھلے سال کی نسبت اس سال گرمی زیادہ پڑ رہی ہے۔
اس روشنی میں علم کی چند خصوصیات ہم اخذ کر سکتے ہیں۔ مثلاً

ا۔ تعلیم ایک ذہنی عمل ہے۔

۲۔ علم سے رویوں میں تبدیلی آتی ہے۔

۳۔ علم سے اعصابی اور جسمانی تبدیلی بھی آتی ہے۔

۴۔ علم کسی واضح مقصد کے تحت حاصل ہوتا ہے۔

۵۔ علم ایک حرکی تصور ہے۔ اور اس کی ایک تعبیر کسی نہ کسی عملی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔

چنانچہ تعلّم اس وقت تک وقوع پذیر نہیں ہوتا جب تک اس میں تین بنیادی عناصر شامل نہ ہوں۔ مثلاً

ا۔ **تبدیلی**

۲۔ **درستگی**

۳۔ **ذاتی فعالیت**

ماہرین نے نفسیاتی تجزیہ کرتے ہوئے تعلّم کے چار قانون وضع کیے ہیں۔ مثلاً

ا۔ آمادگی:۔

بات وہی ہے۔ جس کی طرف پچھلے ابواب میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔ یعنی گھوڑے کو آپ دریا پر تو لے جا سکتے ہیں۔ لیکن آپ اسے پانی نہیں پلا سکتے جب تک وہ آمادہ نہ ہو۔ اس طرح اردو میں ایک محاورہ ہے "باندھے بنیا بازار نہیں لگتا" یعنی دوکاندار نہ چاہے تو بازار نہیں لگ سکتا۔ تدریس کے دوران آمادگی کا پیدا کرنا ضروری عمل قرار دیا جاتا ہے۔

۲۔ مشق:۔

تعلّم کا عمل مشق کے ذریعہ پیدا ہوتا ہے۔ بہتر تدریس کے پچھلے باب میں اس کی تشریح کی جا چکی ہے۔ سائیکل چلانا سیکھنے میں پہلے گرنا ہوتا ہے۔ چوٹ کھانا ہوتی ہے۔ لیکن بار بار کی

مشق سے سائیکل چلانا سیکھ جاتے ہیں اس کا مترادف مشق ہے۔

۳۔ **تاثیر:۔**

تعلّم میں آمادگی اور مشق کے ذریعہ پختگی پیدا ہوتی ہے۔ بار بار کے تجربات یا یوں کہیے کہ ٹھوکریں کھانے کے بعد انسان کو عقل آتی ہے اور وہ سنبھل جاتا ہے۔ شاعر نے ایک شعر میں اس تصور کو یوں بیان کیا ہے۔

رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ پس جانے کے بعد
سرخرو ہوتا ہے انسان ٹھوکریں کھانے کے بعد

۴۔ **تلازم (Association):۔**

ارسطو کے نزدیک تمام سیکھی ہوئی باتیں انسان کے ذہن میں مربوط صورت میں موجود ہوتی ہیں۔ لیکن وہ ذہن سے محو بھی ہو جاتی ہیں اور اس کے لاشعور میں موجود ہوتی ہیں۔ اس طرح تعلّم میں پختگی آجائے گی اور اس کی اثر پذیری دیرپا ہوگی۔ چنانچہ تعلّم کے کچھ اصول وضع کیے گئے ہیں۔

۱۔ **تلازم (Association):۔**

سابقہ تجربات کے حوالے سے نئی بات سکھائی جائے تو آسانی سے سیکھی جاتی ہے۔

۲۔ **سعی وخطا (Trail & Errors):۔**

بہت سی باتیں غلطیاں کر کے سیکھی جاتی ہیں۔ ان کی بڑی مثال اس بچے کی ہے جس کے سامنے آگ کا دہکتا انگارہ رکھ دیا گیا پہلی بار اس نے اس کو پکڑا۔ اس کا ہاتھ جل گیا اس سے اس نے سیکھ لیا کہ سرخ رنگ کی چمکتی شے کو ہاتھ لگانے سے تکلیف ہوتی ہے۔ اب وہ ٹماٹر کو رکھا ہوا دیکھ کر نہ اس کی طرف لپکے گا اور نہ ہاتھ لگائے گا۔ اس طرح ذیل میں تعلّم کا تجربہ ماہر نفسیات (Pavlov) نے اپنے کتے پر کیا تھا۔ یہ بڑا اچھا اور دلچسپ تجربہ تھا۔ اس نے اس تجربے سے سیکھنے کا ایک دوسرا اصول بھی وضع کر لیا جسے مختصراً (S.R. Bond Theory) کہتے ہیں۔

۳۔ **تقلید(Immitation) یا (Adaptation):۔**

کسی کو کچھ کرتا دیکھ کر خود بخود وہی کرنا سیکھ جانے کا عمل تقلید کا نتیجہ ہے۔ واضح مثال بندر کی ہے جو نقال جانور کہلاتا ہے۔ کسی کو کچھ کرتا ہوا غور سے دیکھتا ہے پھر خود بخود وہی کرنے لگتا ہے۔

۴۔ **تشریط(Conditioning):۔**

تلازم کے سلسلے میں (Povlov) کے تجربہ کی مثال دی گئی ہے کسی چیز کو کسی ایسی چیز سے مشروط کر دیا جائے جس کا سکھانا مقصود ہو تو وہ عمل تشریط کہلاتا ہے۔ (Povlovs) نے کتے کے سامنے کھانا رکھا اور ساتھ ہی گھنٹی بجادی۔ کھانا دیکھ کر کتے کی رال ٹپکنے لگتی ہے۔ یہی عمل اس نے کئی بار کیا ایک بار اس کتے کے سامنے کھانا نہ رکھا اور گھنٹی بجائی تو کتے کے منہ سے رال ٹپکنے لگی کتے نے سیکھ لیا تھا کہ گھنٹی کی آواز آئے گی تو کھانا ضرور ہوگا۔ اس کے اصول کو مختصراً (S.R.Bond Theory) یا (Stimulons Response Theory) کہتے ہیں۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح طبلے کے تھاپ اور سارنگی کی آواز پر ایک رقاص کا جسم تھرکتا ہے اور پاؤں متحرک ہوتے ہیں۔ وہ اپنے رقص کے ذریعہ راگ کی موسیقی کے پیچھے چھپے ہوئے تمام قصے کو اپنی حرکات سے بیان کرتا ہے۔ جو اس فن سے واقف ہوتے ہیں وہ سمجھتے ہیں اور سر دھنتے ہیں۔

◆◆◆

maablib.org

یونٹ نمبر ۹

تعلیمی نفسیات اور بچے کی نشوونما

تعلیم کا عمل کسی پروگرام کے تحت ہوتا ہے۔ تعلیم کا تمام عمل بچے کی جبلی صلاحیتوں کے تابع ہوتا ہے۔ قدرت نے انسان کو جو صلاحیتیں عطا کی ہیں ان کی مدد سے وہ تعلیم حاصل کرتا اور تعلیم دیتا بھی ہے۔ ماہرین نفسیات نے اساتذہ اور والدین کی رہبری کے لیے ان صلاحیتوں کی نشاندھی کردی ہے۔ جو بچوں میں قدرتی طور پر موجود ہوتی ہیں۔ معلم یا مدرس ان صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بچے کی تعلیم وتربیت کا پروگرام وضع کرسکتا ہے۔ ان کا تذکرہ بلحاظ عمر کیا جارہا ہے۔

پہلی منزل:۔

پیدائش سے چھ سال تک کا دورانیہ۔ اس دوران بچے میں پیدا ہونے والی صلاحیتیں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ چلنا سیکھنے کی صلاحیت۔

۲۔ ٹھوس غذائیں کھانے کی صلاحیت۔

۳۔ بات کرنے کی صلاحیت۔

۴۔ جسم سے فضلہ خارج کرنے پر کنٹرول کی صلاحیت۔

۵۔ جنسی اختلاف اور جنسی شرم وحیا کا احساس۔

۶۔ نفسیاتی استقامت کا پیدا ہونا۔

۷۔ معاشرتی اور طبعی سادہ تصورات قائم کرنے کی صلاحیت۔

۸۔ والدین، بہن، بھائی اور دیگر افراد کے ساتھ جذباتی لگاؤ کا اظہار۔

maablib.org

دوسری منزل:۔

چھ (۶) سال سے بارہ (۱۲) سال تک کا دورانیہ۔ اس دوران بچے میں جو صلاحیتیں پیدا ہوتی ہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ بنیادی جسمانی مہارتوں کے سیکھنے اور مختلف قسم کے کھیل کھیلنے کی صلاحیت۔

۲۔ خود کے بڑے ہونے کے احساس میں پختگی کی صلاحیت۔

۳۔ ہم عمر ساتھیوں کے ساتھ چلنے کی صلاحیت۔

۴۔ مناسب جنسی کردار کا احساس۔

۵۔ پڑھنے، لکھنے اور ذہنی بنیادی مہارتوں کو سیکھنے کی صلاحیت۔

۶۔ روزمرہ کی زندگی کا تصور قائم کرنے کی صلاحیت۔

۷۔ ضمیر، اخلاقیات اور اقدار کا میزان پیدا کرنے کی صلاحیت۔

۸۔ انفرادی اور معاشرتی گروپ میں رویوں کی تشکیل۔

تیسری منزل:۔

تیرہ (۱۳) سال سے اٹھارہ (۱۸) سال تک کا دورانیہ۔ اس دوران بچے میں جو صلاحیتیں پیدا ہوتی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ کسی کے وجود کو قبول کرنے اور مردانہ یا زنانہ کردار ادا کرنے کی صلاحیت۔

۲۔ دونوں جنسوں کے ہم عمروں سے نئے تعلقات قائم کرنے کی صلاحیت۔

۳۔ والدین اور دیگر افراد کے ساتھ آزادانہ جذباتی لگاؤ۔

۴۔ اقتصادی آزادی کو حاصل کرنے کے یقین کی صلاحیت۔

۵۔ کسی پیشے کا انتخاب اور اس کے لیے تیاری کی صلاحیت۔

۶۔ شہری اہلیت کے تصور اور ذہنی مہارتوں کا پیدا ہونا۔

۷۔ معاشرتی ذمہ داریوں کی امنگ اور انھیں قبول کرنے کی صلاحیت۔

۸۔ شادی اور ازدواجی زندگی کی تیاری کی صلاحیت۔

۹۔ سائنسی بنیادوں پر واضح انداز متعین کرنے کی صلاحیت۔

اس عمر کے بعد سے اعلیٰ تعلیم کی ابتدا ہوتی ہے۔تمام مدارس بلحاظ عمر اگر بچے کی ان تمام صلاحیتوں کا ادراک رکھیں تو تدریس اور تعلیم کا عمل بہتر ہو سکتا ہے۔مدرس کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ بچہ اڑھائی سال کی عمر تک ۶۰ رالفاظ ماحول سے خود سیکھ چکا ہوتا ہے۔ساڑھے تین سال کی عمر میں اس کے پاس ۱۲۰۰ رالفاظ کا اپنا ذخیرہ ہوتا ہے۔جب کہ ۵ سال کی عمر میں مدرسہ آتا ہے۔اس وقت اس کے پاس کم وبیش ۱۵۰۰ رالفاظ کا ذخیرہ ہوتا ہے۔ہمارے تعلیمی پروگرام کے مطابق یہ طے کر لیا گیا ہے کہ مدرسہ میں داخل ہونے کے بعد سے ہر سال نئے ۵۰۰ رالفاظ کا ذخیرہ ہو چکا ہوتا ہے۔اس لیے لندن کی آکسفورڈ یونیورسٹی کے ماہر لسانیات (C. K. Ogden) نے انگریزی کے ۲۶۰۰ رالفاظ کا ایک ایسا ذخیرہ مرتب کیا جس سے اس کا دعویٰ تھا کہ جس بچے کو یہ ۲۶۰۰ رالفاظ آتے ہیں وہ انگریزی بول، پڑھ اور سمجھ سکتا ہے۔اگرچہ بعد میں اس کا یہ دعویٰ صحیح ثابت نہ ہوا بعد میں ۱۲۵۰۰ رالفاظ کے ذخیرہ الفاظ پر کام ہوا ہے۔جس کی فہرست پاکستان کے ٹیکسٹ بک بورڈوں کو ارسال کر دی گئی ہے یہ پراجیکٹ مرکز تحقیق وترقی نصاب لاہور کے زیر اہتمام مکمل ہوا۔

تحقیقی مطالعہ:۔

تحقیقی مطالعہ کے بعد انگلستان میں (Binet) نے جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے نے ذہنی آزمائش کا ٹیسٹ بنایا اور معلوم کیا کہ مندرجہ ذیل طبعی عمر کے مطابق ذیل کے سوالوں کا جواب دے دے تو بچہ ذہنی طور پر نارمل (Normal) ہوگا۔

عمر تین ۳ سال:

سوالات:

۱۔ ناک، کان، آنکھ اور منہ کی طرف اشارہ کرنے سے ان کے نام بتا سکے۔

۲۔ دو عددوں میں با آسانی دہرا سکے مثلاً ۳،۵

۳۔ مختلف اشیاء کی گنتی کر کے تعداد بتا سکے۔

۴۔ اپنا خاندانی نام بتا سکے۔

۵۔ چھ الفاظ تک مشتمل جملے بنا سکے۔

عمر پانچ ۵ سال:

سوالات:

ا۔ دو لائنوں کا مقابلہ کر سکے۔ مثلاً ٹیڑھی، سیدھی، چھوٹی، بڑی۔

۲۔ ایک مربع شکل کی نقل کر سکے۔

۳۔ دس الفاظ پر مشتمل جملہ بنا سکے۔

۴۔ چار تک سکوں کو گن سکے (افسوس ہمارے ملک میں اب سکہ صرف روپیہ ہی رہ گیا ہے)

۵۔ منقسم مستطیل کے دو حصوں کو جوڑ سکے۔

عمر نو ۹ سال:

سوالات

ا۔ تصویروں کی شناخت اعلیٰ پیمانے پر کر سکے۔

۲۔ بعض اشیاء کی تعریف کر سکے۔

۳۔ چھ سکوں کے نام بتا سکے۔ (ہمارے ملک میں اب ایک سکہ روپیہ ہی رہ گیا ہے۔ اسلیے سوال تبدیل کیا جا سکتا ہے)۔

پاکستان میں ڈاکٹر عبدالروف صاحب نے چھ ۶ سال کے بچوں کا خط الفاظ میں ترقی کا خاکہ جو پیش کیا ہے وہ اس طرح ہے۔

عمر	تعداد الفاظ جسے بچہ عموماً سیکھ لیتا ہے۔
پہلا سال	۱۳ر الفاظ

دوسرا سال	۲۷۲ الفاظ
تیسرا سال	۱۵۶۰ الفاظ
چوتھا سال	۱۸۹۶ الفاظ
پانچواں سال	۲۰۷۰ الفاظ
چھٹا سال	۲۵۶۳ الفاظ

اسٹینفورڈ بینٹ (Stanford Binet) کی طرح ۱۹۳۷ء میں ٹرمن میرل (Turman Maryl) نے ذہانت کا ایک اور ٹیسٹ تیار کر کے تجربہ کیا اور یہ ثابت کیا کہ درج ذیل عمروں کے مطابق ان کے سامنے لکھے گئے سوالات کا جواب یا عمل کر کے بچہ صحیح جواب دے دے تو اس کی ذہانت کو نارمل (Normal) سمجھا جاتا ہے۔

عمر ۴ سال:

۱۔ دس تصاویر کے درست نام بتائے۔

۲۔ حافظہ کی مدد سے اشیاء کے نام بتائے۔

۳۔ آدمی کی مکمل طور پر خاکہ کشی کر سکے۔

۴۔ تصاویر کی شناخت کر سکے۔

۵۔ ہندسی اشکال کا معائنہ کرے۔

۶۔ سوالوں کے درست جواب دے سکے۔

عمر ساڑھے چار سال:

۱۔ بدصورت اور خوبصورت چہروں میں تمیز کرے۔

۲۔ چار ہندسوں پر مشتمل سلسلہ کو دہرا سکے۔

۳۔ تصویری مشابہتوں اور اختلافات میں فرق بتا سکے۔

۴۔ دو سوالوں کے درست جواب دے سکے۔

۵۔ متضاد الفاظ بتا سکے۔

عمر ۵ سال:

ا۔ ایک مکمل انسانی خاکہ کشی کر سکے۔

۲۔ کاغذ کو تہہ کر کے دوبارہ مثلث بنا سکے۔

ذہنی آزمائش کرتے وقت پہلے سال کے ٹیسٹ سے شروع کر کے اس عمر تک کا ٹیسٹ لینا ہوگا جس عمر کا بچہ ہو پھر تمام سکور (Score) یعنی حاصل کردہ نمبروں کو جمع کر کے مقیاس ذہانت (Intelligence Scale) میں دیکھا جائے گا۔ بچہ جس قدر نمبر حاصل کرتا ہے اسے ذہانت (Intelligence) کہتے ہیں۔ اس کا میزانیہ پہلے دیا جا چکا ہے۔

انتباہ:۔

ذہانت کا ٹیسٹ لیتے وقت ممتحن کو پہلے اس امر کا جائزہ لے لینا چاہیے کہ بچے کی مادری زبان کیا ہے۔ اس کے معاشرے کا کلچر (Culture) یعنی ثقافت کیسی ہے یہ معلوم کر کے سوالوں کو اسی طرح ڈھال لینا ضروری ہے اس کی مثال اس طرح ہے کہ یونیسف (Unicef) کے ایک پراجیکٹ پر کام کرتے ہوئے مصنف کو ذہنی آزمائش کی ضرورت محسوس ہوئی چونکہ پاکستان میں تعلیمی اداروں کے لیے اسوقت تک ذہنی آزمائش کے کوئی ٹیسٹ نہیں بنے تھے۔ صرف آرمی میں رنگروٹ بھرتی کرنے کے لیے آرمی والوں نے اپنی ضرورت کے مطابق ذہانت کے ٹیسٹ بنائے ہوئے تھے یا پھر امریکہ اور برطانیہ میں تعلیمی مقاصد کے لیے بچوں اور بالغوں کے لیے ذہنی آزمائش (Weschler) نے جرمنی میں بنائی تھیں۔ لہٰذا ان تمام کا مطالعہ کرنے کے بعد راقم الحروف نے ایک ٹیسٹ تیار کیا۔ ٹیسٹ کو آزمانے کے لیے شہری، دیہاتی، پہاڑی، سمندری، ریگستانی اور جنگلی علاقوں کے مدارس کا انتخاب کر کے ہر جگہ گیا۔ تاکہ ٹیسٹ کو زبان اور کلچر سے پاک کر لیا جائے اور ملک کے تمام حصہ میں یکساں طور پر استعمال ہو سکے۔ اس سلسلے میں جہاں بہت سے تجربات سامنے آئے ایک نہایت اہم تجربہ بھی حاصل ہوا۔ چیچہ وطنی کا دیہی سکول

شہر سے تقریباً ۴ میل کا سفر طے کر کے جنگل کے وسط میں واقع تھا۔ وہاں راستہ یا سڑک نہ تھی۔ پیدل چلتے چلتے آخر کار جنگل کے وسط میں پہنچنے کے بعد میدان نظر آیا۔ چاروں طرف چھوٹے چھوٹے جھونپڑی نما مکانات تھے۔ درمیان میں سکول تھا۔ مدرس پڑھا رہا تھا۔ وہاں پہنچ کر میں نے ٹیسٹ شروع کیا۔ تیسری جماعت کے بچے جن کی عمر تقریباً ۹ سال تھی کو ٹیسٹ کے لیے بلایا۔ تمام سوالات کرتا گیا۔ جواب ملتا گیا۔ ایک سوال پر میں اٹک گیا اور بچہ بھی۔ سوال یہ تھا "انگوٹھا دکھا کر پوچھا جائے کہ اسے کیا کہتے ہیں؟" بار بار یہ سوال پوچھتا رہا بچہ ایک ہی جواب دیتا رہا "اسے انگلا کہتے ہیں" میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سوال کے صفر نمبر شمار کروں یا نمبر لگاؤں کیونکہ بچہ میرا سوال سمجھ رہا تھا اور بار بار بلا جھجک جواب دے رہا تھا۔ بالآخر ایک بچی اٹھ کر آئی اور اس نے کہا "اسے ہم انگلا کہتے ہیں" پھر مدرس سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ یہاں کام کرنے والے زیادہ تر بلوچی قبیلے کے لوگ ہیں اور انگوٹھے کو انگلا کہتے ہیں۔ بلکہ ہر انگلی کے نام بھی اردو زبان سے مختلف ہیں۔ لہٰذا ذہنی آزمائش لینے سے قبل ذہنی آزمائش کے ٹیسٹ کی (Validity) صحت کو ہر لحاظ سے جانچ لیا جاتا ہے۔

ذہنی آزمائش کا تیار کرنا اور پھر بچوں سے ٹیسٹ لینا نہایت دشوار کام ہے۔ لہٰذا ماہرین نفسیات ہی یہ کام صحیح طور پر سرانجام دے سکتے ہیں۔ جن آزمائشوں کی مثالیں اوپر دی گئی ہیں انھیں صرف سمجھ کر استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ یہ ٹیسٹ ماہرین ہی لے سکتے ہیں اور نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔ بچوں کی طبعی عمر کے ساتھ ذہنی عمر کا اندازہ کر لینا نہایت ضروری ہوتا ہے۔

آپ نے دولے شاہ کے چوہے دیکھے ہوں گے۔ اصل میں ان کے دماغ کی صحیح نشوونما نہیں ہوتی طبعی عمر کے ساتھ ذہنی عمر بھی بڑھتی ہے۔ ذہنی عمر میں ہر ماہ کے بعد بڑھوتی ہوتی ہے۔ اسی لیے ٹرمن (Turman) نے پہلے ۳ سال پھر ساڑھے چار سال اور بعد از اں ۵ سال کی عمر کے بچوں کا ٹیسٹ تیار کیا۔

آپ کو یہ بھی معلوم ہوا ہو گا کہ بعض بچے کافی عمر کے ہو کر بھی رات میں بستر گیلا کر

دیتے ہیں ان کی ڈانٹ ڈپٹ ہوتی ہے، علاج ہوتا ہے، ٹونے ٹوٹکے کرائے جاتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسے بچوں کے مثانے بطن مادر میں پوری طرح نشوونما نہیں پاتے اور وہ پیدا ہوجاتے ہیں۔ پیدا ہونے کے بعد طبعی عمر بڑھتی رہتی ہے۔ مثانہ بھی اسی رفتار سے بڑھتا رہتا ہے۔ جسے دیر لگ جاتی ہے۔ ایک عمر کے بعد خود بخود یہ تکلیف دور ہو جاتی ہے۔

آج کل دل کے ہسپتالوں میں دل کے امراض کے بچے بھی آنے شروع ہو گئے ہیں ان کے ساتھ بھی یہی قصہ ہوتا ہے کہ بطن مادر میں تمام اعضاء کے مقابلے میں دل یا اس کے کسی حصہ کی نشوونما مکمل نہیں ہوتی اور وہ وقت پر پیدا ہو جاتے ہیں۔ اب دل کو مکمل ہونے میں دنیا میں آ کر وقت درکار ہوتا ہے۔ اسی لیے بعض بچوں کے دل میں سوراخ کا پتہ چلتا ہے۔ تو معالج یہی ہدایت دیتے ہیں کہ اسے جذباتی کیفیت سے بچائے رکھیں۔ ۸۔۹ سال تک یہ مسئلہ حل ہو جائے گا یعنی دل مکمل ہو چکا ہو گا۔

کمرہ جماعت میں طبعی اور ذہنی عمر کے اختلافات کے ساتھ بچے آتے ہیں۔ مدرس کا فرض ہے کہ ان کے قد اور ان کی نالائقی کو ایک ساتھ نہ ملائیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے دماغ کی نشوونما میں تاخیر ہو رہی ہو۔ ایسے بچوں کے لیے معالجاتی تدریس کی جاتی ہے جس پر بحث کسی یونٹ میں ہو گی۔

◆◆◆

maablib.org

یونٹ نمبر ۱۰

تعلیمی مشاورت (Educational Counselling)

کہتے ہیں کہ کسی کام کا آغاز کرنے سے پہلے کسی نہ کسی سے مشورہ ضرور کرنا چاہیے۔ اگر مشوروں کے لیے کوئی نہیں ہے تو بزرگ کہتے ہیں کہ دیوار سے ہی مشورہ کر لینا چاہیے۔ کیا پتہ کوئی آواز فضاء میں گونجے اور آپ کے لیے مشورہ ثابت ہو۔ وزیر بادشاہوں کے مشیر ہوتے ہیں۔ وہ کاروبار سلطنت مشیروں کے مشورے سے چلاتے ہیں۔ بڑے بڑے منصوبوں کو چلانے کے لیے ماہرین کی ایک کمیٹی بنادی جاتی ہے۔ جسے مشاورتی کمیٹی کہتے ہیں۔ اب رہی تعلیمی مشاورت تو یہ کون سا عمل ہے کس طرح زیر عمل آتا ہے اور اس کے اصول، تقاضے اور افادیت کیا ہیں۔ ہر پہلو پر مختصر غور کرتے ہیں۔

تعلیمی مشاورت:

تعلیم انسان کا بنیادی حق ہے۔ حکومت کا پورا شعبہ اور بہت بڑا نظام اس کے لیے سرگرم عمل ہے۔ حکومت تعلیمی بجٹ کے لیے معقول رقم مختص کرتی ہے۔ یہاں پر جس تعلیمی مشاورت کا ذکر کیا جارہا ہے۔ وہ طالب علم کے حوالے سے ہے۔ کیونکہ شعبہ تعلیم کو چلانے کے لیے وزیروں کو مشیر حکومت مقرر کرتی ہے۔ یہ مشیر اہم مسائل کی حقیقت کو سمجھتے ہوئے ان کے حل کی راہیں تلاش کر کے حکام بالا تک پہنچاتے ہیں۔ طالب علم جو تعلیمی اداروں میں آتے ہیں انھیں بھی مشاورت درکار ہوتی ہے۔ ان کے مشیر والدین یا اساتذہ ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی مشاورت کا کوئی معقول یا مستقل بندوبست نہیں ہوتا۔

طلباء کی مشاورت:

سکول میں داخلہ کے وقت طلباء اس ذہنی سطح پر نہیں ہوتے کہ وہ تعلیمی پروگرام اور مسائل کا خود قابل عمل حل تلاش کر سکیں۔ طلباء کو ادارے میں داخل کروا دیا جاتا ہے۔ کورس کی کتابیں خرید

کر دے دی جاتی ہیں اور دیگر لوازمات بھی پورے کر دیے جاتے ہیں۔اس کے بعد انھیں کس قسم کے مشوروں کی ضرورت ہوگی نیز ان کے تعلیمی مسائل کیا ہو سکتے ہیں؟ ان سب کا تعلق مشاورت سے ہے۔

طلباء کے تعلیمی مسائل:

طلباء کے تعلیمی مسائل کا تعلق طالب علم کی اپنی ذات، گھریلو ماحول، والدین اور دیگر افراد، کنبہ کا رویہ، کلاس ٹیچر، سربراہ ادارہ، دوسرا ماحول، کلاس روم کے حالات اور اسی قسم کے مزید مسائل سے ہو سکتا ہے۔ان تمام مسائل پر کون غور کر سکتا ہے کیسے غور کر سکتا ہے۔ یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔

ورلڈ بینک کی مالی امداد سے ۱۹۵۸ء میں حکومت پاکستان نے تعلیمی منصوبے کا آغاز کیا تھا۔جس کے تحت ملک کے ضلعی ہیڈ کوارٹر پر ایک خاص طرز کے ثانوی مدارس کھولے گئے تھے۔ جن کو پائلٹ سکول کا نام دیا گیا۔ چنانچہ ملک میں لڑکوں اور لڑکیوں کے کل ۲۹ پائلٹ سیکنڈری سکول مختلف ضلعی ہیڈ کوارٹرز میں کھولے گئے تھے کہ ۱۹۶۵ء میں پاک بھارت جنگ چھڑ گئی اور ورلڈ بینک کی امداد بند ہو گئی۔ پائلٹ سیکنڈری سکولوں کی سکیم سے بحث ممکن نہیں یہ بہت طویل ہے۔ البتہ یہ وہ سکیم تھی جس کے تحت پائلٹ سکول میں طلباء کی مشاورت و رہنمائی کا ایک جدا یونٹ کھولا گیا۔جس کا انچارج تربیت یافتہ گائیڈینس ٹیچر تھا۔ یہ شعبہ باقاعدگی سے کام کرتا رہا۔اور اسی شعبہ کی کارکردگی کی صورت میں پائلٹ سکول کے نویں جماعت کے طالب علموں کی لیاقت کا جائزہ (Aptitude Test) لینے کے بعد ان طلباء کو مضامین کے گروپ دیے گئے ۔ سالانہ امتحان میں حاصل کردہ نمبروں کو نظر انداز کیا گیا۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسی گروپ کے بہت سے طلباء نے بورڈ کے فائنل امتحان میں وظائف حاصل کیے۔اور ایک طالب علم انڈسٹریل آرٹس گروپ میں اول آیا۔ یہ یاد رہے کہ لاہور بورڈ اس وقت سارے پنجاب اور آزاد کشمیر کا واحد بورڈ تھا۔اس لیے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ طلباء کو تعلیمی مشاورت کی ضرورت ہوتی ہے۔اگر ان کی صلاحیت

اور لیاقت کی صحیح تشخیص ہو جائے تو ان کا مستقبل تابناک ہو سکتا ہے۔

تعلیمی مشاورت کا عمل:

تعلیمی مشاورت کا عمل طالب علم کے تعلیمی اور پیشہ وارانہ مسائل کے حل کے لیے ہوتا ہے۔ تعلیمی مشاورت کی ضرورت ہر طالب علم کو ہوتی ہے کیونکہ مسائل تو ہر حال میں پیدا ہوتے ہی ہیں۔

تعلیمی مشاورت کا طریقہ کار:

تعلیمی مشاورت کا عمل بالکل اسی طرح وقوع پذیر ہوتا ہے۔ جس طرح ایک ڈاکٹر اپنے مریض کے علاج کے لیے تمام ممکنہ ٹیسٹ اور ایکسرے کروالیتا ہے۔ اور مریض کو دوا کے استعمال کا مشورہ دیتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ خوراک کے متعلق ہدایت بھی دیتا ہے۔ دیگر پرہیز بتا کر مریض کو ہدایت کرتا ہے کہ کتنے دن بعد اپنی تمام کیفیت نوٹ کر کے پرانے ٹیسٹوں اور ایکسرے کی رپورٹ اور نسخہ لے کر آئے۔ اگر صورتحال بگڑ گئی ہو تو مریض کو ہسپتال میں داخل ہونے کی ہدایت کرتا ہے۔ تاکہ اب وہ اس کا علاج اپنی نگرانی میں رکھ کر کر سکے۔ اسی طرح طلباء کی تعلیمی مشاورت کا طریقہ کار ہوتا ہے۔

شعبہ مشاورت کا قیام:

مشاورت کا شعبہ قائم کرتے وقت یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ مشورے کے لیے طلباء بھی آئیں گے۔ ان کے والدین بھی آئیں گے۔ متعلقہ افراد بھی شامل کیے جا سکتے ہیں۔ نیز ادارے کے تمام طلباء کے ریکارڈ بھی رکھتے ہیں۔ مشاورت کے شعبہ کے لیے مندرجہ ذیل کمروں کی ضرورت ہوتی ہے۔

۱۔ دفتر کا کمرہ برائے گائیڈنس ٹیچر۔

۲۔ کمرہ برائے انٹرویوز اجلاس۔

۳۔ کمرہ ریکارڈ۔

۴۔ ہوم روم (Home Room)

طلباء کے ریکارڈ کی تیاری:

طلباء کے ریکارڈ کی تیاری کے لیے طلباء سے متعلق مختلف قسم کی معلومات اکٹھا کرنا ہوتی ہیں۔ معلومات اکٹھا کرنے کے لیے مختلف اقسام کے فارم مرتب کیے جاتے ہیں۔ تا کہ وقت ضائع کیے بغیر ضروری معلومات فراہم ہو سکیں۔ جو اس میں درج ہیں۔

کیمو لیٹو ریکارڈ چارٹ (Cumulative Record Chart):۔

یہ فارم ذرا موٹے گتے پر چھپا ہوتا ہے۔ جس میں درج ذیل معلومات کے اندراج کی گنجائش ہوتی ہے۔

بنیادی کوائف:

۱۔ طالب علم کا نام ۲۔ طالب علم کی ولدیت ۳۔ طالب علم کی جنس
۴۔ طالب علم کی عمر، تاریخ پیدائش ۵۔ قومیت ۶۔ مذہب ۷۔ ذات
۸۔ رہائشی پتہ ۹۔ مستقل پتہ ۱۰۔ ٹیلیفون نمبر وغیرہ

معاشی و معاشرتی کوائف:

۱۔ اگر یتیم ہے تو سرپرست کا نام ۲۔ سرپرست کا پیشہ ۳۔ سرپرست کی سالانہ آمدنی ۴۔ سرپرست کا پتہ رہائش ۵۔ سرپرست کا مستقل پتہ ۶۔ سرپرست کا ٹیلی فون نمبر

خاندانی کوائف:

باپ اور ماں کا نام، پیشہ و سالانہ آمدنی، تعلیمی لیاقت، مستقل پتہ، رہائشی پتہ، ٹیلی فون نمبر، بھائی بہنوں کی تعداد، ان کی عمریں، تعلیمی کیفیت، بھائی بہنوں میں بلحاظ عمر طالب علم کا درجہ۔

صحت و خوراک:

قد، غذائی عادات، موروثی بیماری اگر ہو تو، خاندان میں زیادہ تر اموات کس بیماری سے ہوئیں۔ طالب علم کی اپنی کوئی خاص بیماری، صحت کیسی رہتی ہے، ہر چھ ماہ بعد معائنہ۔

تعلیمی کوائف:

طالب علم کون سے مضامین پڑھتا ہے۔ سکول کے تمام ٹیسٹوں کے سال بھر کا ریکارڈ۔

معاشرتی عادات:

اگر دوست اور ساتھی ہیں تو ان کے نام اور ان کے والدین کا پیشہ اور معاشی حالات، چال چلن، میل جول، مذہبی لگاؤ، سیاسی لگاؤ اور معاشرتی لگاؤ وغیرہ۔

ہم نصابی سرگرمیوں میں شرکت:

کھیلوں اور دیگر مشاغل کا نام اور پوزیشن جس میں شرکت کرتا ہے۔

حادثاتی کوائف اندرون و بیرون مدرسہ۔

حادثاتی واقعات کا ریکارڈ (Accidental Record):

کمرہ جماعت میں یا اس سے باہر طالب علم نے کوئی جھگڑا کیا، گستاخی کی، چوری کی، چغلی لگائی، گھر کا کام نہیں کیا، کلاس سے غائب ہو گیا، گھر کے بہن بھائیوں یا محلہ داروں سے لڑنے جھگڑنے کی شکایت موصول ہوئی۔ کوئی اچھا اور نیک کام کیا۔ اس قسم کے چھوٹے چھوٹے روزمرہ کے معاملات کے ریکارڈ اس فارم پر مرتب کر کے طالب علم کی فائل میں لگا لیا جاتا ہے۔

انٹرویو ریکارڈ (Interview Record):

والدین، متعلقہ اساتذہ یا کسی محلہ والے سے انٹرویو کرنے کے لیے یہ فارم تیار کیا جاتا ہے۔ اس میں ایسی معلومات حاصل کی جاتی ہیں جو طالب علم کی تعلیمی حالت کو سدھارنے میں کام آ سکتی ہیں۔ انٹرویو پہلے سے طے کر کے کیا جا سکتا ہے۔ یا اچانک گھر جا کر اس کے مدرسہ میں ہی آ جانے پر بھی کر لیا جاتا ہے۔ طے شدہ انٹرویو (Planned) بہتر ہے۔ سوالات پہلے سے دیے جاتے ہیں۔ تاکہ انٹرویو دینے والا تیار ہو کر آئے۔

مشاہداتی جائزہ (Observation Blank):

بہت سی معلومات مشاہدات کے ذریعے حاصل کی جاتی ہیں۔ اس میں مشاہدہ کنندہ

کے اپنے تاثرات ہوتے ہیں۔تاریخ،وقت،دستخط مشاہدہ کنندہ،مشاہدہ کرنے والے کی حیثیت۔

امتحانات اور ٹیسٹ (Examination & Test):

تعلیمی کیفیت کا ریکارڈ رکھنے کے لیے امتحانات اور ٹیسٹ کی رپورٹ تیار کی جاتی ہے۔

ٹیچر رپورٹ (Teacher Report):

کلاس ٹیچر چونکہ سارا سال طالب علم سے منسلک رہتا ہے۔لہٰذا اس کے بھی تاثرات ریکارڈ کیے جاتے ہیں۔

میڈیکل چیک اپ (Medical Check Up):

صحت کا ریکارڈ تیار کرنے کے لیے طلباء کا طبعی وطبی معائنہ ہوتا ہے۔یہ سال میں دو بار ورنہ ایک بار ضرور ہوتا ہے۔وہاں امراض کے ٹیکے ضرور لگائے جاتے ہیں۔قد،وزن،طبی معائنہ وغیرہ۔

طالب علم کی ڈائری (Student Diary):

طلباء خود بھی اپنا محاسبہ کرتے ہیں۔انھیں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی ذیلی ڈائری لکھا کریں۔ اس طرح دیگر ذرائع سے حاصل شدہ معلومات کی کراس چیکنگ ہوتی ہے۔

طریقہ کار:

طلباء کے تمام کوائف مہیا کرنے کے بعد سال کے اختتام پر طلباء کی کیٹگری تیار کی جاتی ہے اور دیکھا جاتا ہے کہ کون سے ایسے طلباء ہیں جو نارمل ہیں۔اور ان کی تعلیمی کیفیت درست ہے۔دو قسم کے طلباء کو الگ کر لیا جاتا ہے۔اول وہ جو بالکل ٹاپ پر ہیں اور دوسرے وہ جو بالکل (Tail) پر ہیں۔ان کے متعلق تمام معلومات کو سامنے رکھ کر غور کیا جاتا ہے۔ان کی تدریس کے لیے خاص طریقے منتخب کیے جاتے ہیں۔تاکہ اوپر والے طلباء مزید اوپر جا سکیں اور بالکل نیچے والے طلباء نارمل ہو جائیں۔البتہ کچھ طلباء ایسے ہوتے ہیں جن کو کچھ عرصہ کے لیے مدرسہ سے دور

رکھا جاتا ہے اوران کی اصلاح کی جاتی ہے۔اس کے لیے والدین، اساتذہ، ماہرین تعلیم، ماہرین نفسیات اور دیگر متعلقہ افراد کے مشورے بھی حاصل کیے جاتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں ایک (Student Counselling) کا شعبہ بھی قائم کیا جاتا ہے تا کہ طلباء کے متعلق معلوم ہو سکے کہ وہ عملی زندگی میں کہاں ہیں۔ کس قدر کامیاب ہیں۔جن مقاصد کے لیے انھیں تعلیم دی گئی تھی وہ مقاصد کس حد تک حاصل ہوئے ہیں۔

افادیت:

یہ عام سی بات ہے کہ بہت سے بچے تعلیم کی طرف نہیں آتے۔ کچھ آ کر درمیان میں ہی تعلیم چھوڑ دیتے ہیں۔ کچھ تعلیمی اداروں میں رہتے ہوئے بے راہروی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ گویا تعلیم انہیں صحیح سمت میں لیجانے میں ناکام ہورہی ہے۔وقت پر ہی مرض کا پتہ لگ جائے تو آوارہ بننے سے پہلے ہی مرض کا علاج کر دیا جاتا ہے۔کافی حد تک بچے سدھر بھی جاتے ہیں۔ گائیڈنس اور کونسلنگ کا شعبہ ایک طرح سے تعلیمی اداروں میں تعلیمی لحاظ سے کمزور بچوں کا ہسپتال ہوتا ہے۔ اگر یہ شعبہ فعال ہو تو خاطر خواہ نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

مشاورت کی اہمیت:

مشاورت کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ کچھ ڈاکٹر پولیس میں بھرتی ہو گئے۔ کچھ انجینئر سی۔ایس۔پی دفتروں میں بڑے صاحب یا بڑے بابو بن گئے۔ کچھ پروفیسر کالج سے فارغ ہو کر شام کو اپنی کپڑے فروخت کرنے والی دوکانوں پر بیٹھتے ہیں۔بجلی میں انجینئرنگ کر کے بجلی کی دوکان کھولے ہوئے ملیں گے اوراب تک کالج میں پڑھنے والے لڑکے شام کو برگر کا سٹال لگا لیتے ہیں۔ کچھ لڑکیاں پڑھ لکھ کر کچھ نہیں کرتیں۔اس طرح نہ معلوم کس قدر قومی وسائل ضائع ہو رہے ہیں۔ان کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان تمام افراد کی تعلیمی مشاورت نہیں کی گئی۔ وہ بن کچھ سکتے تھے اور پڑھنے لکھنے کے باوجود بن کچھ اور گئے ہیں۔طلباء کا امتحان میں بار بار ناکام ہونا۔انھیں ملازمتوں کا نہ ملنا۔تعلیم کے میدان میں پیچھے رہ جانا اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ طلباء کو تعلیم کے

دوران تعلیمی مشاورت کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ طالب علم بار بار سائنس میں ناکام ہو رہا ہے۔ لیکن والدین اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں کہ وہ سائنس ہی پڑھے۔ کیونکہ وہ اسے ڈاکٹر یا انجینئر بنانا چاہتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ ان کے بچے میں سائنس پڑھنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ کیا معلوم کہ اس کا ذہین بچہ کس علم کی طرف بہتر طور پر کام کر سکے۔ یہ کون بتا سکتا ہے یہ صرف تعلیمی مشاورت کا ماہر ہی بتا سکتا ہے۔ لہٰذا تعلیمی مشاورت نہایت اہم عمل ہے۔

◆◆◆

maablib.org

یونٹ نمبر ۱۱

تعلیم کے مدارج

انسان کی پہلی تعلیمی درسگاہ ماں کی گود ہوتی ہے۔ ماں بچے کی نرس بھی ہوتی ہے اور مدرس بھی۔ ماں ہی رشتوں کی شناخت کرواتی ہے۔ اگر ماں بچے کو اس کے باپ کی شناخت نہ کروائے تو باپ ساری زندگی احساس پدری سے محروم رہ سکتا ہے۔ اسی طرح ماں ماحول اور اردگرد کی اشیاء کی شناخت کرواتی ہے۔ اس کی زبان درست کرتی ہے۔ اسے بولنا سکھاتی ہے۔ چلنا پھرنا سکھاتی ہے۔ اشیاء کو پکڑنا اور اٹھانا سکھاتی ہے۔ ذرا غور کریں ماں بچے کو سب کچھ سکھاتی ہے۔ جب بچے کو پروگرام کے تحت پڑھانے کا وقت آتا ہے تو اسے مدرسہ میں بٹھا دیا جاتا ہے۔ گویا بچے کی تعلیم کے مدارج کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اسی لیے تعلیم کو دو واضح خانوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ مثلاً

۱۔ رسمی (Formal) تعلیم

۲۔ غیر رسمی (Informal) تعلیم

غیر رسمی تعلیم ماں کی گود میں ہو رہی ہوتی ہے۔ رسمی تعلیم گود سے باہر نکل کر کسی مربوط و منظوم دائرے میں رہتے ہوئے جاری رہتی ہے۔

بچہ چونکہ دو اڑھائی سال تک ماں کے دودھ پر پرورش پاتا ہے۔ اس لیے وہ ماں کے ساتھ بہت زیادہ منسلک رہتا ہے۔ ماں کا دودھ چھوڑنے کے بعد وہ ماں کی گود سے جدا ہوتا ہے اور زمانے کی آغوش میں آ جاتا ہے۔ اس وقت سے رسمی تعلیم کے مدارج شروع ہو جاتے ہیں۔ رسمی تعلیم کے مدارج کی تقسیم طبعی عمر کے لحاظ سے کی گئی ہے کیونکہ تعلیم کے عمل میں ذہنی و طبعی دونوں عمریں نہایت اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ ماہرین تعلیم نے تحقیقات کے بعد جو مدارج متعین کیے

ہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں۔

درجہ طفلی (نرسری (Nursery)):

اس درجہ کی ابتدائی عمر 3 سال ہے۔ اس درجہ کی تعلیم کا بندوبست دنیا کے کسی ملک کی حکومت نہیں کرتی کیونکہ اس درجہ کے تعلیمی اخراجات بہت زیادہ ہیں۔ والدین خود اس کا اہتمام کرتے ہیں۔ اس درجہ کی تعلیم کے عمل کے لیے منصوبہ بندی کرنے والوں میں دو شخصیتوں کا نام نہایت مقبول عام ہے۔ اول میڈم مانٹیسوری (Montesory) دوئم فروبل (Froebel) علاوہ ازیں ڈاکٹر جانسن (Johnson) کا نام بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔ جدید دور میں جرمنی میں Jean Plaget نے اپنے بچوں پر تجربہ کرکے ایک جدید نظریہ پیش کیا۔ جسے (Conceptual Learning) تصورات کی آموزش سمجھا جاتا ہے۔ درجہ طفلی میں اگرچہ رسمی تعلیم کے مدارس میں داخل کرانا ضروری نہیں ہے۔ تاہم جدید دور میں غیر سرکاری مدارس کھول دیے گئے ہیں۔ ان مدارس کو نرسری مدارس کہتے ہیں۔ انکی کلاسز (K.G) کے۔جی، (Nursery) نرسری، (Play Group) پلے گروپ اور (Prep) پریپ کلاسز کہلاتی ہیں۔ ان میں زیادہ تر میڈم مانٹیسوری کے بنائے ہوئے نصاب پر عمل کیا جاتا ہے۔ ان مدارس کے اساتذہ کی تربیت گاہیں بھی غیر سرکاری طور پر کھل گئی ہیں۔ تربیت یافتہ اساتذہ نرسری ٹرینڈ یا مانٹیسوری ٹرینڈ کہلاتے ہیں۔ پاکستان میں تربیت کا سب سے پہلا ادارہ کراچی میں کھلا تھا۔ اب تقریباً ہر صوبائی دارالحکومت میں اس طرح کے ادارے کھل گئے ہیں۔

درجہ ابتدائی: (پرائمری (Primary) یا ابتدائی (Elementary) یا بنیادی (Basic))

اس درجہ کے لیے طبعی عمر بالعموم ۵ سال سے ۱۰ سال تک ہوتی ہے۔ ہمارے ملک میں بھی یہی ہے۔ لیکن چونکہ پرائمری سکول میں ایک کچی کلاس بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ عمر بڑھ بھی جاتی ہے۔ کچھ ممالک مثلاً جاپان میں ابتدائی عمر ۷ سال ہے۔ جہاں بچے کی عمر شکم مادر میں حمل کے

وقت سے شمار کی جاتی ہے۔ امریکہ اور برطانیہ میں کہیں کہیں ۶ سال ہے۔ اس درجہ سے بلحاظ عمر طلباء کی جماعت بندی شروع ہو جاتی ہے۔ اس درجہ پر خواندگی مکمل ہو جاتی ہے۔

درجہ وسطانی:

پرائمری سطح سے رسمی تعلیم کے تحت خواندگی اور تعلیم کی ابتداء ایک ساتھ شروع ہو جاتی ہے۔ پہلے تین سال خواندگی کی بنیادی مہارتوں یعنی سننا، بولنا، پڑھنا اور لکھنا سکھانے میں صرف ہو جاتے ہیں۔ آخری دو سالوں میں پرائمری سطح کی تعلیم اور خواندگی مکمل ہو جاتی ہے۔ جن ممالک کی شرح خواندگی بتائی جاتی ہے۔ وہ اسی سطح سے تعلق رکھتی ہے۔ یعنی وہاں آبادی کم از کم پرائمری سطح تک تعلیم حاصل کر چکی ہوتی ہے۔ خواندگی کا دور مکمل ہونے کے بعد تعلیم کا دور شروع ہو جاتا ہے۔

تعلیم کے لیے حکم ہے کہ " اطلبوا العلم من المهد الی اللحد" O تحصیل علم کی ابتداء آغوش مادر سے کرتے رہو یہاں تک کہ قبر میں پہنچ جاؤ۔ گویا علم اتنا وسیع سمندر ہے کہ جس کا کوئی کنارہ نہیں۔ شروع ہوتا ہے تو تاحیات ختم نہیں ہوتا۔ تحصیل علم ہی اصل میں تعلیم ہے کیونکہ علم بالواسطہ اور بلاواسطہ دونوں ذرائع سے حاصل ہوتا ہے۔ تعلیم دینے والے کو معلم کہتے ہیں۔ خواندہ اور تعلیم یافتہ میں بڑا نمایاں فرق ہوتا ہے۔ خواندگی اور تعلیم کے عمل سے اس کے فرق کی وضاحت ہوتی ہے۔

خواندگی

۱۔ کچھ مہارتیں (Skills) سیکھ لینا جیسے لکھنا پڑھنا، بولنا، سننا۔

۲۔ خواندگی کی ابتداء گھر اور گھر کے اردگرد کے ماحول سے ہوتی ہے۔

۳۔ خواندگی کے دوران مہارتوں کی آسان اور سادہ مشق دی جاتی ہے۔

۴۔ خواندگی تعلیم کے راستہ کو ہموار کرتی ہے جس سے تعلیم دینا سہل اور آسان ہو جاتا ہے۔

۵۔ خواندگی کا دورانیہ غیر رسمی طور پر طبعی عمر کے پہلے تیسرے سال اور رسمی طور پر طبعی عمر کے

پانچویں سال تک جاری رہتی ہے۔ جیسے پرائمری سطح۔

اسی لیے ایسے ادارہ کیلئے تیار کیے گئے اساتذہ کو (P.T.C) پی۔ ٹی۔ سی (Primary Teaching Certificate) ٹیچر کہتے ہیں۔ ان کی تربیت بھی کالج آف ایجوکیشن برائے ایلیمنٹری ٹیچر میں ہوتی ہے۔ انگریزوں کے دور میں ان کے تربیتی اداروں کو نارمل سکول (Normal School) کہتے تھے۔

درجہ وسطانی (Middle):

اس درجہ کی ابتدائی عمر دس سال سے زائد ہوتی ہے۔ جن مدارس میں آٹھ جماعتیں ہوں انہیں وسطانی مدارس (Middle School) کہتے ہیں۔ جدید اصطلاح میں اسے (Middle Standard) کلاسز کا ادارہ کہتے ہیں۔ انگریزوں کے دور میں اس درجہ کو (Vernacular Final Class) ورنیکلر فائنل کلاس کہتے تھے۔ کچھ ممالک اور ہمارے یہاں بھی اسے ایلیمنٹری (Elementary) مدارس بھی کہتے تھے۔ لیکن اب پرائمری مدارس کو شامل کر کے انہیں (Elementary School) کہا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے مڈل سکولوں کے لیے تربیت یافتہ اساتذہ کو (Elementary Teacher) ایلیمنٹری ٹیچر کہتے ہیں۔ جن مدارس میں ان اساتذہ کی تربیت ہوتی ہے انہیں (College of Elementary Education For Teacher) تربیتی ادارہ برائے ایلیمنٹری ٹیچرز، مڈل سکول ٹیچرز کی تربیت کالج آف ایجوکیشن (College of Education) میں ہوتی تھی۔

درجہ ثانوی (Secondary):

سیکنڈری یا ہائی کلاسز۔ اس درجہ کی عمر کم از کم ۱۳ سال ہوتی ہے۔ لیکن ۲۰ سال سے زائد عمر کے بچے ہمارے ملک میں داخل نہیں کیے جاتے ہیں۔ اس درجہ میں دو جماعتیں نہم، دہم ہوتی ہیں۔ جن میں ہر قسم کی تعلیم کی مختلف راہیں (Diversification) کھلتی ہیں۔ پرائمری سطح پر مضامین کی تدریس لازمی ہوتی ہے۔ جنہیں کور آف ٹیکنیکس جو لازمی ہوتے ہیں کے ساتھ ایک

اختیاری مضمون ہوتا ہے۔ جب کہ ثانوی درجہ پر کور آف سبجیکٹس کے علاوہ اختیاری مضامین کی ایک طویل فہرست مہیا ہوتی ہے۔ ثانوی اور اس سے اعلیٰ تمام جماعتوں میں کام کرنے والے اساتذہ کا نام درجوں کے مطابق ہوتا ہے۔ مثلاً ثانوی جماعتوں میں پڑھانے والے اساتذہ سیکنڈری سکول ٹیچرز (Secondary School Teacher) کہلاتے ہیں۔ ان کے لیے تربیتی لیاقت B.Ed (بی۔ایڈ) جسے انگریزوں کے زمانے میں B.T بی ٹی کہا جاتا تھا۔ ان کی تربیت گاہ کو سنٹرل ٹریننگ کالجز (Central Training Colleges) کہا جاتا تھا۔ کیونکہ اسی کالج میں مڈل سکول ٹیچر اردو، فارسی، عربی، ڈرائنگ پڑھانے والے ٹیچرز کی تربیت بھی ہوتی تھی جواب جدا اداروں میں ہو رہی ہے۔

درجہ اعلیٰ ثانوی یا انٹرمیڈیٹ (HigherSecondary/Intermediate):

اس درجہ کی ابتدائی عمر کم از کم ۱۴ سال ہوتی ہے۔ اس درجہ میں دو جماعتیں گیارھویں اور بارھویں ہوتی ہیں۔ اس درجہ سے پیشہ ورانہ یا فنی تعلیم کے لیے خصوصی تعلیم کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ہمارے ملک میں یہ دو جماعتیں اگر ہائی سکول یا ثانوی سکولوں سے منسلک کر دی جائیں تو اسے Higher Secondary اور اگر کسی کالج سے منسلک کر دیا جائے تو انٹرمیڈیٹ کہتے ہیں۔ بیشتر ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ممالک میں یہ دو کلاسیں ثانوی درجہ کی جماعتیں کہلاتی ہیں۔ وہاں انٹرمیڈیٹ کالج یا ہائر سیکنڈری سکولوں کا تصور نہیں ہے۔

اعلیٰ ثانوی جماعت میں پڑھانے والے اساتذہ سبجیکٹ سپیشلسٹ (Subject Specialist) کہلاتے ہیں اور انٹرمیڈیٹ کالج میں پڑھانے والے اساتذہ کو لیکچرار (Lecturer) کہتے ہیں۔ دونوں کے لیے ماسٹر ڈگری اور کم از کم بی۔ایڈ (B.Ed) ترجیحاً (M.Ed) ایم۔ایڈ کی تعلیم ضروری ہے۔

درجہ یونیورسٹی:

اس درجہ کی ابتداء ۱۶ سال کی عمر سے ہوتی ہے۔ اس سے پہلے کے مدارج طے کرنے

کے بعد سرٹیفیکیٹس ملتے ہیں۔لیکن یونیورسٹی کے درجہ سے ڈگری اورڈپلومہ ملتے ہیں۔اس درجہ میں نمایاں ابتدائی کلاسز بی اے،بی ایس سی،بی کام وغیرہ ہیں۔اوراعلیٰ کلاسز میں ایم اے،ایم ایس سی یاایم کام جیسے امتحانات آتے ہیں۔اسی درجہ کے تحت مزید اعلیٰ ڈگریاں(Ph.D) ڈاکٹریٹ اور (D.Litt) کی ہوتی ہیں۔ایک ڈاکٹر (Ph.D) ہوتا ہے۔وہ علوم کا ماہر ہوتا ہے۔دوسرا ڈاکٹر انسانوں کا ڈاکٹر (M.B.B.S) ہوتا ہے۔تیسری قسم کا ڈاکٹر حیوانات کا ہوتا ہے جسے ویٹرنری سرجن (Veterinary Surgeon) کہتے ہیں۔ڈگری یا ڈپلومہ کی سطح پر پڑھانے والے اساتذہ کے لیے ماسٹر ڈگری کے ساتھ پی ایچ۔ڈی (Ph.D) کو ترجیح دی جاتی ہے۔ان اساتذہ کو تنخواہ کے اعتبار سے ایسوسی ایٹ پروفیسر (Associate Professor) کہتے ہیں۔ثانوی مدارس تک سربراہان ادارہ کو ہیڈ ماسٹر (Head Master) اور کالجوں کے سربراہ کو Principal کہتے ہیں۔

تمام اسامیوں پر بھرتی پبلک سروس کمیشن کے انتخابات پر ہوتی ہے۔ ماسوائے پرائمری،وسطانی اور ثانوی مدارس کے اساتذہ۔

<u>مدارج تعلیم اس طرح ہیں:۔</u>

۱۔ نرسری (Nursery)

۲۔ پرائمری،ایلیمنٹری،بنیادی (Primary,Elementary, Basic)

۳۔ مڈل،وسطانی (Middle, Elementary)

۴۔ ثانوی،ہائی سکول (Secondary, High school)

۵۔ اعلیٰ ثانوی،انٹرمیڈیٹ (Higher Secondary, Intermediate)

۶۔ اعلیٰ تعلیم،یونیورسٹی تعلیم (Tertiary, University)

◆◆◆

یونٹ نمبر ۱۲

نصاب تعلیم

نصاب ایک ایسا نسخہ ہے جسے حکومت اپنی نگرانی اور ملکی آئین کی روشنی میں ماہرین تعلیم کے تعاون سے مرتب کرتی ہے۔ بعدازاں محکمہ تعلیم کے تمام شعبوں کو اس کی روشنی میں سرگرم عمل ہونے کے لیے ہدایات دی جاتی ہیں۔ مختصراً نصاب کے عناصر کا ذکر کیا جارہا ہے۔

۱۔ **Goals** قومی مقاصد تعلیم کی تشریح اور ان کا تفصیلی بیان۔

۲۔ **Aims** تعلیمی نصاب کے مقاصد کی تشریح اور ان کا تفصیلی بیان۔

۳۔ **General Objective** مضامین وار مقاصد تدریس کی تشریح اور ان کا تفصیلی بیان۔

۴۔ **Teaching Objective** کمرہ جماعت میں تدریسی مقاصد کی تشریح اور ان کا بیان۔

مقاصد کا حصول چونکہ طلباء کی سطح سے شروع ہو کر اوپر کی سطح تک جاتا ہے لہٰذا نصاب میں طے کیا جاتا ہے کہ:

۱۔ تصورات (Concept) کی تفصیل جس کی روشنی میں طلباء کے لیے تعلیمی و تدریسی مواد مرتب کیا جاتا ہے اور ماہرین تعلیم جماعت وار تدریسی کتب مرتب کرتے ہیں۔

۲۔ مشاغل (تعلیمی سرگرمیاں) تصورات کی وضاحت اور طلباء تک انھیں پہنچانے کے لیے اساتذہ اور طلباء

کے اشتراک عمل سے جو مشاغل کمرہ جماعت میں زیر عمل آئیں گے۔

۳۔ **مشمولات (Contents)** درسی کتاب میں تصورات کی وضاحت اور ان کے ادراک مثلاً

(الف) کس قسم کا مواد شامل ہوگا۔

(ب) درسی کتاب کی زبان کا معیار کیا ہوگا۔

(ج) درسی کتاب کی ضخامت، طوالت اور سائز کیا ہو۔

(د) درسی کتاب میں تصورات کی تشریح کے لیے کس قسم کی تصاویر گراف یا اشکال وار ان کا رنگ اور ان کا سائز کیا ہوگا۔

(ھ) درسی کتاب میں کس قسم کے اسباق لکھے جائیں گے مثلاً نظم و نثر اور ان کی مشقیں وغیرہ۔

(ڈ) کتاب کے ایک صفحہ پر کتنی سطریں ہوں گی۔ ہر سطر میں کتنے الفاظ ہونگے۔

(ز) درسی کتاب کی عبارت کا خط کیا ہوگا۔ نستعلیق یا نسخ یا کوئی اور۔

(ح) درسی کتاب کس زبان میں ہوگی۔

۴۔ **تربیت (اساتذہ)** درسی کتب کی تدریس کے لیے اساتذہ کو کس قسم کی تربیت دی جائے گی۔ تربیت کا نصاب کیا ہوگا۔ تربیت کا دورانیہ کتنا ہوگا۔ تربیت کا معیار کیا ہوگا۔ ملازمت سے قبل کس قسم کی تربیت درکار ہوگی۔ ملازمت کے بعد کس قسم کا اہتمام کرنا ہوگا۔

۵۔ **جائزہ اور امتحانات** نصاب کی کامیابی کا جائزہ کس طرح لیا جائے گا۔ طلبہ کی تدریس کا جائزہ یا امتحان کس طرح لیا جائے گا۔ اساتذہ کی کارکردگی کا جائزہ کس

طرح لیا جائے گا۔

۶۔ **تدریسی نظام**

تعلیمی ادارہ یا مدرسہ ہفتہ میں کتنے دن تدریسی کام کرے گا۔ پیریڈ کا دورانیہ کتنا ہوگا۔ مضامین کی تدریس کے لیے یومیہ کتنے پیریڈ رکھے ہوں گے۔ ہر مضمون کی ایک اپنی اہمیت ہوتی ہے۔

۷۔ **تعلیمی نظام:**

(الف) اساتذہ کا تقرر، ان کی عمر کتنی ہوگی، معیار تعلیم کیا ہوگا۔ معیار تربیت کیا ہوگا۔ مشاہرہ کیا ہو۔

(ب) تعلیمی اداروں کی کارکردگی کی نگرانی کس طرح ہو گی۔ معائنہ کون کرے گا۔ سال میں کتنی بار معائنہ ہوگا۔

(ج) داخلہ اور امتحانات کب ہوں گے۔ امتحانات کس طرح منعقد ہوں گے۔ صدر مدرس یا ہیڈ ماسٹر یا پرنسپل کے کیا فرائض واختیارات ہوں گے۔

(د) کتابوں کی طباعت کے لیے ٹیکسٹ بک بورڈ کا قیام ان کے فرائض اور کارکردگی۔

(ھ) بیرونی امتحانات کے لیے بورڈ، یونی ورسٹی اور محکمانہ شعبہ امتحانات کا قیام، ان کا دائرہ کار اور ذمہ داریاں۔

(ی) تعلیمی اداروں کو چلانے کے لیے لوازمات کی فہرست۔

نصاب تعلیم ایک بہت بڑا باب ہے جس پر کتابوں کی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کتاب نصاب کی ایک مختصر لیکن اہم پیداوار ہے۔ کتاب کو نصاب نہیں کہا جاسکتا۔ نصاب میں تبدیلیوں کا عمل سیاسی حکومت کے زیر اثر رہا ہے۔ لیکن آئین سے انحراف کی کسی کو بھی اجازت نہیں۔ مقاصد

تعلیم کی روشنی میں نصاب کی تشکیل ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے نصاب کی بہت سی اقسام معرضِ وجود میں آچکی ہیں۔ لیکن عناصر کے لحاظ سے نصاب کا ڈھانچہ ایک ہی ہے۔ ماہرین تعلیم نے مختلف اوقات میں مختلف نمونے بنا کر ان پر تجربات کیے لیکن متفقہ طور پر طے شدہ ایک ڈھانچہ (R. B. Tyler) نامی ماہر نصاب نے مرتب کیا ہے جسے (Cyclic Model) دوری ڈھانچہ کہتے ہیں۔ یعنی نصاب میں تبدیلیاں ضرورت کے مطابق ہوتی رہتی ہیں۔ یہ متحرک شے ہے جامد نہیں ہے۔

تشریح:

نصاب سازی سے قبل مقاصد کا تعین کیا جاتا ہے۔ مقاصد کے تحت مواد تعلیم مرتب کیا جاتا ہے۔ مواد آگے پہنچانے کے لیے تربیت اساتذہ کا عمل آتا ہے۔ بعد ازاں کمرہ جماعت میں تدریس کا عمل ہوتا ہے۔ آخر میں کامیابی یا ناکامی کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ جائزے سے حاصل شدہ معلومات کی روشنی میں عناصر نصاب میں تبدیلیاں لائی جاتی ہیں۔ اس لیے نصاب سازی کا عمل مسلسل متحرک رہتا ہے۔ اسی لیے اس کا نمونہ (Model) گول دائرہ نما ہے جو حسب ذیل ہے۔

Tyler's Cycllc Model

یونٹ نمبر ۱۳

نصاب و کتاب

عام اساتذہ کے لیے یہ ایک الجھن کا مسئلہ ہے کہ نصاب اگر کتاب ہے تو نصاب کیا ہے کتاب اگر نصاب ہے تو کتاب کیسے وجود میں آئی۔ نصاب پر لکھے گئے یونٹ سے تو نصاب کے متعلق تصورات کی وضاحت ہوگئی ہوگی۔ رہی کتاب تو دونوں یعنی نصاب کے حوالے سے کتاب اور کتاب کے حوالے سے نصاب کی وضاحت کی جارہی ہے۔

نصاب کے لیے:۔

اصلاحات جو بالعموم استعمال ہوتی ہیں وہ یہ ہیں۔

کورس (Course):

اصل میں یہ کورسز آف سٹڈیز کی مختصر اصطلاح ہے۔اس سے مراد کسی جماعت میں کون کون سے مضامین پڑھنے ضروری ہیں۔ مثلاً پرائمری میں اردو، ریاضی دینیات، معاشرتی علوم، تعلیم، صحت جسمانی اور آرٹ اینڈ کرافٹ پڑھنا لازمی ہیں۔انھیں کورآف ٹیکنیکس کہتے ہیں۔

سلیبس (Syllabus):

اس سے مراد کسی خاص درجہ کے لیے جو مضامین لازمی اور اختیاری طور پر رائج کیے گئے ہیں۔ مثلاً سائنس گروپ کے مضامین (Disciplines) مضامین، جنرل سائنس گروپ کے مضامین، کامرس گروپ کے مضامین وغیرہ۔ سلیبس اور اعلیٰ ثانوی تعلیمی بورڈ شائع کرتے ہیں۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے یونی ورسٹی ڈگری کلاسز کے سلیبس جاری کرتی ہے۔

سکیم آف سٹڈیز (Scheme of Studies) :

وہ پروگرام جس کے تحت مضامین کی تقسیم کی گئی مثلاً سائنس گروپ میں کون کون سے

مضامین شامل کیے گئے ہیں۔آرٹس گروپ اصل میں (Humanities) گروپ میں کون کون سے مضامین شامل کیے گئے ہیں۔اوران کے پرچوں کے نمبروں کی تقسیم وغیرہ۔اب دیکھتے ہیں کتاب کیا ہے کیسے وجود میں آتی ہے اور مدارس تک کیسے پہنچتی ہے۔

۱۔ **درسی کتاب** یہ وہ کتاب ہے جو کسی جماعت کے کسی ایک مضمون کی تدریس کے لیے تیار کی جاتی ہے۔

۲۔ **نصاب** ایسی کتابیں جو تعلیم و تدریس سے متعلق معلومات فراہم کرنے کے لیے تیار کی جاتی ہیں۔

۳۔ **ورک بک** یہ وہ کتاب ہے جو طلباء کو عملی کام کرنے کے لیے تیار کی جاتی ہیں۔

۴۔ **گائیڈ بک** یہ وہ کتابیں ہیں جو اساتذہ کو تدریسی اسباق تیار کرنے اور پڑھانے کے فرائض ادا کرنے کے لیے پہلے سے تیار کی جاتی ہے۔

۵۔ **لائبریری بک** یہ وہ کتابیں ہیں جو تعلیمی ادارے کی لائبریری کے لیے تیار کی جاتی ہیں۔ان سے طلباء اور اساتذہ دونوں استفادہ کرتے ہیں۔

۶۔ **تائیدی کتابیں** یہ وہ کتابیں ہیں جو طلباء میں پڑھنے کے شوق کو ابھارنے کے لیے تیار کی جاتی ہیں۔ان میں تعلیمی نوعیت کی قصہ کہانیاں،ڈرامے،نظمیں وغیرہ ہوتی ہے۔

کتاب کی تیاری:۔

کتاب کی تیاری محکمہ تعلیم کا صوبائی ٹیکسٹ بک بورڈ کا ادارہ کرتا ہے۔اسے وزارت تعلیم سے نصاب کے حوالہ سے ہدایات مہیا ہوتی ہیں۔یہ ادارہ انھیں ہدایات کے مطابق کتب تیار

کرواتا ہے۔ ٹیکسٹ بک بورڈ میں ہدایات موصول ہونے کے بعد سے کتاب کی اشاعت اور ان کی مدارس تک ترسیل کی کہانی بڑی دلچسپ اور طویل ہے یہاں اسے بیان کرنا مقصود نہیں۔ بازار میں درسی کتابوں کو پہنچانا ٹیکسٹ بک بورڈ کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

P.J.Hills نے ڈکشنری آف ایجوکیشن میں نصاب و کتاب کے فرق کی تفصیلی تشریح کی ہے۔ ان کے الفاظ میں یہ تفریق پیش کی جا رہی ہے۔

Curriculum Development:-

Curriculum Development would be summarised as the planning, implementation and evaluation of Educational program or course of study, offered by the School & Colleges" Educational Institutions of all levels develop their curriculum themselves almost in all of the developed countries, whereas in our country. We have a centralized system of curriculum development. Curriculum development is the responsibility of the Ministry of Education, Islamabad. Different Educational Systems exhibit different styles of curriculum development. They reflect the way in which development agencies have to worked upon diffusion of curriculum innovation and suggest systems".

Books:

In our country, books are developed centrally at provincial level by the provincial text book Board, Which are

maablib.org

used in Govt. institution, whereas free lance writes write books for educational institutions in developed countries. Institutions selected books for their individual institutions as described by curriculum need or their institutions regarding books. P.J. Hills says:

"Books are at present the most useful way of storing and retrieving information. They contain information in a compact form, Can be skimmed for range of contact or read as a whole. They can be taken up or put down, the information they contain being accused at any point. They can be read and re-read. They are portable and conversed and need no supplementary equipment for their use. Books can be used to present introduction to a subject, as text, for the main body of a subject, as reading, for literacy purpose as well as purely pleasure.

"With the advent of new technology, there are in the storage and retrieval on micro form and microfiche on video disc and by computer storage devices as floppy discs, bubble memories etc. All of other later require supplementary equipment to access the Information, and apart form, microform and microfiche all use video screen displays which

do not have sufficient resolution and clarity to allow high definition images of any amount of print on the screen at any time."

"Curriculum forms facets-content, methods, purposes and evaluation."

Consult Model at pp. 68

◆◆◆

maablib.org

یونٹ نمبر ۱۴

تعلیمی نگرانی

نگرانی کا عمل کوئی بھی ہو یہ اسی وقت وجود میں آتا ہے جب کوئی کام کسی کو کرنے کے لیے سونپا جاتا ہے تاکہ کام دینے والا یہ جائزہ لے سکے کہ کام کس نوعیت مقصد اور معیار کے مطابق سرانجام پا رہا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ نگرانی کے مفہوم کو سمجھا جائے اور تعلیم کے حوالے سے دیکھا جائے کہ تعلیمی عمل کی نگرانی کے کیا اصول ہیں۔

نگرانی کا مفہوم:۔

نگرانی ایسا عمل ہے جسے فرد، افراد یا ادارہ کرتا ہے جو اپنے تجویز کردہ منصوبے کے مطابق کچھ فرائض کی ادائیگی کے لیے کسی فرد، افراد یا تنظیم (Organization) جسے موجودہ اصطلاح میں (Institution) ادارہ کہتے ہیں کو ذمہ داری سونپتا ہے۔

نگرانی کی ابتداء:۔

جیسے ہی تفویض شدہ منصوبہ زیرِ عمل آتا ہے۔ منصوبہ ساز منصوبے کی تکمیل کے مراحل شروع کر دیتا ہے اس کی تین نوعیتیں ہوتی ہیں۔

موقع پر مسلسل موجود رہنا:

منصوبے کے آغاز اور تکمیل تک موقع پر موجود رہنا جس طرح مکان کی تعمیر کے لیے مکان تعمیر کروانے والے ہمہ وقت موقع پر موجود رہتے ہیں۔ تاکہ ہر طرح سے جائزہ لیتے رہیں کہ مکان کی بنیاد نقشے کے مطابق رکھی گئی ہے۔ اس میں استعمال ہونے والا تمام میٹریل موقع پر موجود ہے اور ضائع تو نہیں کیا جا رہا؟ ساتھ ہی تعمیر کے کام کے معیار کا بھی جائزہ لیتا رہتا ہے۔

وقتاً فوقتاً نگرانی کرنا:

منصوبے کا آغاز ہو جانے کے بعد منصوبہ ساز یا مالک موقع سے چلا جاتا ہے اور جب مناسب سمجھتا ہے موقع پر آ کر جائزہ لیتا ہے کہ آیا کام منصوبہ کے مطابق ہو رہا ہے یا نہیں۔ حالات کے مطابق ہدایات دے کر وہ پھر موقع سے چلا جاتا ہے۔ کام کرنے والے منصوبے کے مطابق اپنے کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔

منصوبہ کے مطابق کام کا آغاز ہو چکنے کے بعد منصوبہ ساز موقع پر سے چلا جاتا ہے اور منصوبے کی تکمیل کا جو وقت مقرر تھا اسی کے مطابق منصوبے کی تکمیل دیکھنے کے لیے موقع پر پہنچتا ہے۔

ہمارا تعلیمی نظام بھی ایک منصوبہ کے تحت کام کرتا ہے۔ مدارس کا اجرا ہوتا ہے۔ اس کے لیے نصاب، کتاب، عمارت، اساتذہ، دیگر لوازمات اور موقع پر نگرانی کے لیے محکمہ کا نمائندہ بطور سربراہ ادارہ موجود ہوتا ہے۔ ذمہ دار افراد کی تعلیم اپنے منصوبے کے تکمیلی مراحل کی نگرانی تین طریقے سے کرتے ہیں۔

پہلا طریقہ:

مستقل نگرانی کے لیے ادارے میں سربراہ تو موجود ہوتا ہے لیکن محکمانہ نمائندگی کے لیے (A.E.O.S) نائب افسر تعلیم مقرر ہوتے ہیں۔ جو باقاعدگی سے اداروں کا معائنہ کرتے رہتے ہیں۔ ان کے ساتھ سرکاری، پرائمری مدارس میں تدریسی نگرانی کے لیے لرننگ کوآرڈینیٹر ہوتے ہیں۔ جو باقاعدہ ایک پروگرام کے مطابق مدارس کا معائنہ کرتے رہتے ہیں۔

دوسرا طریقہ:

اچانک معائنہ (Surprise Visit) ضلعی افسر تعلیم موقع پر پہنچ کر تعلیمی اداروں کا معائنہ کرتے ہیں۔ خصوصاً کسی ادارے کے خلاف حکام بالا کو مسلسل شکایات موصول ہو رہی ہوں یا کسی ادارے کی تعلیمی حالت گر رہی ہو اسے عرف عام میں "چھاپہ" کہتے ہیں۔

تیسرا طریقہ:

سالانہ معائنہ (Annual Visit) منصوبے کے مطابق معائنہ کے زمرے میں آتا ہے۔ اس کی اطلاع "A.E.O" لرننگ کوآرڈینیٹر (Learning Coordinator) اور ضلعی ناظم کو پہلے سے دے دی جاتی ہے اور ڈویژن صوبائی سطح کے افسران بالا ایک پروگرام بنا کر پوری ٹیم کے ساتھ مدارس میں آتے ہیں اس ٹیم کے چند افراد طلباء اور اساتذہ کے تدریسی کاموں کی پڑتال کرتے ہیں ایک تعلیمی ادارے کی انتظامی کارکردگی کا جائزہ لیتا ہے۔ ایک افسر حساب داں اور ماہر قانون ہوتا ہے۔ وہ ادارے کا آمدنی و اخراجات کا اور ہر قسم کے سٹاک کا جائزہ لیتا ہے۔ سب سے بڑا افسر کلاسوں میں جا کر طلباء سے ملتا ہے ان سے دشواریوں کا پتہ کرتا ہے۔ چند سوالات کر کے ان کی تعلیمی کیفیت کا اندازہ بھی لگاتا ہے۔ یہی سربراہ ادارہ اور اساتذہ کا اجلاس بھی بلا کر ان کی مشکلات کے متعلق گفتگو کرتا ہے۔ آج تقریباً ۳۰ سال قبل تک سالانہ معائنہ ایک ادارے میں ایک ہفتہ تک جاری رہتا ہے۔ معائنہ کے اختتام پر افسران اپنے ہیڈکوارٹر میں جا کر رپورٹیں تیار کرتے تھے اس کی نقل سربراہ ادارہ کے پاس آتی تھی۔ جو تشریح طلب امور ہوتے تھے سربراہ ادارہ ان کی وضاحت کر کے افسران بالا کو بھیج دیتا تھا لیکن اب صورت حال بدل گئی ہے اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ یہاں اس پر بحث مفید نہ ہوگی۔

تعلیمی نگرانی کے اصول:

تعلیمی نگرانی کے درج ذیل اصول ہیں۔

ا۔ آزادانہ نگرانی:

نگرانی کے دوران افسران نگران کا رویہ آزادانہ ہوتا ہے اسے کون اچھا لگتا ہے اور کون برا، ادارے میں کس کی شہرت اچھی ہے اور کس کی بری، اسے اس سے غرض نہیں ہونی چاہیے وہ بغیر تعصب کے نگرانی کے مقاصد کے تحت ادارے کی کارکردگی ماحول اور لوازمات ادارہ کا جائزہ لے

کر رپورٹ لکھے۔

۲۔ **جمہوری نگرانی:**

تعلیمی ادارے کے افراد پر بے جا دباؤ نگران کے بہانے خوف و ہراس کی فضا پیدا کرتا ادارے کی کارکردگی کو بری طرح متاثر کرتا ہے۔ صرف خرابیوں کو ہی نہ دیکھے۔ خوبیوں کی تعریف بھی کرے نگرانی کے بعد جو نقائص اسے نظر آئیں ان سے متعلقہ سٹاف کی میٹنگ بلا کر ادارے کے عملے سے دریافت کیا جائے کہ ان نقائص کو دور کرنے کے لیے کون سا لائحہ عمل اختیار کیا جائے۔

۳۔ **اصلاحی نگرانی:**

نگرانی کے نتیجہ میں نقائص نظر آنے پر اساتذہ کی سرزنش تبادلہ یا ان کی سالانہ ترقی کا روک لینا تعلیمی ادارے پر منفی اثر ڈالتا ہے۔ نگران افسر کو چاہیے کہ جو کوتاہیاں نظر آتی ہیں۔ ان کو دور کرنے کی تدابیر بتائے۔ وسائل کی کمی ہو تو وسائل مہیا کرے تدریسی یونٹ میں گرل (Girl) اور گرل (Gril) پڑھانے کی کہانی لکھی جا چکی ہے۔ جدید دور میں ماہرین تعلیم نے نگرانی کا مقصد ہی اصلاحی قرار دیا ہے۔ چنانچہ سرنگ کوآرڈینیٹرز اسی مقصد کے لیے تعینات کیے گئے ہیں کہ بجائے اس کے کہ وہ اساتذہ کی خامیوں کو افسران بالا تک پہنچائیں۔ وہ ادارے میں ہی ان خامیوں کو دور کرنے کے لیے عملی تجاویز دیں۔ اگر محکمہ کی طرف سے کوئی رکاوٹ آ رہی ہے تو وہ محکمہ سے درخواست کریں کہ ان رکاوٹوں کو دور کرے جس سے اصلاح احوال ہو سکتی ہے۔

نگرانی کے مقاصد:

نگرانی کا ایک ہی بڑا مقصد ہے کہ وہ انتظام وانصرام ادارہ کا جائزہ لے کر دیکھے کہ تعلیمی منصوبہ کس طرح روبہ عمل ہے۔ نگران کو اس سلسلہ میں درج ذیل کوائف کی طرف نظر رکھنا چاہیے۔

انتظامی کوائف:

ا۔ **پیشہ ورانہ نشوونما:**

تدریس ایک پیشہ ہے نگرانی کے وقت یہ دیکھا جائے کہ اساتذہ کی تدریسی صلاحیتوں

میں اضافہ ہو رہا ہے یا نہیں۔ اسی مقصد کے تحت محکمہ تعلیم اساتذہ کے لیے وقتاً فوقتاً ریفریشر کورس کا اہتمام کرتا ہے۔ تمام اساتذہ کو چاہیے کہ اپنے فائدہ کے لیے ان دو مواقع سے پوری طرح فائدہ اٹھایا کریں۔

۲۔ معاشرے سے تعلقات:

تعلیمی ادارے معاشرے میں معاشرے کی تعلیمی ضرورت پوری کرنے کے لیے وجود میں آتے ہیں۔ لہٰذا تعلیمی ادارہ معاشرے سے جدا رہ کر کامیاب نہیں ہو سکتا ہے۔ لہٰذا نگرانی کے دوران یہ دیکھنا چاہیے کہ سربراہ ادارہ اور اساتذہ کا معاشرے میں کیا مقام ہے اور ان کی کیسی شہرت ہے کچھ والدین کو ادارے میں بلوا کر ان سے بھی ان کے تاثرات معلوم کر لینا چاہیے۔

۳۔ سادگی و خوش سلیقگی:

ادارے کا عملہ خوش پوش لیکن سادہ لباس ہو۔ ادارے کے ماحول کو صاف رکھتا ہے۔ اساتذہ والدین اور طلباء کے ادارے کے عملہ کا رویہ کیسا ہے۔ حتیٰ کہ ادنیٰ ملازمین کے کردار کا بھی جائزہ لینا ضروری ہے۔ کلاس روم کی حالت کیسی ہے۔ کلاس روم کی صفائی، بناوٹ، سجاوٹ پیسوں سے نہیں بلکہ طلباء کے رویوں اور ان کے بنائے ہوئے چارٹوں سے ہوتی ہے۔ اگر کلاس خوش سلیقہ ہو تو بغیر کسی خرچ کے کمرہ جماعت کو نمونے کا کمرہ بنا لیتا ہے۔ لیکن اس میں ادارے کے ساتھ دلچسپی مشروط ہے۔

۴۔ اعتماد و یقین:

نگرانی کے دوران یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ادارے کے عملہ کو ادارے سے کس قدر اتفاق ہے کیا عملہ کے بیشتر افراد باہر سے آئے ہوئے ہیں اور وہ ہر لمحہ وقت اپنے تبادلوں کے لیے کوشاں ہوتے ہیں۔ ایسے افراد ادارے کی کارکردگی میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لیتے لہٰذا نگران کو اساتذہ کا اعتماد و یقین بحال کرنے کی تدابیر سوچنی چاہیے نہ کہ اس کے منفی اثرات بننے چاہئیں۔

۵۔ کفایت شعاری:

نگرانی میں اس امر کا جلد جائزہ لیا جائے کہ سرکاری فنڈز کفایت کے ساتھ مناسب طریقہ سے خرچ کیے جا رہے ہیں یا سرکاری فنڈز ضائع ہو رہے ہیں نیز یہ بھی دیکھے کہ ادارے کے وسائل ضائع تو نہیں ہو رہے مثلاً درخت کا سوکھنا عمارت کی مناسب دیکھ بھال نہ ہونا دیواروں پر جگہ جگہ طلباء کا خرافات لکھنا خصوصاً کاغذ اور چاک اور دیگر سائنسی سامان کا ضائع ہونا۔ جس طرح آج کل جن جن اداروں میں کمپیوٹر ہیں۔ وہاں قیمتی کاغذ بے دردی کے ساتھ ضائع ہو رہا ہے۔ مدارس میں لائبریریاں بند ہیں کہیں دیمک لگ چکی ہے کہیں کتابیں چوری ہو چکی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ طلباء بے دردی سے کلاس روم فرنیچر توڑ دیتے ہیں۔ بجلی کے پنکھے، لائیٹیں بلاوجہ چل رہے ہوتے ہیں۔ نگرانی کے وقت ان باتوں کا جائزہ لینا چاہیے کہ قومی وسائل ضائع تو نہیں ہو رہے۔ بہت سے افسران کے دفتر دیکھنے میں آئے ہیں جن کے کمروں میں ائیر کنڈیشنر لگے ہیں لیکن وہ چلاتے نہیں جواز یہ ہے کہ وہ اپنے گھر میں ائیر کنڈیشنر کے کمرے میں نہیں رہتے وہ خود بھی اپنے کمرے کا کولر گرمیوں میں بند رکھتا تھا کہ اس کے گھر میں کوئی کولر نہیں لگا ہوا تھا نگران کو قومی وسائل کے ضائع ہونے کا سختی سے نوٹس لینا چاہیے۔

۶۔ فعالیتیں:

تعلیمی ادارہ ایک متحرک مشینری کی طرح کام کرتا ہے نگران کو یہ دیکھنا چاہیے کہ ادارہ متحرک ہے یا نہیں۔ تعلیم و تدریس کے لیے طلباء اساتذہ اور دیگر عملہ کے افراد کی کیا سرگرمیاں ہیں جو ادارے کے لیے مفید ہیں۔ مثلاً جسمانی تربیت کے مشاغل۔ تفریحی سہولتوں کے لیے تعلیمی سیر کا پروگرام۔ ادارے میں مختلف کلبوں اور تعلیمی تنظیموں کا قیام، مختلف تحریکوں کے گرل گائیڈ سکاؤٹنگ کا اہتمام وعلیٰ ھذا القیاس تعلیمی ادارے کی بہتر کارکردگی کی صورت میں کھیلوں کے مقابلے تعلیمی نمائشوں کا انعقاد ایسی سرگرمیاں جن میں طلباء، اساتذہ اور والدین بلکہ پورا معاشرہ حصہ لیتا ہے۔ جو تعمیری سرگرمیاں ہیں۔ اس تعلیمی ادارے میں نظم وضبط کی خاص تربیت مہیا ہوتی ہے۔ نگرانی کے دوران اس امر کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ نگرانی کا مقصد کیا ہے کیونکہ ہر کام

کرتے وقت کچھ مقاصد سامنے ہوتے ہیں جن کی تکمیل پر نظر ہوتی ہے۔ مثلاً تعلیمی اداروں میں تعلیمی نتائج، کھیلوں میں انعامات، ایوارڈ، تقریروں میں اسناد وشیلڈ وغیرہ کا حصول تعلیمی ادارے کی صحت مند کارکردگی کا مظہر ہوتی ہیں۔ لہٰذا نگرانی میں مقصدیت کا ہونا ضروری ہے۔

۸۔ اصلاح وترامیم:

جیسا کہ پہلے ہی بیان کیا گیا ہے کہ نگرانی تعمیر واصلاح کی خاطر ہونی چاہیے نہ کہ تنقید و تبصرہ کے لیے کیونکہ تنقید سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا تاوقتیکہ اس کی اصلاح کے لیے طریقے بتانے چاہئیں۔ لہٰذا نگرانی کے نتیجے میں کچھ مسائل تو ایسے ہوتے ہیں جنھیں نگران اپنے مشوروں سے ان مسائل کو موقع پر ہی حل کرسکتا ہے۔ کچھ مسائل کا تعلق وسائل کی فراہمی سے ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ محکمہ کو اس کی اطلاع ہی نہ دے بلکہ ان وسائل کو ادارے تک پہنچانے کی کوشش کرے اس طرح تعلیمی نگرانی کا عمل حیثیت میں تبدیلیاں لانے کا ضامن ہوگا۔

◆◆◆

maablib.org

یونٹ نمبر ۱۵

خواندگی اور تعلیم

ہمارے ملک کی نصف سے زیادہ آبادی غیر تعلیم یافتہ اور ناخواندہ ہونے کی وجہ سے خواندگی اور تعلیم کے فرق کو اچھی طرح نہیں سمجھ پاتی۔علم جسمانی نفسیات اور لسانیات کے ماہرین کے مطابق انسان کے سیکھنے اور سمجھنے کے مدارج کا تعلق طبعی عمر سے ہے۔اللہ نے انسان کو پانچ حواس یعنی حواس خمسہ سے نوازا ہے۔

۱۔ دیکھنے کی حس (Sense of Sight) قوت باصرہ

۲۔ سننے کی حس (Sense of Hearing) قوت سامعہ

۳۔ بولنے کی حس (Sense of Speech) قوت گویائی

۴۔ چکھنے کی حس (Sense of Taste) قوت ذائقہ

۵۔ چھونے یا محسوس کرنے کی حس (Sense of Touch/Feeling) قوت لامسہ

پیدائش کے بعد بچہ آنکھوں سے دیکھتا بھی ہے۔کانوں سے سنتا بھی ہے زبان اور حلق سے آوازیں نکالتا ہے۔اسے ٹھنڈے گرم اور خشک تر کا اور اچھے برے ذائقہ کا احساس بھی ہوتا ہے۔لیکن اس کے تمام اعمال۔حرکات وسکنات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ بے معنی ہیں۔بہت مشکل سے سمجھ میں آتا ہے۔طبعی عمر گذارنے کے بعد الفاظ ادا کرنے لگتا ہے اور اسے ایسی مہارتیں حاصل ہونے لگتی ہیں جس کے ذریعے وہ اپنے ہر فعل واحساس کی تھوڑی بہت وضاحت کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔یہ تقریباً اڑھائی سال سے ۳ سال کی عمر کو پہنچ چکا ہوتا ہے۔ماہرین تعلیم ونفسیات و لسانیات کی مشترکہ کوششوں سے کچھ ایسے اصول اور طریقے وضع ہو چکے ہیں۔جس کی مدد سے بچے

کے حواس کو استعمال کرتے ہوئے اسے خواندگی یعنی کچھ سیکھنے سمجھنے کی طرف مائل کر دیا جاتا ہے۔ ماہرین نفسیات و لسانیات کی ایک تحقیق کے مطابق ساڑھے تین سال کی عمر تک اپنے اردگرد کے مشاہدات اور تجربات سے خود ہی تقریباً ۱۵۰۰ الفاظ کا ذخیرہ حاصل کر چکا ہوتا ہے۔ جو اسے کچھ سمجھانے دکھانے یعنی خواندہ بنانے کے کام آتا ہے۔ اس میں ایسی مہارتیں پیدا کر دی جاتی ہیں۔ جن کی مدد سے وہ اپنی ضرورت کے مطابق لکھنا اور پڑھنا سیکھ جاتا ہے۔ یہ تمام عمل غیر رسمی طور پر گھر اور گھر کے اردگرد کے ماحول میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ یہی بچہ کی خواندگی کا دور ہوتا ہے۔ یہ دو رہمارے ملک میں پانچ سال۔ کچھ ممالک میں ۶ سال اور جاپان میں ۷ سال سے شروع ہوتا ہے۔ پھر بچہ رسمی نظام تعلیم میں داخل ہوتا ہے۔ جسے پرائمری، ابتدائی یا بنیادی سطح کہتے ہیں۔

خواندگی:

خواندگی میں ایسی مہارتیں حاصل ہوتی ہیں جن کو تجرباتی بنیادوں پر پرکھنے کے بعد علم حاصل ہوتا ہے یا کوئی بھی شخص تعلیم یافتہ کہلاتا ہے۔ مثلاً لکھنے پڑھنے کی بنیادی مہارتیں ہیں۔

تعلیم:

اپنے گردونواح سے مشاہدات اور تجربات کی بنا پر حاصل کیے جانے والے علم کو تعلیم کا نام دیا جاتا ہے۔

خواندگی اور تعلیم میں فرق:

(۱) خواندگی ہنر مہیا کرتی ہے۔ (۲) تعلیم عالم بناتی ہے۔ (۳) خواندگی کے ساتھ مخصوص ماحول، نصاب، ادارے، استاد اور پیشے منسلک ہیں۔ (۴) خواندگی کا دائرہ کار محدود ہے۔ (۵) چندرہ سال کی تعلیم اٹھارہ سال کی تعلیم خواندگی ہنر کے ساتھ ساتھ ایک سرٹیفکیٹ بھی مہیا کرتی ہے جو کہ مستقبل میں ذریعہ معاش کے حصول میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ (۶) خواندگی سماجی تجربات کا ذریعہ بنتی ہے۔ (۷) تعلیم کسی بھی مخصوص ماحول، نصاب و ٹیچر کی محتاج نہیں ہوتی۔ (۸) تعلیم کا دائرہ کار لامحدود ہوتا ہے۔ (۹) تعلیم کا سرٹیفکیٹ سے کوئی

تعلق نہیں۔(۱۰) تعلیم رعلم بذات خود تجربات ومشاہدات سے حاصل ہوتا ہے۔

تعلیم اور خواندگی کا فرق سمجھنے کے لیے ہمارے گردونوح میں بے شمار مثالیں ہیں۔جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جہاں دنیائے ترقی میں ہر روز نئے نئے انقلاب کا سامنا کرنے کے لیے اور ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل ہونے کے لیے شرح خواندگی کا بڑھانا لازمی ہے۔وہاں تعلیم کے فروغ کے لیے ایسا ماحول بھی پیدا کرنا ضروری ہے جو کہ بچوں کو تجربات ومشاہدات کی روشنی میں علم فراہم کرنے کی راہیں فراہم کرے۔

◆◆◆

maablib.org

یونٹ نمبر ۱۶

شرح خواندگی کے نہ بڑھنے کے اسباب

رسمی تعلیم کے آغاز کے بعد دنیا کے ممالک اپنے اپنے سکولوں میں شرح خواندگی میں اضافے کی کوشش کرتے رہے ہیں کیونکہ ناخواندگی انسانی زندگی پر ہر لحاظ سے برا اثر ڈالتی ہے جس سے نہ صرف ملک کی معیشت بلکہ معاشرتی زندگی بھی رو بہ زوال ہوتی ہے۔

پاکستان میں مردم شماری ۹۶-۱۹۹۵ء کے اعداد و شمار کے مطابق شرح خواندگی ۳۸٪ رہی جب کہ ناخواندگی ۶۲٪ رہی۔ ۱۹۹۸ء کے اعداد و شمار کے مطابق شرح خواندگی ۴۷٪ تک پہنچ گئی ہے۔ قیام پاکستان سے ۱۹۹۸ء تک جائزہ لیں تو ۱۹۴۷ء سے ۱۹۹۸ء تک کی شرح خواندگی کا تناسب حسب ذیل ہے۔

1947	1951	1972	1981	1993	1995	1998
13%	16.4%	21.2%	27.4%	35.4%	39.8%	46.6%

اوپر دیے ہوئے خاکہ کے مطابق نصف صدی میں شرح خواندگی ۳۳٪ بڑھ سکے۔ (حوالہ لٹریسی نیوز کوارٹرلی۔ مارچ ۱۹۹۹ء۔ دوسرا ایشو۔ یونیسکو) اس کے مقابلہ میں یونیسکو کی سالانہ شماریاتی رپورٹ ۱۹۹۱ء کے مطابق ایشیا کے ترقی پذیر ممالک کا چارٹ جو تصویر پیش کرتا ہے۔ اسے دیکھ کر ہماری نگاہیں شرم سے جھک جاتی ہیں۔ اعداد فیصدی میں ظاہر کیے گئے ہیں۔

ممالک	اردن	افغانستان	انڈونیشیا	ایران	برما	بنگلہ دیش	بھارت	پاکستان	ترکی	تھائی لینڈ	چین
خواتین	70.3	13.9	68	43.3	72.2	22.0	33.7	21.1	71.1	84.8	61.8
مرد	80.3	44.1	84.1	64.5		47.1	61.8	47.3	89.7	96.1	84.1
مجموعہ	80.1	29.4	77.0	54.0		35.3	48.2	34.8	80.7	93.0	73.3

ممالک	یمن	سری لنکا	سعودی عرب	عراق	فلپائن	کوریا	کویت	لبنان	ملائشیا	نیپال	ویت نام
خواتین	26.8	83.5	48.1	49.3	89.5	93.5	66.7	73.1	70.4	13.2	83.6
مرد	53.3	93.4	73.1	69.8	90.0	99.1	77.1	87.8	86.5	37.6	92.2
مجموعہ	38.5	88.4	62.4	59.7	89.7	96.3	73.0	80.1	78.4	25.6	87.6

ہیں۔ اس کی ذمہ داری نہ صرف حکومت بلکہ ملک کے ہر فرد اور ہر طبقہ پر عائد ہوتی ہے۔ بڑی وجوہات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ پاکستان کے پہلے اور دوسرے سالانہ بجٹ میں پرائمری تعلیم کے لیے کوئی رقم مختص نہ کی گئی جب کہ شرح خواندگی اس وقت ۱۳.۳۱٪ فیصدی تھی۔

۲۔ پاکستان کے تیسرے سالانہ بجٹ میں پرائمری تعلیم کے لیے کچھ رقم مختص کی گئی لیکن خواندگی کے لیے کوئی رقم مختص نہ کی گئی۔

۳۔ شریف کمیشن کی رپورٹ 59-1958 کی روشنی میں شرح خواندگی بڑھانے پر بہت زور دیا گیا لیکن وسائل کے لیے ہم بیرونی اداروں کے دست نگر رہے جس کی وجہ سے خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔

۴۔ جب بھی حکومتیں تبدیل ہوئیں انھوں نے تعلیمی پالیسیاں بھی بدل دیں اور ہر حکومت کے دور میں پچھلا کام ختم اور نیا کام شروع کر دیا گیا۔ اس کا اثر خواندگی کے پروگرام پر بھی پڑتا رہا۔

۵۔ خواندگی کے مراکز کھولے گئے لیکن معاشرے نے پوری طرح تعاون نہ کیا کہیں عمارتوں کی تعمیر کے لیے جگہ نہ ملی کہیں اساتذہ تعینات نہ ہو سکے۔

۶۔ معاشرتی روایات خصوصاً دیہی اور سرحدی علاقوں میں خواتین کو تعلیم دلوانے کا رواج نہ تھا اور اب بھی بہت سی جگہ مزاحمت ہو رہی ہے۔

۷۔ دیہی علاقوں میں وہاں کے وڈیرے مدارس کی تعمیر کے لیے جگہ فراہم نہیں کرتے۔

۸۔ خواتین کو تحفظ کا احساس نہیں مردوں کو دور دراز علاقوں میں جانے کے مسائل رہے ہیں۔

۹۔ چائلڈ لیبر بھی شرح خواندگی بڑھانے میں حائل ہے۔ چھوٹے بچے دیہاتوں میں والدین کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ کچھ والدین غربت کی بنا پر بچوں سے مشقت کرواتے ہیں۔

۱۰۔ معاشی حالت کی زبوں حالی اور حکومت کے پاس وسائل کی کمی نیز معاشرے کا تعاون حاصل نہ ہونا بھی خواندگی کی شرح کے اضافہ میں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں۔

مورخہ ۱۰ مارچ ۲۰۰۲ء کے اتوار میگزین برائے تعلیم میں حکومت سندھ کے سیکریٹری پلاننگ نے شرح خواندگی کے نہ بڑھنے کا نہایت حقیقت پسندانہ انداز میں اعتراف کیا ہے۔ موصوف نے (Improvement of Basic Education) پراجیکٹ وزارت تعلیم حکومت پاکستان کے ۱۹۹۳ء کے اعداد و شمار کا حوالہ دیا ہے۔ اس حوالہ میں پاکستان کے مقابلہ میں دوسرے ترقی پذیر ممالک کا بھی حوالہ دیا گیا ہے جو خواندگی کی شرح کو ظاہر کرتا ہے۔

Country	Men	Women
Bangla Desh	62%	35%
Brazil	88%	81%
China	85%	73%
Egypt	99%	48%
India	84%	52%
Indonesia	90%	77%
Malasia	99%	87%
Nepal	58%	51%
Pakistan	52%	26%

پاکستان کے مختلف صوبوں کے مدارس میں داخل شدہ اور دوران تعلیم مدرسہ چھوڑ جانے والے طلباء کی شرح فیصدی SAP کی رپورٹ ۹۳_۱۹۹۲ء کے حوالے سے دی گئی ہے۔

Province	Boys	Girls	Boys	Girls
Punjab	65%	40%	11%	15%
Sindh	52%	26%	23%	25%
NWFP	28%	35%	08%	13%
Beluchistan	58%	18%	14%	17%

اعداد شمار کے گوشوارے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مدارس میں طلباء کے لیے دلچسپی اور بنیادی سہولتوں کی کمی کی وجہ سے آبادی کے تناسب سے تعلیم ادھوری چھوڑ جانے والے طلباء کی شرح فیصدی تقریباً یکساں ہے۔ البتہ سرحدی علاقہ میں بہت زیادہ ہے۔ سیکریٹری موصوف نے یہ بھی تجزیہ کیا ہے کہ ۹۳_۱۹۹۲ء میں کون کون سے ایسے منصوبے تھے جن کے لیے خطیر رقم رکھی گئی۔ جو حسب ذیل ہیں۔

Name of Project	Amount
Sindh Primary Education Development Project	70,67,574
Girls Primary Education Development Programme Phase I	3,65,691
Teachers Training Project	34,410
Middle School Project	14,20,374
Total	91,98,039

اس کے بعد تجزیہ نگار نے ان منصوبوں اور ملکی وسائل کو استعمال میں لاتے ہوئے پرائمری سطح پر طلباء کے داخل، خارج اور ادھوری تعلیم چھوڑ کر چلے جانے والے طلباء کی تعداد کا بھی حوالہ نوٹ کیا ہے جو اس طرح ہے۔

Figure Count in Million

Programme	Boys	Girls	Total
Population of Primary Age Group	2.444	2.236	4.680
Enrolment at Primary Level	1.594	0.926	2.520
Participatin at Primary Level in Girls School	65.2	41.4	54.00

ان اعداد وشمار کے مطالعہ کے بعد شرح خواندگی کے نہ بڑھنے کے جو اسباب تجزیہ نگار نے پیش کیے ہیں اسباب اختصار کے ساتھ یہاں بلا تبصرہ اور اسے تفصیلی تبصرہ کیئے بغیر بیان کیے جا رہے ہیں۔ یہاں تجزیہ نگار نے اخبار میں اسباب کی تفصیلات بھی بیان کیں ہیں۔ یہ اسباب حسب ذیل ہیں۔

۱۔ من مانی منصوبہ بندی:

حکومت اپنی ثواب دید پر منصوبے بناتی رہی ہے اور حقائق کی تہ تک جانے کی کوشش نہیں کی گئی۔

۲۔ غیر حقیقی توقعات:

منصوبے بناتے وقت اتنے بڑے مقاصد متعین کیے گئے کہ ان کا سو فیصدی حصول ممکن نہیں تھا۔ جیسا کہ حکومت کی مختلف پالیسیوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

۳۔ قرضہ یا عطیہ دینے والوں کا سخت رویہ:

جو ادارے منصوبوں کے نفاذ کے لیے پیسے دیتے رہے ہیں ان کا رویہ بے لچک رہا ہے۔ ہمیں گاڑیوں کی ضرورت نہ تھی جو چیزیں یا کام جو ہم یہاں کر سکتے ہیں اس کے لیے ہمیں بیرونی ممالک کا محتاج بنا دیا۔

۴۔ غیر ملکی رقومات کا ملنا:

قرض یا عطیہ دینے والے اداروں نے منصوبوں کا آغاز تو کر دیا لیکن بعد میں رقوم کی

فراہمی میں کمی بیشی کرنے لگے۔ جس کی وجہ سے منصوبے ناکامی کا شکار ہوئے۔

۵۔ مدارس کی عمارتیں ویران رہیں:

مدارس کے لیے عمارتیں بنادی گئیں۔ وہاں کے لیے عملہ نہیں دیا گیا۔ کہیں فرنیچر نہیں دیا گیا یا عمارتیں سڑکوں اور آبادی سے کافی فاصلے پر بنادی گئیں۔

۶۔ مرکزی نظام:

ہمارا نظام حکومت مرکزی ہے ہر کام کے لیے مرکز سے اجازت کی ضرورت تھی اسی تگ ودو میں منصوبوں کا مقررہ وقت ختم ہوگیا، امداد بند ہوگئی اور منصوبہ ناکام ہوگیا۔

۷۔ کمزور نگرانی:

منصوبوں پر نگرانی کا کوئی مربوط نظام نہ ہونے کی وجہ سے ہر طرز پر کچھ نہ کچھ خرابی پیدا ہوتی رہی اور وسائل ضائع ہوتے رہے ہیں۔

۸۔ سیاسی عدم تعاون:

سیاستدان جو مینڈیٹ لے کر آتے ہیں اس کے مطابق ترجیحات نہیں رکھتے تھے جس سے تعلیم بھی کافی خسارے میں رہی اور منصوبے ناکام ہوتے رہے۔

۹۔ اساتذہ کا غیر حاضر رہنا:

مدارس سے اساتذہ بہت زیادہ غائب رہتے تھے۔ بچے اور والدین بددل ہو کر بچوں کو مدرسہ سے اٹھالیتے تھے۔

۱۰۔ تقرر و تبادلہ میں ناانصافی:

میرٹ پر تقرر و تبادلوں کے نہ ہونے کی وجہ سے تعلیمی ادارے تباہی کا شکار ہیں۔

۱۱۔ نامناسب تربیت:

اساتذہ اور پراجیکٹ کے منیجروں کی صحیح طور پر تربیت نہ کی گئی جس سے منصوبے ناکام ہوتے رہے۔

۱۲۔ فنڈز میں بے قاعدگی:

منصوبوں کو چلانے کے لیے جو فنڈز جاری ہوتے تھے ان کی مناسب جانچ پڑتال کا کوئی نظام نہ تھا جس سے جاری منصوبوں کے کام میں خلل پڑتا رہا۔

۱۳۔ مدارس کی تعداد میں زیادتی:

مدارس ناقص اور غیر آباد جگہوں اور علاقوں سے دور کھولے جاتے رہے جس کی وجہ سے علاقے کے طلبہ کا وہاں پر پہنچنا مشکل ہوتا ہے۔ نیز کتنے مقامات پر قریب کے فاصلے پر کئی مدارس کھلے ہوئے تھے ابھی فوجی حکومت نے آتے ہی سروے کرایا اور بہت سے فالتو ادارے بند کروا دیے۔

۱۴۔ اساتذہ کی بیکاری:

اساتذہ سے بہتر کام لیا جانا چاہیے تھا اس کے لیے کوئی نظام وضع نہ کیا گیا۔ کہیں اساتذہ کی بہتات تھی تو کہیں بغیر اساتذہ کے مدارس چل رہے تھے۔ سیاسی بنیادوں میں کثیر تعداد میں اساتذہ بھرتی کر لیے گئے۔ مدارس اور طلبہ کا تناسب ۱:۲۱ یعنی ہر ۲۱ طالب علم پر ایک استاد مقرر تھا۔ جب کہ ۴۰ طلباء کے لیے ایک استاد مقرر ہونا چاہیے۔ نیز کثیر جماعتی تدریس میں تقریباً ۲۰۰ طلباء کی مدرسہ کے اعتبار سے ۲ مدرس ہونے چاہئیں۔ اس طرح تناسب ۱:۱۰۰ بنتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ۱:۲۱ اساتذہ کے ضیاع کو ظاہر کرتا ہے۔ تمام اعداد و شمار ۱۹۴۷ء سے لے کر ۲۰۰۰ء تک خواندگی کا پروگرام زبوں حالی کا شکار رہا ہے اسی لیے ایشیا کے دو ممالک کے علاوہ باقی تمام ممالک کے مقابلہ میں ہماری شرح خواندگی کم ترین ہے تجزیہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی ذمہ داری حکومت، اہلکار، اساتذہ اور معاشرے کے بھی افراد پر عائد ہوتی ہے۔ جب تک سب مل کر نہیں سوچیں گے خواندگی کی شرح میں اضافے کے امکانات روشن نہیں ہوں گے۔

◆◆◆

یونٹ نمبر ۱۷

رسمی اور غیر رسمی تعلیم

فطری اعتبار سے تعلیم کی دو ہی اقسام ہیں۔

۱۔ **غیر رسمی تعلیم:۔**

غیر رسمی تعلیم بچہ آغوش مادر سے شروع کر کے گھر کے اندر، باہر اور معاشرے میں طبعی عمر کے پانچویں سال تک حاصل کرتا ہے۔ جسے ہم پری۔ پرائمری (Pre-Primary) تعلیم کہتے ہیں۔

۲۔ **رسمی تعلیم:۔**

پانچ سال کی طبعی عمر گذارنے کے بعد پاکستان میں بچے کو رسمی تعلیم میں شامل کر دیا جاتا ہے۔ جب کہ حکومت قومی تقاضوں کے مطابق تعلیم کا ایک ہی نظام مرتب کرتی ہے۔ جس کا ابتدائی حصہ درجہ پرائمری ہوتا ہے۔ تعلیم کا ایک نصاب قومی سطح پر تیار ہوتا ہے۔ جس کے مطابق درسی مواد، مدرس کی تربیت اور تعلیمی مشاغل کی تیاری کی جاتی ہے۔ ان بنیادوں پر بچوں کی رسمی تعلیم کا آغاز ہوتا ہے۔

تعلیم کے مدارج کا آغاز رسمی تعلیم کی پرائمری کی سطح سے ہوتا ہے۔ مشاہدات و تجربات کی روشنی میں ماہرین تعلیم نے غیر رسمی تعلیم کی بلحاظ طبعی عمر درجہ بندی کی ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

اوپر دیے گئے تقابلی جائزے کے مطابق ہمیں رسمی اور غیر رسمی تعلیم میں واضح فرق ملتا ہے۔

غیر رسمی تعلیم کا پس منظر:۔

پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں پاکستان کی شرح خواندگی

۴۷٪ اور ناخواندگی کی شرح ۵۳٪ ہے۔ ملک کی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی وسائل میں کمی، غربت، افلاس اور بے روزگاری جیسے مسائل میں اضافے کا سبب بن رہی ہے۔ انہی مسائل کے سبب ملک کی کمزور معیشت معاشرتی کشمکش اور فرقہ واریت میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔

انہی حالات کے پیش نظر جہاں ملکی معیشت اس قدر دگرگوں ہے وہاں حکومت ہر سال تعلیم کے بجٹ میں بھی کمی کر رہی ہے۔ چونکہ ہم جزوی مطالعہ کر چکے ہیں کہ پرائمری تعلیم بھی ملک کی ترقی میں کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ لہٰذا اس وقت اسی قسم کا نظام تعلیم رائج کرنے کی ضرورت ہے۔ مالی وسائل اور انسانی وسائل کا زیادہ سے زیادہ استعمال ہو رہا ہے۔ اس لیے غیر رسمی نظام تعلیم ہی وہ ذریعہ ہے، جس سے ہم شرح خواندگی بڑھا سکتے ہیں۔

غیر رسمی تعلیم کے مدارج:

غیر رسمی تعلیم ماں کی گود میں ہو رہی ہوتی ہے۔ رسمی تعلیم گھر سے باہر نکل کر کسی مربوط و منظم دائرے میں رہتے ہوئے جاری ہوتی ہے۔ بچہ چونکہ ڈھائی سال تک ماں کا دودھ پیتا ہے۔ اس لیے وہ ماں کے ساتھ بہت زیادہ منسلک رہتا ہے۔ ماں کا دودھ چھوڑنے کے بعد وہ ماں کی گود سے جدا ہوتا ہے اور زمانے کی آغوش میں آجاتا ہے۔ اس وقت سے رسمی تعلیم کے مدارج شروع ہو جاتے ہیں۔

غیر رسمی تعلیم کے مدارج کی تقسیم عمر کے لحاظ سے کی گئی ہیں۔ کیونکہ تعلیم کے عمل میں ذہنی وطبعی دونوں عمریں نہایت اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ ماہرین تعلیم نے تحقیقات کے بعد جو مدارج متعین کیے ہیں۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

درجہ طفلی نرسری (Nursery):

اس درجے کی ابتدائی عمر ۳ سال ہے۔ والدین خود اس درجے کی تعلیم کا اہتمام کرتے ہیں۔ اس درجے کی تعلیم کے عمل کے لیے منصوبہ بندی کرنے والوں میں دو شخصیات نہایت مقبول ہیں۔ اول (Montesory) دوئم (Frobel) جدید دور میں جرمنی میں Jean Piaget نے

اپنے بچوں پر تجربہ کر کے ایک جدید نظریہ پیش کیا جسے (Conceptual Learning) تصورات کی آموزش کہتے ہیں۔

درجہ ابتدائی پرائمری (Primary) یا (Elementary):

اس درجہ کی عمریں بالعموم ۵ سال سے ۱۰ سال تک ہیں لیکن چونکہ ہر پرائمری سکول میں ایک کچی کلاس بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ عمر بڑھ جاتی ہے۔ کچھ ممالک مثلاً جاپان میں ابتدائی عمر ۷ سال ہے۔ امریکہ اور برطانیہ میں کہیں کہیں ۶ سال ہے۔ اس درجہ سے بلحاظ عمر طلباء کی جماعت بندی شروع ہو جاتی ہے۔ اس درجہ پر خواندگی مکمل ہو جاتی ہے۔

پرائمری تعلیم کی اہمیت:

خواندگی سے انسان پڑھنا لکھنا جانتا ہے لیکن خواندگی کا معیار پرائمری درجہ بندی کی تعلیم کو رکھا گیا ہے اس شخص کو خواندہ تصور کیا جائے گا۔ جس نے کم از کم پرائمری تک تعلیم حاصل کی ہو اس کی وجوہات درج ذیل ہیں۔

معاشرے کی ضرورت:

تعلیم انسان کو بھرپور زندگی گذارنے کی سہولت مہیا کرتی ہے۔ اس طرح تعلیم یافتہ فرد پرائمری کی سطح تک علم حاصل کرنے کے بعد معاشرتی انداز کو سمجھنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ اس طرح ان میں معاشرے کی روایات واقدار کے پاسبان بننے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اپنا نقطہ نظر اپنے مشاہدات، تجربات اور ماحول کی کیفیات کو بہتر طور پر سمجھنے لگتے ہیں۔ معاشرے میں اپنا مقام پیدا کر کے معاشرے کی تعمیر میں مثبت کردار ادا کرتے ہیں۔ معاشرے کے لیے پیداواری صلاحیت کے حامل ہوتے ہیں جس سے معاشرہ تقویت حاصل کرتا ہے۔

معاشی ضرورت:

تعلیم کے ذریعے انسان اپنے مفاد میں کچھ قومی ہنر سیکھ کر نہ صرف اپنی معاشی حالت کو درست کر سکتا ہے بلکہ معاشرے پر بوجھ نہ بننے کے امکانات روشن ہو جاتے ہیں۔ اور وہ ملازمت

کی خاطر آوارہ نہیں پھرتا۔ بلکہ خود کفیل ہو جاتا ہے۔ نیز اس میں خود انحصاری اور خود اعتمادی بھی کچھ حد تک پیدا ہو جاتی ہے۔

مراعات کا شعور:

پرائمری درجے تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد انسان میں ایسا شعور پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے حقوق و فرائض کو سمجھ سکے۔ جو معاشرے اور حکومت سے اسے حاصل ہیں ان کا ادراک اسے ہونے لگتا ہے نیز دفتری امور کو نپٹانے کے لیے اسے محتاجی محسوس نہیں ہوتی۔ وہ ہر طرح کے فارم پُر کر لیتا ہے۔ قوانین اور ضابطوں کے مواد کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ اور ان سے اسے خود آگہی حاصل ہوتی ہے۔ بنک وغیرہ میں کھاتے کھول سکتا ہے سفر کے لیے ٹکٹوں پر ریزرویشن کروا سکتا ہے۔ یوٹیلیٹی بلوں کو پڑھ لیتا ہے۔ اگر کوئی کمی بیشی ہو تو متعلقہ حکام سے رابطہ کر کے مسائل حل کر لیتا ہے۔ بنکوں سے قرضہ کن مدوں میں حاصل ہوتا ہے۔ ان کا علم حاصل کر کے وہ مراعات سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

فرسودہ رسم و رواج سے نجات:

معاشرے یا خاندان میں جو قدیمی غیر ضروری رسوم و رواج غلط عقائد، توہمات وغیرہ سے کتب کا مطالعہ کر کے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ بلکہ معاشرے میں بھی اصلاحات تجویز کر کے معاشرے کو صحت مند معاشرہ یا خاندان بنا سکتا ہے۔

نظام حکومت کا فہم:

میڈیا یعنی ریڈیو، ٹیلیویژن، ٹیلیفون وغیرہ نے انسان میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے ہر قسم کی معلومات فراہم کرنا شروع کر دی ہیں۔ حکومتوں کا نظام ہر ملک کے لیے اہمیت کا حامل ہے۔ جمہوری اداروں اور جمہوری حکومت کے بنانے کا تقاضہ ہر ملک میں کیا جاتا ہے۔ انتخابات ہوتے ہیں۔ ووٹ ڈالے جاتے ہیں۔ پڑھا لکھا ہونے سے ہر شہری جمہوریت کے تصور کو بہتر طور پر سمجھتے ہوئے اپنے ووٹ کا صحیح استعمال کرتا ہے۔ جن ممالک میں خواندگی کی شرح بہت کم ہے

وہاں کے ناخواندہ عوام اپنے ووٹوں کا استعمال لوگوں کے لیے کرتے ہیں انھیں اپنی رائے کی اہمیت کا ادراک نہیں ہوتا۔ اس لیے ان ممالک میں جمہوری اقدار کو ترقی نہیں اور عوام ہر لحاظ سے پستی کی طرف چلے جا رہے ہیں۔ ۱۹۸۱ء میں مردم شماری کے مطابق ناخوندگی کی شرح کو مردوں، خواتین، شہری اور دیہی آبادی پر تقسیم کیا جائے تو درج ذیل خاکہ تیار ہوتا ہے۔

مجموعی	شہری	دیہی	مرد	خواتین	شہری مرد	شہری خواتین	دیہی مرد	دیہی خواتین
26.2%	47.1%	17.3%	35%	16.0%	55.3%	37.3%	26.2%	7.3%

غیر رسمی تعلیم کے مدارج:

غیر رسمی تعلیم کی تشریح کے ساتھ غیر رسمی تعلیم کے مدارج پر بحث ہو چکی ہے۔ لہٰذا اس کا اعادہ ضروری نہیں البتہ یہ جاننا ضروری ہے کہ غیر رسمی تعلیم کے مدارج طبعی عمر کے مطابق تعلیمی نفسیات کی بنیادوں پر مقرر کیے گئے ہیں تمام دنیا میں معمولی کمی بیشی کے ساتھ یہی مدارج ہر جگہ رائج ہیں۔ تعلیمی مدارج کے یونٹ میں غیر رسمی تعلیم کے مدارج کی تفصیل سے بحث ہو چکی ہے۔

◆◆◆

maablib.org

یونٹ نمبر ۱۸

خصوصی تعلیم

تعلیم انسان کا بنیادی حق ہے۔ ہمیں ان بچوں کی طرف بھی خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے جو غیر معمولی خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں۔ کیونکہ کمرہ جماعت میں ہر طبقہ اور ہر معاشرے کے مختلف طلباء کا گروپ ہوتا ہے۔ ہر بچہ انفرادی صلاحیتوں کا مالک ہوتا ہے۔ چنانچہ ان میں ایسے طلباء بھی ہوتے ہیں جو خصوصی صلاحیتوں کے حامل ہوتے ہیں۔ ان کی خصوصی صلاحیتیں درج ذیل عوامل کا نتیجہ ہوتی ہیں۔

۱۔ تعلیمی پس منظر: بچے کے خاندان کی تعلیمی کیفیت کا اثر ضرور ہوتا ہے۔
۲۔ نفسیاتی پہلو: ہر بچے کی ذہنی نفسیات ہوتی ہیں۔
۳۔ معاشرتی پہلو: ہر بچہ اس معاشرے کا اثر ہوتا ہے جس سے وہ آتا ہے۔
۴۔ اقتصادی پہلو: ہر بچے کی اقتصادی حالت اس کی شخصیت اور سوچ پر اثر انداز ہوتی ہے۔

چنانچہ خصوصی تعلیم درج ذیل مقاصد کے لیے دی جاتی ہے۔

۱۔ اس قابل بنانا کہ وہ ماحول سے مطابقت پیدا کر سکے۔
۲۔ روزمرہ کے حساب کتاب اور پڑھنے لکھنے کے قابل ہو جائے۔
۳۔ پیشہ ورانہ تربیت حاصل کرنے کے قابل ہو جائے۔
۴۔ جسمانی، ذہنی اور روحانی نشوونما۔
5۔ معاشرے کا فعال اور مفید رکن بن سکے۔

خصوصی بچوں کی تقسیم:

تعلیمی پروگرام میں شامل کرنے کے لیے خصوصی بچوں کو مختلف گروپوں میں تقسیم کیا گیا ہے جو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ذہین (Genius) بچے

۲۔ کم عقل (Syndrome Type) بچے

۳۔ مضطرب (Disturbed Type) بچے

۴۔ معذور (Handicapped) بچے

۵۔ مجرم (Criminal) بچے

عام مدارس میں مجرم بچوں کا مسئلہ سنجیدہ نوعیت کا ہوتا ہے۔ مدارس کو یہ جاننا چاہیے کہ بچے مجرم کیوں بن جاتے ہیں؟ وہ اسباب درج ذیل ہیں۔

۱۔ توارث (ورثہ میں جرائم پیشہ ہو جانا)۔

۲۔ والدین کا رویہ (غیر پسندیدہ، سخت اور بے لوچ رویہ)۔

۳۔ والدین کا مقام اور اقتصادی حالت۔

۴۔ سوتیلا پن۔

۵۔ والدین کی نا چاقی۔

۶۔ بری صحبت۔

۷۔ نقصان دہ عادت۔

۸۔ بڑی عمر کے لوگوں سے دوستی۔

۹۔ مدرسہ کی ناموزونیت۔

ایسے بچوں کے علاج کے لیے درج ذیل امور پر عمل کرنا چاہیے۔

۱۔ ابتدائی تربیت کا جائزہ۔

۲۔ اسباب کا جائزہ اور تجاویز۔

۳۔ معاشرتی کارکنوں کا تعاون۔

۴۔ جرائم کی نفسیات کا مطالعہ۔

۵۔ سزا اور علاج میں مطابقت۔

ماہرین نے مجرم بچوں کی شناخت کی کچھ علامات تحقیقی ذرائع سے معلوم کیں۔ جو واضح طور پر حسب ذیل ہیں۔

۱۔ غیر رسمی حرکات۔

۲۔ جنسی بے راہ روی۔

۳۔ جذبہ انتقام میں زیادتی۔

ذہنی طور پر جو بچے مجرم بن جاتے ہیں ان کے اسباب حسب ذیل ہو سکتے ہیں۔

۱۔ ناسازگار خاندانی حالات۔

۲۔ مفلس گھرانے۔

۳۔ والدین کی بے جا سختی۔

۴۔ سوتیلا پن۔

۵۔ والدین کی ناچاقی۔

۶۔ فطری جبلتوں کی شدت۔

۷۔ بری صحبت۔

۸۔ گناہ اور جرم کی خاندانی روایات۔

۹۔ خاندانی ذہنی بیماریاں۔

۱۰۔ ناقص تربیت۔

خصوصی بچوں کی تعلیم و تربیت نہایت اہم مسئلہ ہے جسے مدارس کو کبھی فراموش نہیں کرنا

چاہیے۔ کلاس کا ایک ایسا بچہ کلاس کے سارے بچوں پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ تعلیمی پروگرام میں رکاوٹ یا خرابی کا باعث بن سکتا ہے۔ یہ ایک بہت سنجیدہ مسئلہ ہے۔ اس پر علیحدہ سے تفصیلی بحث ہو سکتی ہے۔ عام اساتذہ کے لیے بچوں کی ذہانت کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ ماہرین نے بچوں کی ذہانت ٹیسٹ کرنے کے لیے میزانیہ یا مقیاس (Scale) بنائے ہیں۔ ذہانت ٹیسٹ کرنے کے لیے تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۴ء میں فوجیوں کی بھرتی بڑے پیمانے پر کرنا پڑی تھی۔ انگلستان میں (Stanford Binet) نامی ماہر نفسیات نے رنگروٹ بھرتی کرنے کے لیے ذہانت کا پیمانہ تیار کیا لیکن وہ صرف فوجی بھرتی کرنے کے مقصد کے لیے تھا۔ بعد میں اور بہت سے ماہرین نفسیات نے تجربات کے ذریعے مختلف مقاصد کے لیے ذہنی آزمائش کے پیمانے تیار کیے۔ ترقی یافتہ ممالک میں تو ماہرین نفسیات عام طور پر ذہانت ٹیسٹ کرنے کے ماہر ہوتے ہیں۔ لیکن ہمارے ملک میں ابھی عام نہیں ہے۔ بڑے بڑے ماہرین نفسیات کے پاس ایسے ٹیسٹ ہوں گے۔ مرکز تحقیق و ترقی نصاب نے ۱۹۸۰ء میں تعلیم کے لیے ذہانت کی آزمائش کے ٹیسٹ کی ابتداء کی تھی۔ اس کے تجربہ پر کافی اخراجات آرہے تھے۔ اس لیے اس منصوبے کو ترک کر دیا گیا۔ ہم اپنے یہاں ذہانت کا اندازہ طالب علم کے امتحان میں حاصل کردہ نمبروں سے کرتے ہیں۔ جو بالکل غیر منطقی ہے۔

مقیاس ذہانت کو عام طور پر مختصراً I.Q لکھتے اور پڑھتے ہیں جس کا مطلب (Intelligent Quotient) ہے۔ چنانچہ ماہرین نے مقیاس ذہانت کی درجہ بندی کی ہے۔ اگر I.Q کا پتہ لگ جائے تو یہ جاننے میں آسانی ہوتی ہے کہ طالب علم کس کیٹیگری میں آتا ہے۔ یہ درجہ بندی ذاتی استعداد کے مطابق کی گئی ہے۔

طلباء کی تقسیم بلحاظ استعداد	مقیاس ذہانت	شرح
فطین (Genius) بچے	۱۴۰ سے اوپر	۱۴٪
ذہین اعلیٰ (Very Intelligent) بچے	۱۳۰ سے ۱۳۹	۲۵٪

ذہین (Intelligent) بچے	۱۴۰ ---- ۱۴۹	۰۸٪
اوسط سے اوپر (Above-Average) بچے	۱۱۰ ---- ۱۱۹	۱۶٪
متوسط (Average) بچے	۹۰ ---- ۱۰۹	۳۵٪
اوسط سے کم (Below-Average) بچے	۸۰ ---- ۸۹	۱۶٪
غبی (Morn) بچے	۷۰ ---- ۷۹	۰۸٪
احمق (Imbecile) بچے	۶۰ ---- ۶۹	۳۵٪
ضعیف العقل (Idiot) بچے	۵۹ اور کم	

خصوصی بچوں کی تخصیص اسی پیمانے کے مطابق کی جاتی ہے۔ ۵۹ تا ۵۵ سے کم بچے (Sayndrome) کہلاتے ہیں۔ انھیں نہ اپنے اعضاء پر کنٹرول حاصل ہوتا ہے نہ منھ پر۔ منھ سے رال ٹپکتی رہتی ہے۔ بول و براز بھی چلتے پھرتے خارج کرتے رہتے ہیں لیکن ان کا علاج ہوتا ہے۔ یہ تعلیم کے دھارے میں بھی شامل کیے جاتے ہیں ان کی تعلیم بہت مہنگی ہوتی ہے۔ ایک کلاس میں صرف تین بچے ہوتے ہیں۔ ان کا استاد خصوصی تربیت کا حامل ہوتا ہے۔ آسٹریلیا میں نیوساؤتھ ویلز کے گاؤں Dubbo میں (Dubbo West Heaven Public School) قائم ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس ادارے کے ساتھ ایک صنعتی کارخانہ ہے جو بڑی بڑی فیکٹریوں سے فالتو اشیاء منگا کر بچوں کو تربیت دینے کے بعد ان اشیاء سے کارآمد اشیاء فروخت کر کے بیرون ملک تجارت کرتے ہیں۔ دوسرے ممالک سے ٹھیکے بھی حاصل کرتے ہیں۔ جو بچے نارمل ہو جاتے ہیں ان کی کھپت انہی اداروں میں ہو جاتی ہے۔ اور وہ ایک پروقار زندگی گذارنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ جو اپنے والدین کے پاس جانا چاہتے ہیں انھیں مدرسہ سے فارغ کر دیا جاتا ہے لیکن ادارے کا رابطہ ایسے بچوں سے باقاعدہ رہتا ہے۔ نیز ان کا ریکارڈ باقاعدگی سے تیار ہوتا رہتا ہے تاکہ اگر کوئی سنجیدہ عارضہ لاحق ہو تو وہ علاج تجویز کر سکیں۔ اس ادارے کے تمام

اخراجات حکومت، مخیر حضرات اور بچوں کے صاحب حیثیت والدین پورا کرتے ہیں۔ ورنہ رہائش، تعلیم، تربیت، خوراک، لباس بھی سہولتیں ادارے کی طرف سے بلا معاوضہ دی جاتی ہیں۔ ہوسٹل میں ہر بچے کے لیے ایک اعلیٰ تربیت یافتہ نرس ٹیچر متعین ہوتی ہے۔ اکثریت خواتین ہی اساتذہ ہوتی ہیں کیونکہ بچوں کی نفسیات مردوں کے مقابلہ میں خواتین زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتی ہیں۔ لیکن عمر کے لحاظ سے ۳۰۔۳۵ سال سے کم کی خواتین ایسے اداروں میں تعینات نہیں کی جاتیں۔

◆◆◆

maablib.org

یونٹ نمبر ۱۹

فنی و سائنسی تعلیم

سائنسی تعلیم مدارس میں ڈاکٹری اور انجینئرنگ کے لیے حاصل کی جاتی تھی۔ عام طور پر یہی تاثر تھا کہ سائنسی تعلیم حاصل کر کے ڈاکٹر اور انجینئر بنا جا سکتا ہے۔ تعلیم کا رواج رسمی تعلیم نہیں تھا۔ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد صرف دو ٹیکنیکل ادارے ہمیں ملے تھے۔ ایک گورنمنٹ ٹیکنیکل ہائی سکول خوشاب میں تھا۔ دوسرا گورنمنٹ ٹیکنیکل ہائی سکول سابقہ ریاست بہاول پور میں تھا۔ ان اداروں میں طلباء سائنس کے علاوہ ٹیکنیکل تعلیم بھی حاصل کرتے تھے۔ بعد میں سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی اور ایجاد نے ماہرین کو یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ ٹیکنیکل تعلیم کو وسعت دی جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے شریف کمیشن کی سفارش کے مطابق گورنمنٹ پولی ٹیکنیک ادارے کا قیام راولپنڈی میں ۶۰۔۱۹۵۹ء میں عمل میں آیا۔ اس کے بعد ان کا معیار بڑھتے بڑھتے ڈپلومہ کی بجائے ڈگری کی سطح تک پہنچ گیا۔ ساتھ ہی ساتھ تعداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا ہے۔

طلباء چونکہ میٹرک کے بعد ٹیکنیکل ادارے میں داخل ہوتے تھے لہٰذا یہ محسوس کیا گیا کہ اس تعلیم کو مڈل اور پرائمری تک کی سطح پر بھی لایا جائے۔ چنانچہ ملکی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے زراعت، بجلی اور لکڑی کے کام کی تربیت دی جانے لگی۔ طالبات کو ہوم اکنامکس کی، کامرس کی تعلیم لڑکے اور لڑکیوں دونوں کے لیے عام کر دی گئی۔ اسی منصوبے کے ساتھ پائلٹ سکول کھولے گئے۔ جہاں طلباء کو لکڑی، لوہا، بجلی اور کامرس اور لڑکیوں کے لیے ہوم اکنامکس، عام تعلیم سے ہٹ کر فنی و سائنسی تعلیم کا شعبہ انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ دنیا میں تہذیب کے ارتقاء اور صنعتی انقلاب کے ساتھ زندگی کے تمام شعبوں میں انقلاب برپا ہو گیا ہے۔ مشینی دور سے نکل کر اب انسان ایٹمی

دور میں داخل ہو گیا ہے۔ چاند میں چرخہ کاتنے والی بڑھیا گم ہو گئی ہے کیونکہ انسان کے پاؤں چاند پر بھی پہنچ چکے ہیں۔ چنانچہ سائنسی وفنی ایجادات نے ترقی پذیر اور غیر ترقی یافتہ ملکوں کے لوگوں میں ایک پہچان پیدا کر دی ہے۔ علم کی تمام شاخیں سائنسی وفنی تعلیم کے پس پشت چلی گئی ہیں کمپیوٹر نے انقلاب برپا کر دیا ہے۔ چنانچہ حکومت پاکستان نے سائنسی وفنی تعلیم کی ایک وزارت ہی علیحدہ بنا دی ہے۔ نئی نئی تحقیقات اور ایجادات ہو رہی ہیں۔ چنانچہ ہمارے نظام تعلیم میں بھی عام سائنسی مضامین سے ہٹ کر پہلے ہوم اکنامکس، زراعت کے مضامین شامل ہوئے یہ سکول کی سطح کی بات ہے۔ اعلیٰ سطح پر تو بہت سے علوم پہلے ہی شامل ہو چکے ہیں۔ اب سکول کی سطح پر کمپیوٹر کی تربیت بھی عام ہوتی جا رہی ہے۔ چنانچہ سائنسی وفنی تعلیم نے بے شمار پیشوں کو جنم دیا ہے اور استاد کی جہاں عام تربیت ہوتی تھی اب ٹیکنیکل ٹیچر بھی سائنس ٹیچر کے ساتھ بھرتی کیے جانے لگے ہیں۔ ان کی بھی تربیت عام اساتذہ سے ہٹ کر ہوتی ہے۔ وہ وقت دور نہیں جب پرائمری سطح پر بھی سائنس اور ریاضی کے مضامین میں جلد از جلد نمایاں تبدیلیاں لائی ہوں گی اور اساتذہ کو بھی اپنی بقا کے لیے ٹیکنیکی مضامین کی تدریس کے لیے ٹیکنیکی مہارت حاصل کرنا ہوگی۔ دنیا کے بیشتر ملکوں میں پرائمری سطح پر اس قسم کی تبدیلیاں آ چکی ہیں اور پرائمری کے طلبا ہمارے نصاب سے مختلف نصاب تعلیم پڑھ رہے ہیں۔ کیونکہ ان ملکوں میں فنی وسائنسی ترقی کی رفتار بہت تیز ہے۔

ملائشیا کے پی۔ ٹی۔ سی نصاب میں ایک مضمون ماس کمیونیکیشن میڈیا (Mass Communication Media) پڑھایا جاتا ہے۔ کالج میں شعبے بنے ہوئے ہیں۔ اساتذہ کو سکرپٹ لکھنے اور انھیں ریکارڈ کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ آج سے ۲۰ سال قبل وہاں T.V پر تعلیم کے ۱۳ چینل چلتے تھے جو ملک میں بولی جانے والی تقریباً تمام زبانوں میں چلتے تھے۔ ابھی ہم فنی تعلیم میں بہت پیچھے ہیں۔ صاحب تحریر نے ۱۹۶۴ء میں امریکن فوٹوگرافی ٹیکنالوجی کی تربیت ایک امریکی ماہر سے حاصل کی تھی جس کا اس وقت ہمارے ملک میں نام ونشان بھی نہیں ہے۔

ہوم اکنامکس اور کامرس کے مضامین رائج کر دیے۔ ایگرو ٹیک کا منصوبہ بوجوہ ناکام

ہو گیا۔ پائنٹ سکولوں کا منصوبہ بھی ناکام رہا۔ تاہم ٹیکنیکل تعلیم سرکاری اداروں کے علاوہ نجی اداروں میں بھی عام ہو گئی۔ اسے اس قدر وسعت حاصل ہوئی کہ بورڈ آف ٹیکنیکل ایجوکیشن علیحدہ سے قائم کر دیئے گئے۔ جدید دور کو اگر ٹیکنالوجی کا دور کہا جائے تو غلط نہ ہوگا اور ٹیکنیکل تعلیم نے عوام میں بہت پذیرائی حاصل کی ہے یہ وقت کا اہم تقاضا ہے۔

اسی طرح زرعی و صحت حیوانات کی تعلیم کا صرف ایک ادارہ ملک میں تھا زرعی تعلیم کے لیے موجودہ فیصل آباد اور صحت حیوانات کا ادارہ صحت گرلا ہور میں قائم تھا۔ ان دونوں علوم نے اس قدر ترقی کر لی ہے کہ یہ دونوں ادارے یونی ورسٹی کا درجہ حاصل کر چکے ہیں اور ساتھ ہی اس شعبے میں بھی کئی ادارے کھل چکے ہیں۔

◆◆◆

maablib.org

یونٹ نمبر ۲۰

پیشہ ورانہ تعلیم

سائنس اور فن کے اس دور میں اب ہر پیشہ کے لیے تربیت ضروری ہے۔ اساتذہ کی تربیت مدارس کی نوعیت کو دیکھ کر کی جاتی ہے کیونکہ پہلی تفریق میڈیم کی ہوتی ہے۔

۱۔ اردو میڈیم

۲۔ انگریزی میڈیم

دوسری تفریق دورانیے کی ہوتی ہے۔

۱۔ کنڈرگارٹن (نرسری)

۲۔ پرائمری (ایلیمنٹری)

۳۔ سیکنڈری (ثانوی)

۴۔ کالج (یونی ورسٹی)

۵۔ ٹیکنیکل

۶۔ پیشہ ورانہ حیثیت ڈاکٹر، انجینئر، وکیل، کلرک وغیرہ۔

تیسری تفریق طلباء کی نوعیت ہوتی ہے۔ مقصد

۱۔ عام بچے

۲۔ کند ذہن بچے

۳۔ مخصوص بچے یعنی گونگے، بہرے

۴۔ خصوصی بچے (نہایت ذہین بچے)

۵۔ معذور بچے (جسمانی طور پر معذور)

ہمارے ملک میں ان تمام اقسام کے بچوں کی تعلیم کے لیے اساتذہ کی تربیت کا اہتمام ہے۔ لیکن کچھ پیشہ ورانہ تربیت بہت مہنگی ہونے کی وجہ سے عام نہیں ہے۔ نیز اس کے لیے کچھ شرائط عام طور پر پوری نہیں کر پاتے مثلاً کند ذہن، فطین یا معذور بچوں کے لیے ماہرین نفسیات اور بڈی کے ڈاکٹرز ہوتے ہیں۔ جنھیں تربیت دی جاتی ہے۔ عام تعلیم کے میدان میں پیشہ ورانہ تربیت کا اہتمام اس طرح ہے۔

۱۔ نرسری کے لیے مانٹیسوری ٹریننگ کورس جس کے لیے میٹرک کا ہونا ضروری ہے۔

۲۔ پرائمری کے لیے (P.T.C) ٹریننگ جس کے لیے میٹرک سائنس یا آرٹس کا ہونا ضروری ہے۔

۳۔ مڈل کے لیے (C.T) جس کے لیے ایف اے یا ایف ایس سی کا ہونا ضروری ہے۔

۴۔ ثانوی کے لیے (B.Ed) یا (M.Ed) ، (M.A) جس کے لیے کم از کم (B.A) یا (B.Sc) کا ہونا ضروری ہے۔

۵۔ (Ph.D) ایجوکیشن بھی جاری ہے۔ جس کے لیے (M.Ed) یا ، (M.A) (M.Ed) کا ہونا ضروری ہے۔ تدریسی تجربہ ہونا بھی ضروری ہے۔

یہ تمام امتحانات ثانوی تعلیمی بورڈ، محکمہ تعلیم، یونی ورسٹیاں اور اوپن یونی ورسٹیاں بھی لیتی ہیں۔ غیر رسمی نظام تعلیم میں اساتذہ کو مختصر تربیت ماہرین تعلیم دے کر ان کی تدریس کی نگرانی کرتے ہوئے (On-Job) ٹریننگ کا اہتمام کرتے رہتے ہیں نیز غیر سرکاری تنظیمیں ان اساتذہ کے لیے مختصر دورانیہ کے کورسوں کا اجراء کرتی رہتی ہیں۔

پیشہ اور ملازمت:

ملازمتیں عام ہیں لیکن نوعیت کار کے اعتبار سے ان ملازمتوں کو حاصل کرنے کے لیے پیشہ ورانہ تعلیم و تربیت درکار ہوتی ہے۔ خواہ کسی دفتر سے ہی کیوں نہ ہو تربیت ضروری ہے۔ نوعیت کار کے اعتبار سے بے شمار پیشے جن کا تعلق صنعت، تجارت، فنون، لطیفہ، دست کاری، میڈیکل،

انجینئرنگ، وکالت، فن تعمیر، باغبانی، فن حرب وغیرہ سے بے وجود میں آ چکے ہیں۔ بلکہ ان پیشوں کی بھی مختلف شاخیں نکل آئی ہیں۔ لیکن ان پیشوں کے لیے رسمی یا غیر رسمی طور پر تربیت لینا ہوتی ہے لہٰذا پیشہ ورانہ تعلیم کے شعبے کا قیام نہایت ضروری ہوتا ہے۔ ان تمام پیشوں کی تربیت کا اہتمام کرنے کے لیے حکومت میں مختلف شعبے کام کر رہے ہیں۔ چنانچہ اساتذہ کی تربیت کا اہتمام حکومت کا شعبہ تعلیم کرتا ہے۔ ماہرین تعلیم طے کرتے ہیں کہ تربیتی اداروں کا نصاب کیسا ہو۔ تربیت کا دورانیہ کتنا ہو۔ تربیت کے لیے شرائط داخلہ کیا ہوں۔ تربیتی ادارے کس سطح اور معیار کے ہوں اور انھیں اجراء کرنے کا مقام کون سا ہو وغیرہ وغیرہ۔

معذور بچوں کی تعلیم:

معذور بچوں کی تعلیم کے لیے مخصوص ادارے ہوتے ہیں۔ جو بچوں کے لیے ہسپتال، سکول اور رہائش کا کام کرتے ہیں۔ باہر کے ملکوں کو ان اداروں کے لیے مخیّر حضرات بہت فنڈ دیتے ہیں۔ یہ ادارے بہت کامیابی کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ لیکن ہمارے جیسے ترقی پذیر ممالک میں وسائل کی کمی اور عوام میں کم آگہی کی وجہ سے اس قسم کے گنتی کے چند ادارے ہیں۔ جہاں معذور بچوں کی تعلیم کے لیے اساتذہ تیار کیے جاتے ہیں اور وہ بچوں کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کرتے ہیں۔ ہمارے ملک میں غیر سرکاری تنظیمیں نہایت سرگرم عمل ہیں۔ وہ وسائل تلاش کر کے ان اداروں کی معاونت کرتی رہتی ہیں۔

ایسا ہی ایک ادارہ بحالی معذوراں کے نام سے فیروز پور روڈ اچھرہ کے قریب لاہور میں بطور ہسپتال کام کر رہا ہے۔ ذہنی و نفسیاتی مسائل کے شکار بچوں کے لیے فاؤنٹین ہاؤس پنجاب سیکرٹریٹ کے قریب لاہور میں کام کر رہا ہے۔ قیام پاکستان کے وقت پاکستان میں واحد ادارہ بحالی معذوراں نابیناؤں کے لیے سابقہ ریاست بہاول پور میں قائم تھا۔ رفتہ رفتہ اس طرز کے کئی ادارے ملک کے بڑے شہروں میں کھل چکے ہیں۔ اب اساتذہ کی تربیت گاہیں بھی وجود میں آ گئی ہیں۔ معذوروں کی بحالی کے لیے ریڈ کریسنٹ تنظیم بھی کافی کام کر رہی ہے۔

معذوروں کی تعلیم کا شعبہ بالکل مختلف اور اپنی طرز کا منفرد شعبہ ہوتا ہے۔ نابینا افراد کے لیے بریل سسٹم (Brail System) کے مطابق کام ہوتا ہے۔ اس کا نصاب بھی اپنا مخصوص ہے۔ نیز مخصوص طرز کی کتابیں تیار کی گئی ہیں۔ اب نابینا افراد تعلیم و تربیت کے بعد تقریباً ہر طرح کے فنی، ٹیکنیکی اور دفتری امور سرانجام دے سکتے ہیں۔ اسی طرح گونگے اور بہرے افراد کے لیے بھی رسمی تعلیم کے ادارے سرگرم عمل ہیں۔ ان اداروں میں بہت سے دیگر فنون اور صنعت گری کی تربیت بھی دی جاتی ہے۔ تاکہ یہ بچے بھی معاشرے میں شامل ہو کر برابر تعمیری کردار ادا کر سکیں۔

ہمارے ملک میں ناخواندگی اور تعلیم کے عام نہ ہونے کے سبب بیشتر لوگ ان معذور افراد کو معاشرے سے جدا افراد سمجھ کر نظرانداز کر دیتے ہیں۔ حالانکہ تعلیم و تربیت کے بعد ایسے افراد عام شہریوں کی طرح ہر قسم کی ذمہ داریوں کو نباہ لیتے ہیں۔ اب تو نابیناؤں کے لیے کرکٹ میچ تک بین الاقوامی سطح پر ہونے لگے ہیں۔ ہاتھ پاؤں سے معذور افراد کے لیے دوڑ کے مقابلے بھی ہونے لگے ہیں۔

مدرس کا اخلاقی فرض ہے کہ مدرسہ میں کوئی بھی معذور بچہ طالب علم ہو تو اس سے شفقت سے پیش آئیں۔ نہ کہ اس کا کوئی قابل نفرت نام رکھیں۔ نہ اس کے ساتھیوں کو کسی نفرت و بدلفظ کے ساتھ پکارنے دیں نیز والدین کو ہدایت کریں کہ وہ بھی ایسے بچوں کو کسی بگڑے ہوئے نام سے مخاطب نہ کریں۔ جیسے ٹنڈا، منڈا، بھینگا، لنگڑا، بیبی وغیرہ۔ عام طور پر ناخواندہ لوگوں میں یہ کہاوت مشہور ہے کہ بیبی کی ایک حس زیادہ ہوتی ہے۔ یہ غلط اور اخلاق سے گری ہوئی سوچ ہے۔ اس کے پیچھے حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنی کسی مخلوق سے کوئی نعمت یا صلاحیت لیتا ہے تو اس کے بدلے میں اسے زندگی گذارنے کے لیے متبادل نعمت سے نوازتا ہے۔ یہی اللہ کی کرم نوازی ہے۔ ان معذور افراد کی حس لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ ہوتی ہے۔

◆◆◆

یونٹ نمبر ۲۱

ماحولیاتی تعلیم

تعارف:۔

اس وقت انسان کو جن مسائل کا سامنا ہے ان میں ماحولیاتی آلودگی سرفہرست ہے۔ آلودہ ہوا نہ صرف بیماریاں پیدا کرتی ہے بلکہ یہ موت کا باعث بھی ہوسکتی ہے۔ جب کہ آلودہ پانی آبی مخلوق کی نسل کشی کا سبب بن رہا ہے۔ زمینی آلودگی زمین کی پیداواری صلاحیت کو کم کرتی ہے اور زمین کو بدصورت بنادیتی ہے۔ اگر ہم فطرت کے قوانین پر عمل پیرا ہوں تو ہم ماحول کی آلودگی کو کافی حد تک کم کرسکتے ہیں۔ دنیا کو اس کی فطری خوبصورتی میں بدل کر ہی زمینی حیات کو خطرات سے بچایا جاسکتا ہے۔ ہمیں جانوروں اور پرندوں کی ہر ہر قسم کو بچانا ہوگا۔ یہ سب کرنے کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں کے اندر ماحول سے متعلق شعور اور آگاہی پیدا کی جائے اس کے لیے ماحولیاتی تعلیم اشد ضروری ہے۔

مفہوم:

ماحولیاتی آلودگی کا مطلب فضائی مرکبات کے توازن کا بگڑنا ہے۔ ماحول کی یہ ناخوشگوار تبدیلی طبیعیاتی، کیمیائی اور حیاتیاتی تبدیلیوں کی وجہ سے ہے جو کہ زمینی حیات کے لیے نہایت نقصان دہ ہے۔

آلودگی کی اقسام:

۱۔ ہوائی آلودگی

۲۔ آبی آلودگی

۳۔ صوتی آلودگی

۴۔ زمینی آلودگی

ہوائی آلودگی (Air Pollution):۔

آلودہ ہوا، صاف ہوا کو زہریلی گیس میں تبدیل کر دیتی ہے جو کہ صحت کے لیے نہایت نقصان دہ ہے اور جانوروں اور پودوں کی حیات کا خاتمہ کرتی ہے۔ لوگ ہر سال فضا میں لاکھوں ٹن گیس اور دوسرے نامیاتی ذرات خارج کرتے ہیں۔ ہوا کی آلودگی کی سب سے خام شکل (Smoke) دھویں اور دھند کا مرکب ہے۔ عام طور پر ہوا کی آلودگی جلنے کے عمل سے پیدا ہوتی ہے۔ گیسولین اور کوئلے کے جلنے کی وجہ سے ہوا میں آلودہ مرکبات شامل ہوتے ہیں۔ یہ بے رنگ زہریلی گیس سے لے کر گہرے کالے دھویں کی شکل میں ہو سکتے ہیں۔ موسمی کیفیتیں ہوا میں آلودگی کی مقدار کو کم کرتی ہیں، بارش اور برف باری ہوا میں موجود آلودگی کو ختم کرتی ہیں لیکن کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ آلودگی اس تیزی سے پھیلتی ہے کہ موسمی حالات بھی اسے ختم نہیں کر پاتے۔ مثال کے طور پر روزانہ ہزاروں گاڑیاں، موٹر کاریں، فیکٹریاں، فرنس فضاء میں کئی ٹن آلودگی خارج کرتی ہیں اس کے علاوہ ہوائی آلودگی میں نیوکلیئر ریڈی ایشن اور تھرمل آلودگی شامل ہے۔

صدیوں سے یورپ اور لاطینی امریکہ کے ممالک خطرات کو آلودہ کر رہے ہیں اور جدید زندگی کی سہولتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ اس کے برعکس ہمارے پاس سانس لینے کے لیے صاف ہوا، رہنے کے لیے صاف ماحول اور پینے کے لیے صاف پانی تک دستیاب نہیں ہے اور نہ ہی مستقبل قریب میں ہم آلودگی سے پاک فضا اور صاف پانی حاصل کر سکتے ہیں۔

آبی آلودگی (Water Pollution):۔

آبی آلودگی دریاؤں، سمندروں، نہروں، پینے کے پانی اور عام گھریلو استعمال کے پانی کے آلودہ ہو جانے کو کہتے ہیں۔ یہ آلودگی فیکٹریوں، کارخانوں، فارموں اور سیوریج کے غیر موثر نظام کی وجہ سے ہوتی ہے۔

ہر سال کیمیکل فیکٹریاں اور کارخانے دریاؤں، سمندروں اور نہروں کے پانی میں ضائع شدہ مواد کی ایک بہت بڑی مقدار کا اخراج کرتے ہیں۔ اس مواد میں کیمیکلز، جانوروں اور

maablib.org

پودوں کے فضلات اور کئی دوسرے نامیاتی مرکبات شامل ہیں۔ فارموں کے ضائع شدہ مواد میں جانوروں کا فضلہ، کھادیں اور کیڑے مار ادویات شامل ہیں جو کہ فارم سے ملحقہ پانی میں شامل ہو جاتی ہیں۔ سیوریج سسٹم میں گھروں، دفاتر ورفیکٹریوں کی آلودگی پانی میں شامل ہو جاتی ہے اور پانی آلودہ کر دیتی ہے۔ اگر چہ شہروں میں ٹریٹمنٹ پلانٹ لگے ہوئے ہیں۔ جو خطرناک مواد کو صاف کرتے ہیں جب کہ صاف ہونے والا گزرا پانی بھی دوسرے پانی کو آلودہ کر دیتا ہے۔

ایک سروے کے مطابق ۷۵٪ پینے والے پانی کے نمونوں میں خطرناک مواد شامل ہے۔ زرعی زمینوں میں ڈالی جانے والی کھادیں زیر زمین پانی میں شامل ہو کر پینے والے اور گھریلو استعمال کے پانی کو آلودہ بنا رہی ہیں۔ سائنسدانوں کے محتاط اندازے کے مطابق تقریباً ۳۰ فیصد بیماریاں جن میں ہیضہ، ٹائیفائیڈ، اسہال، جلدی خارش اور یرقان گندے پانی کا سبب ہیں۔ ہر سال ۷ فیصد بچے اپنی ابتدائی عمر میں ہی آلودہ پانی کی بیماریوں سے موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ کھادوں کا بکثرت استعمال زمین میں سیم وتھور کا سبب بن رہا ہے۔

صاف اور آلودگی سے پاک پانی ہر جاندار کا بنیادی حق ہے۔ جب کہ پاکستان کے اندر صاف پانی کے ذرائع محدود ہیں۔ زیادہ تر پانی کو صاف کیے بغیر ہی استعمال میں لایا جاتا ہے اور مستقبل میں یہی آلودگی ہماری آنے والی نسلوں کے لیے نقصان کا باعث بن سکتی ہے۔

آبی آلودگی کی وجوہات:

۱۔ ضائع شدہ مواد کا دریاؤں، سمندروں، ندی نالوں اور جھیلوں میں تلف کرنا۔

۲۔ پائپ لائنوں کے جوڑوں پر سیسہ (Lead) کا استعمال۔

۳۔ سمندری پانی میں نیوکلیئر کے تلف شدہ مواد کا شامل ہونا۔

۴۔ سمندری پانی میں تیل کی تلفی (گلف کی جنگ میں ۰.۵ سے ۳ بیرل تیل سمندری پانی میں انڈیل دیا گیا)

۵۔ سیورج کے پانی کا جھیلوں، دریاؤں اور نہروں میں گرنا۔

۶۔ استعمال کے پانی کی پائپ لائنوں اور سیورج کی پائپ لائنوں کا زیر زمین آپس میں مل جانا۔

۷۔ دریائے راوی لاہور میں سیورج کا ۳۸۹ کیوسک پانی شامل ہوتا ہے۔ جب کہ برسات میں راوی کی سطح ۴۰۰ کیوسک تک ہوتی ہے۔

آبی آلودگی کے اثرات

۱۔ سیورج کا پانی، آکسیجن کا خاتمہ کرتا ہے اور آبی جانوروں کی موت کا باعث بنتا ہے۔

۲۔ ۶۰ ء کی دہائی میں سیکنڈینیوین ممالک میں گندگی کی وجہ سے جھیلیں آبی مخلوق سے خالی ہو گئیں۔

۳۔ ۶۰ فیصد شیر خوار بچوں کی اموات پانی کی بیماریوں کی وجہ سے ہوتی ہیں۔

۴۔ آلودہ پانی کے علاقوں میں اگنے والی سبزیوں میں جراثیمی نامیاتی مواد شامل ہوتے ہیں۔

۵۔ پانی کی آلودگی کی وجہ سے ہر سال دریاؤں میں مچھلیوں کی پیداوار ۵۰۰۰ ٹن کم ہو رہی ہے۔

۶۔ آلودہ پانی لائیوسٹاک اور زرعی زمینوں کا خاتمہ کرتا ہے۔

صوتی آلودگی (Noise Pollution):۔

شہری علاقوں میں صوتی آلودگی ایک بہت بڑا مسئلہ ہے اور ایسے علاقوں میں رہنے والے لوگ اونچی آوازوں اور شور کی وجہ سے مشکلات کا شکار ہیں، یہ شور ہوائی جہازوں، گاڑیوں، کارخانوں، فیکٹریوں، لاؤڈ سپیکرز، آتش بازی، پریشر ہارن اور میوزک کی وجہ سے ہے۔

صوتی آلودگی کے اثرات:

۱۔ سننے کی حس پر اثر انداز ہوتی ہے۔

۲۔ غصہ، ڈپریشن، بلڈ پریشر اور اعصابی نظام کو متاثر کرتی ہے۔

۳۔ جنگلی حیات بھی شور سے متاثر ہوتی ہے۔

زمینی آلودگی (Earth Pollution):۔

زمینی آلودگی زمین کی اوپر کی سطح کو نقصان پہنچاتی ہے جو اناج کی پیداوار کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ ضائع شدہ مواد اور کوڑا کرکٹ زمینی آلودگی کی سب سے بڑی نظر آنے والی وجہ ہے۔ لوگ ہر سال کئی ملین ٹن کوڑا کرکٹ اپنے گھروں کے باہر خالی جگہوں پر، سڑکوں پر، ندی نالوں میں اور کئی بدنما ڈھیروں کی صورت میں پھینکتے ہیں۔ ان میں گھریلو استعمال کی اشیاء کی پیکنگ کے ڈبے مثلاً فریج، ٹی وی، واشنگ مشین وغیرہ اور ورکشاپس کے باہر گاڑیوں کا ضائع شدہ مواد اور کاٹھ کباڑ شامل ہیں اس کے علاوہ ان میں گھریلو آلودگی، کوڑا کرکٹ، ہسپتالوں کا کوڑا کرکٹ اور پولیتھین بیگ شامل ہیں۔

ماحولیاتی آلودگی کی وجوہات:

۱۔ حادثاتی توڑ پھوڑ، دھماکے، بم بلاسٹ۔

۲۔ بھوپال انڈیا میں میتھائیلسوسایانیٹ (Methylisocyanite) کا اخراج۔

۳۔ USSR میں چرنوبل دھماکہ۔

۴۔ راولپنڈی میں اوجڑی کیمپ دھماکہ۔

۵۔ پلاسٹک بیگوں کا استعمال جو صحت کے لیے نقصان دہ ہے اور انھیں جلانے کی صورت میں بھی زہریلی گیسوں کا اخراج ہوتا۔

۶۔ کیمیائی مواد کا استعمال۔ ایک اندازے کے مطابق ایک لاکھ کیمیکل استعمال ہو رہے ہیں۔

۷۔ کینیڈا کے ایٹمی پلانٹ سے پھوٹنے والی تابکاری۔

ماحولیاتی آلودگی کے عوامل:

۱۔ کیمیائی گیس

۲۔ آبادی

۳۔ فیکٹریاں اور کارخانے

۴۔ کیڑے مار ادویات

۵۔ تابکاری (Radiation)

۶۔ جنگلات کی کمی

۷۔ کوڑا کرکٹ

۸۔ خطرناک مواد

کیمیائی گیس:۔

تقریباً دو قسم کی گیسیں انسانی اور حیوانی حیات کے لیے نہایت خطرناک ہیں۔ فیکٹریاں رکارخانوں کے دھوئیں میں کاربن مانو آکسائیڈ، کاربن ڈائی آکسائیڈ، نائٹرس آکسائیڈ، کلوروز فلوروکاربن، اوزون میتھین اور دوسری خطرناک گیسیں شامل ہیں۔

کلوروفلوروکاربن، ائیرکنڈیشنرز، ریفریجریٹرز، جھاگ، ائیروسل اور کمپیوٹر سرکٹ کی صفائی کرنے میں استعمال ہوتی ہیں اس کے علاوہ دوسری خطرناک گیسیں موٹر انجنوں، بھٹیوں اور دوسرے ایندھنوں کے جلنے سے پیدا ہوتی ہیں۔

اثرات:

۱۔ یہ زمین کا درجہ حرارت بڑھانے کا موجب بنتی ہیں۔

۲۔ انسان کی بصارت اور پھیپھڑوں کو نقصان پہنچاتی ہیں۔

۳۔ سانس کی بیماریاں پیدا کرتی ہیں۔

۴۔ کینسر کا سبب بنتی ہیں۔

۵۔ ہوا میں موجود زہریلی گیسیں پودوں کی نشوونما کمزور کرتی ہیں۔

۶۔ یہ مضبوط ترین کنکریٹ اور سٹیل کو بھی نقصان پہنچاتی ہیں۔

۷۔ گیسیں موسموں پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں کچھ گیسیں تو سورج کی روشنی زمین پر آنے دیتی ہیں مگر توانائی کو فضا سے باہر جانے سے روکتی ہیں۔

۸۔ کاربن مونو آکسائیڈ خون میں آکسیجن جذب کرنے کی صلاحیت کو کم کرتی ہے۔

۹۔ گیس مرکزی اعصابی نظام کو تباہ کرتی ہیں۔

۱۰۔ یہ اوزون کی تہہ میں دراڑیں ڈالتی ہیں۔

۱۱۔ گیسوں کی وجہ سے تیزابی بارشیں ہوتی ہیں۔

آبادی:۔

آبادی میں اضافہ مسائل کی جڑ ہے۔ اگر آبادی زیادہ ہوگی تو ہمیں زیادہ خوراک اور زیادہ تحفظات کی ضرورت ہوگی۔ اس مقصد کے لیے ہمیں زیادہ فیکٹریاں، کارخانے اور صنعتیں لگانا پڑیں گی اور پناہ کے لیے ہمیں زیادہ جنگلات کاٹنا ہوں گے۔ جس سے فطری ماحول تباہ و برباد ہو کر رہ جائے گا۔ آبادی کا سیلاب غیر متوازن آبادی کی تقسیم، کمزور ڈھانچے، زندگی کی بنیادی سہولتوں کا فقدان، غذائی قلت، خراب صحت زندگی کی ناپائیداری کا سبب ہے۔

فیکٹریاں/کارخانے:۔

کیمیکل کی فیکٹریاں، چمڑے کی فیکٹریاں اور بڑی بڑی میکانگی فیکٹریاں فضائی آلودگی، زمینی آلودگی اور صوتی آلودگی پیدا کرتی ہیں۔ فیکٹریوں کے دھویں میں کاربن ڈائی آکسائیڈ، کاربن مانو آکسائیڈ اور نائٹرس آکسائیڈ وغیرہ شامل ہوتی ہیں۔ جو فضا میں آکسیجن کی مقدار کو کم کرتی ہیں۔ یورپ میں انڈسٹریل انقلاب ماحول کو آلودہ کرنے کی ایک بڑی وجہ ہے۔ انڈسٹریل اور ترقی یافتہ ممالک کی صرف ۶ فیصد آبادی دنیا میں پائی جانے والی ۶۰ فیصد آلودگی کی ذمہ دار

ہے۔انڈسٹریل ممالک نے اپنی صنعتی آلودگی کو دفن کرنے کے لیے غیر ترقی یافتہ ممالک کا چناؤ کیا ہوا ہے۔اور وہ قلیل منافع کے لیے انسانی زندگیوں سے کھیل رہے ہیں۔

اثرات:

۱۔ پھیپھڑوں کی بیماریاں پیدا کرتی ہیں۔

۲۔ کانوں کو نقصان پہنچاتی ہیں۔

۳۔ جلدی بیماریوں کا باعث بنتی ہیں۔

۴۔ فصلوں کو نقصان پہنچاتی ہیں۔

۵۔ درجہ حرارت کو بڑھانے کا موجب بنتی ہیں۔

کیڑے مار ادویات (Pesticides):۔

بیشتر کیڑے مار ادویات زہریلی ہوتی ہیں۔ یہ کیمیکلز فصلوں میں غیر ضروری جڑی بوٹیوں کا خاتمہ کرنے کے ساتھ ساتھ گھروں کے اندر سے بھی کیڑے مکوڑوں کا خاتمہ کرتے ہیں۔ ان کیمیکلز میں (D.D.T) اور فاسفورس شامل ہیں اور زیادہ تر ترقی پذیر ملکوں میں بنتی ہیں۔

اثرات:

۱۔ (D.D.T) اعصابی نظام پر اثر انداز ہوتا ہے۔

۲۔ کیڑے مار ادویات زمین اور پانی کے قدرتی سرکل پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

۳۔ زیادہ تر کیڑے مار ادویات اپنے مقاصد کے برعکس انسانوں، جانوروں اور ماحول پر برے اثرات مرتب کرتی ہیں۔

تابکاری (Radiation) :۔

یہ نظر نہ آنے والی خطرناک آلودگی ہے۔ کچھ شعاعیں سورج اور خلاء سے زمین پر پہنچتی ہیں اور کچھ آلودگی ریڈیو ایکٹو مواد جیسے نیوکلیئر ہتھیار اور نیوکلیئر پلانٹ کے فالتو فضلے سے پھیلتی

ہے۔ کچھ الیکٹرونک مشین بھی یہ شعاعیں پیدا کرتی ہیں۔ سائنسدان ابھی تک یہ اندازہ نہیں لگا سکے کہ ان شعاعوں کی تھوڑی سی مقدار بھی انسان پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے۔ ان شعاعوں کی زیادتی کینسر کا سبب بن سکتی ہے اور پیداواری خلیوں کو تباہ کر دیتی ہے۔ بین الاقوامی معاہدے کے مطابق نیوکلیئر تجربے پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ یہ اصلاحات ان شعاعوں کو کنٹرول کرنے میں کچھ حد تک معاون ہیں تاہم الیکٹرونک مشینری جیسے ٹی وی، مائیکرو ویو اوون وغیرہ آہستہ آہستہ ان شعاعوں کی مقدار کو بڑھا رہی ہے۔

جنگلات کا خاتمہ:

جنگلات کی کٹائی ماحول کی آلودگی کا بہت بڑا سبب ہے جب کہ جنوبی اور مرکزی امریکہ، جنوبی اور شمال مشرقی افریقہ کے خودرو جنگلات زمین کا صرف ۲ فیصد ہیں۔ پاکستان کے اندر جنگلات کا بڑی تیزی سے خاتمہ ہو رہا ہے۔

وجوہات:

۱۔ جنگلات کی کٹائی لکڑی حاصل کرنے کے لیے کی جاتی ہے۔
۲۔ فصلوں کے حصول کے لیے جنگلات کی کٹائی کی جاتی ہے۔
۳۔ ایندھن حاصل کرنے کے لیے۔
۴۔ امریکہ کے اندر ہر اتوار کو چھپنے والے اخبارات اور رسائل کے لیے ۵ لاکھ درخت کاٹے جاتے ہیں۔
۵۔ پاکستان میں جنگلات کل زمین کا ۵ فیصد ہیں جب کہ UNEP کے مطابق انہیں ۲۵ فیصد ہونا چاہیے۔

اثرات:

۱۔ زمین کا کٹاؤ
۲۔ بنجر زمین

maablib.org

۳۔ سیلاب اور طوفان

۴۔ درجہ حرارت کا بڑھنا

۵۔ جنگلی حیات پر اثرات

کوڑا کرکٹ / گندگی:

یہ صارفین کی وجہ سے ہے۔ شمالی امریکہ دنیا کی آبادی کا ۸ فیصد ہے جو دنیا میں پورے کوڑا کرکٹ کا ۵۰ فیصد پیدا کرتی ہے۔ Recyching کوڑا کرکٹ / گندگی کو کم کرنے کے لیے مفید ہے۔ ان میں گھریلو استعمال اور فیکٹریوں کا کوڑا کرکٹ بھی شامل ہے۔ گھریلو کوڑا کرکٹ میں کاغذ، فالتو اشیاء، گلی سڑی سبزیاں اور پھل، پلاسٹک بیگ اور دوسری بہت سی چیزیں شامل ہیں۔

اثرات:

۱۔ کوڑا کرکٹ کو صحیح طریقے سے تلف نہ کیا جائے تو جنسی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

۲۔ فالتو مواد بیماریاں پھیلانے کا باعث بنتا ہے۔

خطرناک فالتو مواد:

کیمیکل کی آلودگی زہریلی گیسیں پیدا کرتی ہیں۔ دنیا میں تقریباً ایک لاکھ کیمیکلز تجارتی غرض سے استعمال ہوتے ہیں۔ کئی ایک کیمیکلز پر ترقی پذیر ممالک میں پابندی لگائی ہوئی ہے۔ لیکن وہ ترقی یافتہ ممالک میں دستیاب ہیں۔

ماحولیاتی آلودگی کے نمایاں اثرات:

اوزون کی تہہ میں دراڑیں اس سے سیاہ رسولی، جلد کینسر، آنکھوں کی بیماریاں، قوت مدافعت کا خاتمہ اور فصلوں کی تباہی ہوتی ہے۔

تدابیر:

۱۔ ائیر کنڈیشنر کی جگہ پنکھوں کا استعمال۔

۲۔ ریفریجریٹر میں استعمال ہونے والی C.F.C.S گیس کے فضا میں اخراج کی روک تھام۔

۲۔ تیزابی بارشیں:

عمارتوں کی تباہی، دریاؤں، جھیلوں اور تالابوں کو آلودہ کرنا، مچھلیوں اور دوسری آبی مخلوق کا خاتمہ، زمین کی تیزابیت میں اضافہ کرنا، درختوں کا خاتمہ۔

تدابیر:

۱۔ سلفر آکسائیڈ اور نائٹرس آکسائیڈ کے اخراج کی روک تھام توانائی کا بچاؤ۔

۲۔ ٹرانسپورٹ کے نظام کو بہتر بنانا۔

۳۔ گرین ہاؤس افیکٹ رو دنیا میں بڑھتی ہوئی گرمی:

ایندھن کے جلنے سے، بھٹیوں سے گاڑیوں کے انجنوں سے نکلنے والے دھویں سے، کوئلے کے جلنے سے، زرعی کھادوں سے، خراب مشینری سے، نوڑا کرکٹ سے، ہائیڈرو کاربن اور نائٹرس آکسائیڈ سے آلودگی پیدا ہوتی ہے۔

◆◆◆

maablib.org

یونٹ نمبر ۲۲

دینی تعلیم

دینی تعلیم کی اہمیت دنیا کی تمام اقوام میں نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دینی تعلیم کے لیے قوم حکومت کی دست نگر رہی ہے۔ اسی لیے یہ تعلیم رسمی نظام تعلیم کا حصہ نہ بن سکی۔ یہ ہمیشہ غیر رسمی نظام تعلیم کے تحت جاری و ساری رہی ہے۔ دینی تعلیم کے لیے اقوام کے افراد نے دینی ادارے قائم کیے علمائے دین کو تقویت دی۔ انھیں ملازمت کے تصور سے دور رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ دینی تعلیم کا مبلغ مدارس یا کسی دینی ادارے کا ملازم نہیں لیکن وہ دینی تعلیم دینے کے فرائض نہایت خوش دلی اور نیک نیتی کے ساتھ سرانجام دیتا رہتا ہے۔ سرکاری ملازم ۸ گھنٹے کام کرتا ہے۔ دین کا عالم ۲۴ گھنٹے قوم کے افراد کی خدمت کے لیے حاضر رہتا ہے۔ دینی ادارے افراد قوم خود چلاتے ہیں۔ اس کے لیے وسائل بغیر کسی جبر کے اس طرح مہیا کرتے رہتے ہیں کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔ اور یہی فی سبیل اللہ کام کرنے یا دینے کا فلسفہ ہے کہ اگر ایک ہاتھ سے کسی کو کچھ دیا جائے تو دوسرے ہاتھ کو اس کی خبر نہ ہو چہ جائیکہ عطیات کا اخباروں اور رسالوں میں اعلان کیا جائے۔

دینی تعلیم کا ادارہ:

مسلمانوں کا دین اسلام ہے چنانچہ مسلمانوں کی دینی تعلیم کا آغاز عبادت گاہوں یعنی مساجد سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ دین اسلام کے مدرسہ اول کا آغاز مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوا۔ معلم اول اللہ تعالیٰ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اس امر کا تذکرہ کتاب ''تدریسی نسخہ'' کے تعارفی باب میں کر دیا گیا ہے۔ دینی مدارس اپنا نظام تعلیم کلام اللہ شریف، حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اخذ کرتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ دنیا کی تمام اقوام میں مروجہ نظام تعلیم دیکھا جائے تو ان ہی اصولوں کی عکاسی ملے گی جو ہمیں دین اسلام سے ملے ہیں۔

آنحضور ﷺ کے طریقہ تعلیم پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔

اصول نمبر۱ : علمی سطح کو ملحوظ رکھنا۔

تدریس کے وقت طلباء کی علمی سطح کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے۔ اس سے مراد استعداد اور رجحان ہے۔

اصول نمبر۲: مدلل انداز بیان۔

طلباء کو جو علم دیا جائے وہ دلیل کے ساتھ دیا جائے ورنہ طلباء کے لیے اس علم کی معنویت کم ہو جاتی ہے۔

اصول نمبر۳ : امداد کا استعمال۔

اس سے مراد سبق کو پرکشش اور موثر بنانے کے لیے موزوں اشیاء کی مدد سے حقائق کی وضاحت بہتر ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر یہ سمعی و بصری معاونات ہیں۔

اصول نمبر۴: سوالیہ انداز۔

سبق کے دوران طلباء سے معلوم کرتے رہنا چاہیے کہ انہیں جو کچھ دیا جا رہا ہے اسے وہ حاصل کر رہے ہیں۔ اسے جزوی جائزہ کہا جا سکتا ہے۔

اصول نمبر۵: مختصر اور جامع تدریس۔

تدریس کے دوران غیر ضروری طوالت اور غیر ضروری باتیں طلباء میں اکتاہٹ پیدا کر دیتی ہے جسے انگلش میں Precision اور Accuracy کہتے ہیں۔

اصول نمبر۶: جامد تصورات کی وضاحت۔

ایسی معلومات جن کے تمثیلات کی ضرورت ہو تو ضرور استعمال کرنا چاہیے۔ فارسی کی مثل ہے شنیدہ کے بود مانند دیدہ یعنی سنا ہوا دیکھے ہوئے کے برابر نہیں ہو سکتا ہے۔

اصول نمبر۷: مثالوں سے وضاحت۔

طلباء کو مشکل تصورات وضاحتوں اور مثالوں سے سمجھانا چاہیے۔

اصول نمبر ۸: لب ولہجہ۔

مدرس کا انداز بیان واضح، درست، دھیما، اور نرم ہونا چاہیے۔ اس سے متعلم بہت شوق سے استاد کی باتیں سنتے ہیں۔ اسے مدرس کی شخصیت کا حصہ کہا گیا ہے۔

اصول نمبر ۹: علامات اور اشارات کا استعمال۔

وضاحت کے لیے ضروری ہو تو مدرس مختلف اشاروں کے ذریعہ یا علامتوں کے ذریعہ وضاحت کرے۔ اسے انگریزی میں (Panto miming) یا (Symbol) کا استعمال کہتے ہیں۔

اصول نمبر ۱۰: تعلیم اور عمل۔

علم بے عمل بے کار ہوتا ہے۔ حاصل کیے ہوئے علم کے اثرات طلباء کے کردار سے ظاہر ہونے چاہئیں۔ جسے انگریزی میں (.Change in Behaviour/ Attitude) کہتے ہیں یعنی رویوں میں خاطر خواہ تبدیلی رونما ہو۔

اصول نمبر ۱۱: موقع محل کے مطابق کلام۔

مدرس بات کرتے وقت موقع محل کی مناسبت سے بات کرے۔ مثلاً کہاں، کس حالت میں اور کس عمر کے لوگوں سے گفتگو ہو رہی ہے۔

اصول نمبر ۱۲: تعلیم ا ۔ بمدگی۔

تعلیم زندگی سنوارنے کے لیے دی جاتی ہے۔ تعلیم زندگی پر اثر انداز ہو۔

اصول نمبر ۱۳: تدریس میں احترام۔

عزت نفس کا خیال خواہ خورد ہو یا بزرگ نہایت ضروری ہے ورنہ طلباء کی شخصیت مجروح ہو جاتی ہے۔

اصول نمبر ۱۴: محبت اور شفقت۔

انسانی جذبہ میں پیار و محبت، نرمی اور مہربانی طلباء کے رویوں میں تبدیلی لانے میں

maablib.org

بہت معاون ثابت ہوتی ہے۔

اصول نمبر ۱۵: تعلیم برائے علم۔

نہایت اہم مقصد تدریس یہ ہے کہ علم میں اضافہ ہو اور علم کی اہمیت اور حقیقت سے پردہ اٹھ جائے۔

ان تمام اصولوں کا بغور اور تفصیل سے جائزہ لیا جائے۔ علم نفسیات، علم تدریس، علم نصاب، علم تدریسی معاونات، علم تعلیم و تعلّم، علم انسانیات، تعلیمی ادارے کا معاشرتی تحمل گویا وہ تمام مضامین جو کہ تربیتی اداروں میں پڑھائے جاتے ہیں۔ ان سب کا احاطہ ان اصولوں میں ہوا ہے۔ مزید یہ کہ اگر ان اصولوں پر غور کیا جائے تو یہ تمام اصول کلام پاک سے اخذ کیے گئے ہیں۔ ان میں فی الوقت طوالت سے بچنے کے لیے تفصیل سے بحث نہیں کی جا رہی۔ البتہ اب ان کی روشنی میں ۱۴ صدی کے بعد دینی تعلیم جس طرح جدید تقاضوں کے مطابق نظام تعلیم سے ہم آہنگ ہوئی ہے۔ وہ اس طرح ہے۔

۱۔ مسجد بطور ادارہ: دینی تعلیم کے ادارے اب بھی مساجد ہیں۔

۲۔ اقامتی ادارہ: دینی تعلیم کے لیے دینی مدارس کی حدود میں مساجد کی مرکزی حیثیت برقرار رکھتے ہوئے طلباء کے لیے اقامت گاہیں تعمیر کی گئیں ہیں۔

۳۔ مسجد بطور کتب خانہ: مساجد دینی تعلیم کے کتب خانے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس کا صحن دار المطالعہ ہوتا ہے۔

۴۔ مسجد بطور نرسری: نرسری تعلیم کا آغاز مساجد سے ہوتا ہے اور یہیں سے بچے آگے بڑھ کر دینی تعلیم کے اعلیٰ مدارج تک پہنچتے ہیں۔

۵۔ تعلیم بالغاں کا مرکز: مساجد ہی تعلیم عام کرنے کا ذریعہ ہیں اور لوگوں کو تعلیم کی طرف راغب کرتی ہیں۔ یہ کام مساجد میں آسان ہو جاتا ہے

کہ اہل علاقہ تمام ہی مساجد میں باجماعت نماز کی ادائیگی کے لیے باقاعدہ حاضر ہوتے ہیں۔

۶۔ تعمیر سیرت و کردار: مساجد سے ہی سیرت و کردار کی تعلیم کا آغاز ہوتا ہے۔ جہاں اخلاقیات کا درس بھی دیا جاتا ہے۔

۷۔ تاریخی دینی مدارس: دینی تعلیم کی ابتداء جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ مسجد سے ہوئی۔ بعد ازاں اسلامی مدارس اعلیٰ پیمانے پر مختلف ممالک میں وقت کے ساتھ ساتھ کھلتے رہے ہیں۔

۱۔ جامع مسجد دمشق: اس مسجد کی تعمیر میں الولید بن عبدالمالک نے اپنی سلطنت کے سالانہ محاصلات کی سات گنا رقم خرچ کی۔ یہ مسجد عجوبہ روزگار ہے۔

۲۔ مدرسہ نظامیہ: نظام الملک طوسی نے پہلا مدرسہ ۱۰۶۵ء میں قائم کیا اور اس کے بعد اسی نظام کے تحت ادارے کھلنے شروع ہو گئے۔ ان اداروں میں عہدیداران اس طرح ہوتے تھے:۔

۱۔ متولی ۲۔ اساتذہ ۳۔ نائبین ۴۔ خازن

۵۔ معید ۶۔ مفتی ۷۔ واعظ ۸۔ ناظر اوقات

۳۔ جامعہ قرطبہ: عبدالرحمن اموی نے فلسطین پہنچ کر پہلی اسلامی یونیورسٹی کی بنیاد ڈالی اس کی توسیع پر ۲۶۱۵۰۰ دینار طلائی خرچ ہوئے۔

۴۔ جامعۃ الازہر: ۳۶۰ھ میں جوہر نے جامعۃ الازہر کی بنیاد رکھی۔

اب تک بے شمار دینی ادارے اعلیٰ مدارج کے لیے دنیا کے گوشے گوشے میں کھل چکے ہیں۔ جدید رسمی تعلیم کی خرابی اب سامنے آ رہی ہے کہ ہر طرف ایک ہی آواز بلند ہو رہی ہے کہ تعلیمی ادارے طلباء کی تعمیر سیرت و کردار کا فریضہ سرانجام نہیں دے رہے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوگی کہ جب سے ہمارے تعلیمی اداروں کو مسجد سے جدا کیا گیا۔

تعمیر سیرت و کردار کا عمل رک گیا ہے۔ یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ عیسائی اپنے جس قدر بھی تعلیمی ادارے کھولتے ہیں وہ چرچ کی نگرانی اور چرچ کے احاطوں میں ہی کھولتے ہیں۔ اس لیے وہ اپنے عقائد کے مطابق طلباء کی سیرت و کردار کی تعمیر کا کام کر رہے ہیں۔ اگر مسلمان بچے ان اداروں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں تو عیسائیت کی اقدار کا اثر لے کر ان اداروں سے باہر آتے ہیں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ تعمیر سیرت و کردار کا عمل جاری ہو تو ہمیں اپنے تعلیمی اداروں کو مساجد کی حدود میں لے جانا ہوگا۔ اس کی تفصیل، وضاحت اور تاریخی حوالے پر بحث کرنے کے لیے بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ یہاں اتنا ہی کافی ہے۔ اس کا تذکرہ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ دینی مدارس کا نصاب کیا ہوتا ہے۔ تاہم رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ دینی مدارس کے نصاب میں خوش آئند تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ تاریخ کا مختصر حوالہ صرف اتنا ہی کافی ہے کہ اموی اور عباسی دور میں قاہرہ، دمشق، غرناطہ، اشبیلیہ، ٹولیڈو یونیورسٹیوں میں دیگر زبانوں میں موجود علوم کے لیے دارالترجمہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ بلکہ درج ذیل سائنسی علوم کی تعلیم و تدریس کا اہتمام کیا گیا۔

۱۔ علم ہندسہ: نماز کے لیے قبلہ کی سمت معلوم کرنے کے لیے۔

۲۔ علم حساب: جزیہ، خراج، عشر کا حساب کتاب کرنے کے لیے۔

۳۔ علم ہیئت: سفر کے دوران ستاروں سے راستہ معلوم کرنے کے لیے۔

۴۔ جغرافیہ: حج کی ضرورت اور جنگوں کے لیے۔

۵۔ طب: یونانی اور ہندوستانی کتب کے ترجمے اور نئے طریقوں کی دریافت کے لیے۔

۶۔ کیمیا: طبعیات، معاشیات اور سیاسیات وغیرہ۔

پاکستان اور دنیا کے بہت سے مسلم ممالک میں اب انگریزی زبان کی لکھائی کی جانے لگی ہے۔ جو وقت کی اہم ضرورت ہے۔ مغربی ممالک میں تبلیغ کے لیے وہی ایک زبان سب سے زیادہ استعمال ہوتی ہے۔

◆◆◆

یونٹ نمبر ۲۳

معلوماتی تکنیک (Information Technology)

ایک زمانہ تھا جب معلومات کا ذریعہ انسان تھا۔ سیاح تھے جو ملک ملک کی خبریں جمع کر کے لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ قصہ گو تھے جو آس پاس کے واقعات کی معلومات یا تاریخی معلومات کو قصہ کی صورت میں دلچسپ پیرائے میں بیان کرتے تھے۔ واقعات کی وضاحت کے لیے وہ ڈرامائی ایکٹنگ بھی استعمال کیا کرتے تھے۔ پاکستان کے شہر پشاور میں قصہ خوانی بازار اب بھی موجود ہے۔ پہاڑی دروں کو عبور کر کے لوگ پہاڑوں کے اس پار کی خبریں لا کر قصہ خوانی بازار میں بیان کرتے تھے۔ جہاں تمام مقامی لوگ شام کو اکٹھا ہو جایا کرتے تھے۔ اس کا ایک تحریری نمونہ ہمارے اردو ادب میں میر امن کی لکھی ہوئی کتاب قصہ چہار درویش ہے۔ قصہ خوانی بازار کی طرح لندن میں ہائیڈ پارک ہے۔ جہاں جو بھی معلومات دینا چاہے، اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہے، حکومت کی مزاحمت کے بغیر وہاں بیان کر سکتا ہے۔ حکومت کے خلاف بھی کچھ کہنا چاہے تو اس پر حکومت کی گرفت بھی نہیں ہوتی۔ اب پاکستان میں بھی یہ تجویز ہے کہ مینار پاکستان یا کسی اور جگہ ایک ایسی جگہ مقرر کر دی جائے۔ جہاں ہر شخص کو عوامی رائے جو بھی ہو، جس موضوع پر بھی ہو تاثرات بیان کرنے کا موقع مل سکے۔ اور ہر شخص آزادانہ طور پر تقریر کر کے اپنے دل کی آواز نکال سکے۔ لاہور میں موچی دروازہ کے باہر ایک میدان اسی مقصد کے لیے وقف تھا جو اب اپنی سابقہ حیثیت کھو چکا ہے۔ اس میں بہت اہم عظیم اجتماعات اور جلسے ہوتے رہے ہیں۔ لاؤڈ سپیکر، گراموفون، ٹیلی فون، ڈاک، تار، ریڈیو، ٹیلیویژن یہ سب معلومات فراہم کرنے کے ذرائع ہیں۔ صحافت کا ایک شعبہ تحریری طور پر یہ کام سرانجام دے رہا ہے لیکن سائنسی ترقی نے اب نت نئے رسل و رسائل کے جدید طریقے ایجاد کر دیے ہیں۔ اب معلوماتی تکنیک ایک جدا اور منفرد علم کی

حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ کیونکہ ٹائپ رائیٹر، وائرلیس، ٹیلی پرنٹر کی جگہ اب E-mail، فیکس اور کمپیوٹر نے لے لی ہے۔

معلوماتی تکنیک تعلیم کا ایک شعبہ بن چکی ہے اور اس کے بھی بہت سے مدارج پروگرام کے مطابق بن چکے ہیں۔ مثلاً P.G.D لینگویجز (languages) I.C.S ، B.C.S ، M.C.S ، I.T ، M.Phil پھر اس میں بھی بنیادی طور پر Soft Ware اور Hard Ware دو لازم و ملزوم شعبے قائم ہو چکے ہیں۔ اسی تعلیم کی وجہ سے دنیا گلوبل ویلج یعنی ایک مختصر گاؤں کی حیثیت اختیار کرتی جا رہی ہے۔ منٹوں، سیکنڈوں میں اب آپ دنیا بھر میں بات چیت کر سکتے ہیں۔ ہر طرح کی معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ ابھی اس علم کی اسی طرح ابتداء ہوئی ہے جس طرح علم نفسیات کی ایک صدی پہلے باقاعدہ علم کے طور پر ابتداء ہوئی تھی۔ لیکن یہ علم علم نفسیات سے بھی زیادہ وسعت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ اب آپ آمنے سامنے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے دنیا کے ہر کونے سے بات چیت کر سکتے ہیں۔ تعلیم کی ترویج میں یہ علم نہایت اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

◆◆◆

maablib.org

یونٹ نمبر ۲۴

تعلیم آبادیات

جس طرح علم نفسیات اٹھارہویں صدی کی ابتداء میں معرض وجود میں آیا۔ اسی طرح علم آبادیات بالکل ہی نوزائیدہ علم ہے۔ آبادیات کی تعلیم کو منظم طریقہ سے بیسویں صدی کے نصف سے اہمیت حاصل ہوئی۔ جب دنیا نے محسوس کیا کہ رفتار آبادی میں بہت تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ عالمی ادارہ یونیسکو کے شعبہ نے ان کا جائزہ لینا شروع کیا جس سے درج ذیل اعداد و شمار حاصل ہوئے:۔

''۱۹۷۵ء'' میں دنیا کی آبادی تقریباً ۴ ہزار ملین تھی۔ جس میں ایشیاء سرفہرست ہے یہاں کی آبادی دنیا کی آبادی کی نصف سے بھی زیادہ یعنی ۲۳۰۰ ملین تھی۔ ساتھ ہی ایشیاء میں آبادی کے بڑھنے کی رفتار بھی زیادہ تھی جو ۲.۱ ملین سالانہ تھی جس سے اندازہ لگایا گیا کہ ۲۰۰۰ء تک دنیا کی آبادی ۶۳۰۰ ملین ہو جائے گی جب کہ ایشیاء کی آبادی بڑھ کر ۳۶۰۰ ملین تک پہنچ چکی ہوگی۔

ان اعداد و شمار کی روشنی میں یونیسکو نے ۱۹۷۵ء میں ایشیاء اور یورپ کے دیگر کم ترقی یافتہ ممالک کے نمائندوں کا مشاورتی اجلاس طلب کیا اور اس میں آبادی کے منفی اثرات کے مزید حقائق سامنے آئے مثلاً دنیا کی ۱۰ فیصد آبادی ترقی یافتہ حالت میں زندگی بسر کر رہی ہے جب کہ ایشیاء کی ۹۵ فیصد آبادی کم ترین ترقی یافتہ حالت میں زندگی گزارتی ہے۔ مزید یہ کہ دنیا کے کم ترقی یافتہ حالت ملکوں کی ۷۵ فیصد آبادی ایشیاء میں ہے جب کہ دنیا کی نصف آبادی کی نصف غیر ترقی یافتہ ہے اور ایشیاء کی تین چوتھائی آبادی غیر ترقی یافتہ ہے۔

آبادی میں اضافہ کے منفی اثرات:

یونیسکو کے سیمینار میں تین اہم اثرات کا ذکر کیا گیا جن ممالک میں آبادی کی شرح بہت ہو چکی ہے۔ وہاں درج ذیل مسائل پیدا ہو چکے ہیں:۔

غربت:

اس وقت پاکستان میں ۲۷ فیصد آبادی غربت کی لکیر سے نیچے رہ کر زندگی گذار رہی ہے۔ اسی لیے بھیک مانگنے والوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔

غذا کی قلت:

لوگوں کو پوری خوراک نہ ملنے کی وجہ سے طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہو رہی ہیں۔ کتنے بچے غذا کی قلت کی وجہ سے پہلے پانچ سال ہی میں وفات پا جاتے ہیں"

ناقص غذا:

غذا کی قلت کے ساتھ ساتھ غذا ناقص ہے۔ غذا میں صحت کے لیے جن اجزاء کا ہونا ضروری ہے۔ بھرپور طرح پر نہیں ہوتے۔

غیر انسانی اقدار کا جنم لینا:

آبادی میں اضافہ کی وجہ سے انسانیت کے ساتھ بہت برا سلوک ہو رہا ہے۔ "قتل، اغوا، ڈاکہ، دہشت گردی، اخلاق سوز جرائم، عزت وحرمت کا خاتمہ، ہر ایک انفرادی طور پر ہر ایک جہد للحیات میں بے غرضانہ طور پر مصروف عمل ہے۔"

یہ تو ہیں دنیا کے تمام ممالک خواہ وہ ترقی یافتہ ہیں یا ترقی پذیر۔ ایشیاء کی صورت حال نہایت تشویشناک ہے۔

۱۔	غربت	اوپر تفصیل دی جا چکی ہے۔
۲۔	غذا کی قلت	اوپر تفصیل دی جا چکی ہے۔
۳۔	ناقص غذا	اوپر تفصیل دی جا چکی ہے۔

۴۔ شہروں میں انتقال آبادی کا رجحان برائے تلاش روزگار

۵۔ پسماندہ آبادیاں: کوڑے کرکٹ کے ڈھیر، ابلتے گٹر، گندے پانی کے جوہڑ، ٹوٹی پھوٹی سڑکیں۔

۶۔ بھیڑ بھاڑ، لوگوں کا ہجوم: ہر گلی کوچے سے بچوں کی قطاریں نکل رہی ہیں اور اپنی جانیں گنوا رہی ہیں سڑکوں پر گاڑیوں کی ریل پیل، حادثات کی بھرمار، زندگی ہمہ وقت پر خطر۔

۷۔ بے روزگاری: روزگار کے مواقع کم سے کم تر بلکہ ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ انتقال آبادی اب ملک در ملک شروع ہو چکی ہے۔

۸۔ ناقص انتظام بنیادی ضروریات: پانی کی قلت، سیوریج کی خرابی، سفری سہولیات کی کمی، گیس، بجلی، ٹیلیفون وغیرہ کے مسائل۔

تعلیم آبادیات کا آغاز:۔

ان اعداد و شمار کو دیکھتے ہوئے ماہرین نے ضرورت محسوس کی کہ آبادی میں اضافہ اور ان کے منفی اثرات کا احساس دلانے اور حقائق سے روشناس کرانے کے لیے حکومتی سطح پر تعلیم آبادیات کا ایک شعبہ کھولا جائے اور اسے نچلی سطح سے بھی متعارف کروایا جائے۔ یہ تحریک بیسویں صدی کی ۵۰۔۶۰ کی دہائی میں شروع ہوئی اور ہمارے ملک کی بھی ۶۰ کی دہائی میں ایک محکمہ Population Planning کے نام سے کام کرنے لگا۔ بنکاک میں ۱۹۷۰ء میں پانچ ممالک جن میں پاکستان، بنگلہ دیش، کوریا، ملائشیا، فلپائن اور سری لنکا شامل تھے ایک ورکشاپ منعقد ہوئی۔ جس میں تین یا چار قومی نوعیت کے تعلیم آبادیات کے منصوبے تیار کیے گئے جس میں یہ طے کیا گیا کہ آبادیات کے منصوبوں کو تعلیم آبادیات کے عنوان سے تعلیم کے شعبے میں داخل کیا جائے۔ چنانچہ ایشیائی ممالک میں سب سے پہلے صحت وزراعت کے منصوبے تیار کیے گئے۔ تاکہ

غذائی قلت اور صحت عامہ پر قابو پایا جاسکے۔اسی ورکشاپ میں تعلیم آبادیات کا ایک منظم پروگرام طے کیا گیا۔

۱۔ نصاب کیا ہوگا۔

۲۔ نصاب کس سطح تک ہوگا۔

۳۔ اساتذہ کی تربیت کس طرح ہوگی۔

۴۔ تربیت اساتذہ کا پروگرام کیا ہوگا۔

۵۔ معاشرے کو تعلیمی ادارے کے قریب کس طرح لایا جائے گا۔

چنانچہ حکومتوں نے تعلیمی شعبوں میں اس پر کام کرنا شروع کردیا ہمارے ملک میں تعلیم آبادیات کو ایک جدا مضمون کے علاوہ طے کیا گیا کہ درسی کتابوں میں بھی ایسا مواد شامل کیا جائے۔جس سے آئندہ شعبوں کو خاندانی منصوبہ بندی اور آبادی میں اضافے کو روکنے کے طریقے کا احساس پیدا ہو۔بڑھتی ہوئی آبادی کے منفی اثرات کا احساس دلایا جائے۔چنانچہ پاکستان میں تعلیم آبادیات کا نصاب نگرانہ طور پر تیار ہوکر اعلیٰ کلاسوں میں اختیاری مضمون کے طور پر نافذ العمل ہوگا۔اوراب قومی سطح پر ایشیائی ممالک درج ذیل ہیں۔درج ذیل مسائل پر خصوصیت کے ساتھ کام کیا گیا۔

۱۔ تعلیم

۲۔ بے روزگاری

۳۔ خواتین کا معاشرے میں مقام

۴۔ آبادکاری

۵۔ صنعتی ترقی

۶۔ دیہاتیوں کی ترقی

۷۔ بڑھتی ہوئی آبادی کی آبادکاری

maablib.org

تاریخی مناظر میں دیکھا جائے تو خوراک کی قلت اور زندگی کی بقاء کے لیے ہی آریہ قوم وسط ایشیاء سے آکر برصغیر ہندو پاک میں آباد ہوئی۔ دریائے نیل پر معارب بند ٹوٹنے سے اقوام ادھر ادھر منتقل ہو کر عرب اور ایران پہنچ کر آباد ہو گئیں۔ امریکہ جو دنیا کی سپر پاور ہے دنیا بھر کی انتقال آبادی پر قائم ہونے والی ریاستوں کے اجتماع سے ایک الگ ملک بنا ہے۔ پاکستان کے بعد بے ترتیب انتقال آبادی کا نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں ممالک بھارت اور پاکستان مسائل کا شکار ہوے۔ افغانی اپنی سرزمین چھوڑ کر ایران، پاکستان، انڈونیشیا، آزاد کشمیر اور دنیا کے مختلف ملکوں میں جا کر بقائے حیات کی خاطر آباد ہوے۔ روزگار کی تلاش میں اب ایک ملک دوسرے ملک میں انتقال آبادی کا عمل سرکاری غیر سرکاری طور پر جاری ہے۔ انتقال آبادی کے جو منفی اثرات رونما ہوئے ان کا انجام نہایت بھیانک دکھائی دیتا ہے۔ اسی لیے دنیا کے تمام ممالک نے آبادیات کے مضمون کو تعلیم کا حصہ بنا لیا ہے۔ کیونکہ تعلیم ہی کرداری رویوں میں تبدیلی کا سبب بنتی ہے۔ اور انداز و فکر میں مثبت تبدیلی لاتی ہے۔

◆◆◆

maablib.org

یونٹ نمبر ۲۵

ابلاغ (کمیونیکیشن)

انسان کے ابتدائی دور میں لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا اور نہ ہی اس کے لیے کوئی ذریعہ تھا ۔ایک دوسرے تک بات پہنچانا بہت مشکل تھا۔کاغذ کی ایجاد کے ساتھ ہی اس کا با قاعدہ آغاز ہوا۔ مصریوں نے کاغذ کی ایجاد کی اور ایران کے بادشاہ نے ۵۰۰ قبل مسیح (B.C) میں با قاعدہ ڈاک سسٹم کا آغاز کیا۔ ریڈ انڈینز ایک دوسرے تک پیغام پہنچانے کے لیے دھویں اور آگ کا استعمال کرتے تھے۔ افریقہ میں نقارے اس سلسلے میں اہم کردار ادا کرتے تھے۔ اس کے لیے با قاعدہ نقارچی بنائے ہوئے تھے۔

کیمونیکیشن کا ہماری زندگی کے تمام شعبہ جات میں انتہائی اہم کردار ہے ہمارے اردگرد جو کچھ ہو رہا ہے۔ ہم خود اس میں شریک ہوں یا ہمارے علاوہ کوئی دوسرا فرد، افراد، گروہ ،ادارے، انجمنیں یا اقوام دراصل کیمونیکیشن کے کسی عمل کا نتیجہ ہوتا ہے ہم فارغ وقت میں ہوں یا کسی اہم پیشہ ورانہ کام میں مصروف ہوں ہم کیمونیکیشن کے ہی کسی عمل سے گذر رہے ہوتے ہیں۔ یہ بھی سچ ہے کہ ہم اپنی زندگی کا بیشتر حصہ کسی سے بات کرنے، جذبات کی حدت محسوس کرنے، کوئی داستان بیان کرنے، جنگ وجدل کے واقعات بیان کرنے یا پڑھنے پڑھانے اور سیکھنے سکھانے کے عمل میں گذار دیتے ہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ان ہی کاموں کو سرانجام دینے کا نام ہی زندگی ہے تو غلط نہ ہوگا۔ کیمونیکیشن صرف انسان کا انسان سے تعلق یا اظہار نہیں بلکہ انسان کا معاشرے سے، حیوانات سے، نباتات سے اور جمادات سے غرض کہ پوری کائنات سے تعلق بھی کیمونیکیشن ہے۔

مفہوم:

دوسروں تک اپنے خیالات پہنچانے، ان پر اپنا عمل واضح کرنے اور بات چیت کرنے

کے عمل کو کمیونیکیشن کہتے ہیں کمیونیکیشن کے لیے ضروری نہیں کہ اس کے لیے الفاظ ہی استعمال کیے جائیں۔ آرٹسٹ اپنے خیالات کا اظہار رنگوں کے ذریعے کرتا ہے۔ عکاس اپنا نظریہ دوسروں تک پہچانے کے لیے سلو لائیڈ اور کیمرے کا سہارا لیتا ہے۔ اور ایک اداکار اپنے جذبات کے اظہار کے لیے چہرے کے تاثرات کو ذریعہ اظہار بناتا ہے۔

موثر کمیونیکیشن کے لیے ضروری ہے کہ پیغام بھیجنے والا وصول کرنے والے کے مزاج، طرز تخاطب اور طرز تکلم سے آگاہ ہو۔ یہ اخبار، ٹی وی، ریڈیو، فلم اور سٹیج جیسے ادارے بھی ہو سکتے ہیں۔ ان کا پیغام ملک وملت سے وفاداری، امن وآشتی، احترام انسانیت اور حسن وعشق پر مبنی ہے۔ غیر ممالک سے نفرت، مذہبی منافرت، نسلی امتیاز اور توہین آدمیت جیسا پروپیگنڈہ بھی نشر کیا جاسکتا ہے۔

کمیونیکیشن کے عناصر:

۱۔ پیغام رسانی۔

۲۔ پیغام۔

۳۔ رابطے کا ذریعہ۔

۴۔ سامعین۔

کمیونیکیشن جاری رہنے والا عمل ہے اس کی کوئی حد نہیں۔ کمیونیکیشن میں کسی بھی پیغام کو پہچانے کے لیے پیغام، پیغام رساں اور سامع کا ہونا ضروری ہے۔

کمیونیکیشن کی اقسام:

کمیونیکیشن اپنے خیالات، نظریات اور تجربات دوسروں تک پہنچانے کا ایک عمل ہے۔

کمیونیکیشن کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں:۔

۱۔ انسان کی اپنے آپ سے کمیونیکیشن۔

۲۔ دوطرفہ یا دوسروں سے کمیونیکیشن۔

۳۔ بے جان اشیاء اور حیوانات سے کمیونیکیشن۔

انسان کی اپنے آپ سے کمیونیکیشن:۔

یہ ایک ایسا عمل ہے۔ جس میں انسان شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے آپ سے ابلاغ کرتا ہے۔ اس عمل میں اشاروں، چہروں کے تاثرات اور غور و فکر کا دخل ہوتا ہے۔ کمیونیکیشن کی اس صورت میں کسی دوسرے فریق کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایک ہی انسان اپنے حواس خمسہ کو استعمال میں لا کر ذاتی یا داخلی کمیونیکیشن کر سکتا ہے۔

دوطرفہ یا دوسرے انسانوں سے کمیونیکیشن:۔

کمیونیکیشن کے اس عمل میں ایک انسان دوسرے انسان سے اپنے خیالات اور نظریات کا تبادلہ کرتا ہے۔ کمیونیکیشن کی یہ صورت بھی اگرچہ انفرادی سطح سے آگے نہیں نکل پاتی۔ لیکن اہمیت کے اعتبار سے یہ ذاتی کمیونیکیشن سے بہتر ہے۔ دوطرفہ ابلاغ میں کسی پیغام اور واسطے کا موثر ہونا، دوطرفہ ابلاغ کی اہمیت میں اضافہ کرتا ہے۔

بے جان اشیاء یا حیوانات سے کمیونیکیشن:۔

ابلاغ کی اس قسم میں انسان جانوروں، پودوں اور بے جان اشیاء سے ہم کلام ہوتا ہے۔ ہم کلام ہونے کی صورت میں زبانوں میں بیان اور اشارے کنائے کے انداز میں ہو سکتی ہے۔ کچھ لوگ فطری طور پر مردم بیزار ہوتے ہیں اور انسانوں کی صحبت میں زیادہ وقت گزارنا ان کے لیے مشکل ہو جاتا ہے اس لیے غیر جاندار اور غیر انسانی اشیاء سے باتیں کرنا اور ان میں گم رہنا ایسے لوگوں کی عادت بن جاتی ہے۔

بہتر اور پائیدار کمیونیکیشن کے اہم نکات درج ذیل ہیں۔

۱۔ جس موضوع پر بات کرنا چاہتے ہیں اس پر مکمل عبور ہو۔

۲۔ سادہ اور آسان زبان کا استعمال کیا جائے۔

۳۔ دوسروں کی بات کو دھیان سے سنا جائے۔

۴۔ ایک ہی بات کو بار بار دھرانے سے گریز کیا جائے۔

۵۔ بات کرنے کے لیے پورا وقت دیا جائے۔

۶۔ موضوع کے مطابق بات کی جائے۔

۷۔ صاف ستھری، واضح اور اونچی آواز میں بات کی جائے۔

۸۔ سامعین کے تاثرات سے آگاہ رہیں کہ وہ آپ کی بات میں دلچسپی لے رہے ہیں یا نہیں۔

۹۔ سامعین کے ساتھ آئی تو آئی کنٹیکٹ رکھیں۔

۱۰۔ کچھ اہم تفتیشی باتوں کو جاننے کے لیے سوالات کریں کہ کیا؟ کہاں؟ کب؟ کیسے؟ اور کن حالات میں ہوا؟

۱۱۔ بات کرتے ہوئے آپ اپنا تجزیہ کریں کہ آپ صحیح بول رہے ہیں۔

۱۲۔ مختصر اور جامع بات کی جائے۔

اچھے کمیونیکیٹر کے اوصاف:۔

۱۔ کمیونیکیٹرز کو اچھی شخصیت کا مالک ہونا چاہیے۔

۲۔ معاشرے کے با اثر، عالم فرد سے اس کے اچھے تعلقات ہوں۔

۳۔ کمیونیکیٹر کو پر اعتماد ہونا چاہیے تاکہ وہ بلا جھجک بات کر سکے۔

۴۔ کمیونیکیٹر کے رویے میں لچک ہونی چاہیے اور وہ نظریات کے ٹکراؤ کو قبول کر سکتا ہو۔

۵۔ کمیونیکیٹر شرکا کی شمولیت کا خاص خیال رکھے۔

۶۔ اچھا کمیونیکیٹر وہ ہے جو دوسروں کے خیالات کا احترام کرے۔

بہتر کمیونیکیشن کے آلات:۔

۱۔ ذخیرہ الفاظ۔

۲۔ کھیل رخاکے رتھیٹر۔

۳۔ لیکچر۔

۴۔ سوال وجواب۔

ذخیرہ الفاظ:۔

گروپ کے لوگوں سے جس موضوع پر بات کرنا چاہتے ہیں۔اس کے حوالے سے آپ کے پاس معلومات کا ہونا ضروری ہے۔آپ کے پاس الفاظ کا اتنا ذخیرہ ہونا چاہیے کہ آپ سامعین کو مطمئن کرسکیں اور ان کے سوالات کے موثر جواب دے سکیں۔

گروپ سے بحث اور بات چیت:۔

لوگوں کے کسی مخصوص گروپ نے کسی خاص موضوع پر بات کرنا۔اس صورت میں ضروری ہے کہ موضوع کی مناسبت سے آپ اپنے خیالات ونظریات کا تبادلہ کریں۔اور دوسروں کے خیالات اور تجربات سے فائدہ اٹھائیں۔

کھیل رخاکے:۔

کمیونٹی کے اندر موثر کمیونیکیشن کے لیے کھیل اور خاکوں کی اپنی اہمیت ہے۔خاکے اور کھیل شرکاء کے لیے تفریح کا باعث ہوتے ہیں اس کے علاوہ کھیل اور تعلیم دینے اور پیغام پہنچانے کا بڑا موثر ذریعہ ہے۔کھیل خاکے وغیرہ دیرپا اور پائیدار کمیونیکیشن کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔

لیکچر:۔

کمیونیکیٹر جس موضوع پر بولنا چاہتا ہے اس کے بارے میں اسے مکمل معلومات ہونی چاہیے۔وہ شرکاء کی شمولیت کو یقینی بنائے اور خود ہی نہ بولتا چلا جائے بلکہ دوسرے لوگوں کے نظریات سے بھی آگاہی حاصل کرے۔

سوال وجواب:۔

کمیونیکیٹر گروپ کے اندر ایسی فضاء قائم کرے کہ شرکاء آزادی سے سوال و جواب کر سکیں۔ جائز تنقید کریں اور اپنی تجاویز دے سکیں۔

بہتر کمیونیکیشن لوگوں کی کیسے مدد کرتی ہے:۔

۱۔ ممکنہ نتائج کا حصول۔

۲۔ اخلاقی و جذباتی مدد کا حصول۔

۳۔ خیالات ونظریات کا اظہار۔

۴۔ مسائل کی نشاندہی۔

۵۔ معلومات کی فراہمی۔

۶۔ متبادل راستے کی تلاش کرنا اور انھیں اختیار کرنا۔

کمیونیکیشن کے مقاصد:۔

۱۔ اطلاعات بہم پہنچانا۔

۲۔ معلومات فراہم کرنا۔

۳۔ اثر انداز ہونا۔

۴۔ تفریح مہیا کرنا۔

کمیونیکیشن کے ذرائع:۔

۱۔ پرنٹ میڈیا	۲۔ الیکٹرونک میڈیا
۱۔ اخبارات ورسائل	۱۔ ریڈیو
۲۔ کتب، پمفلٹ، پوسٹرز	۲۔ ٹی وی
	۳۔ فلم
	۴۔ انٹرنیٹ
	5۔ فیکس

maablib.org

اخبارات ورسائل:۔

کاغذ اور پرنٹنگ کے سامان کی ایجاد کے بعد سے اب تک اخبارات ورسائل موثر کمیونیکیشن کا سب سے اہم ذریعہ تصور کیے جاتے ہیں ۔ اخبارات کا باقاعدہ آغاز چین میں ساتویں صدی میں خاندان تنگ کے زیر سرپرستی ہوا۔ بنیادی طور پر اخبارات کا کام معلومات فراہم کرنا، تعلیم دینا اور تفریح مہیا کرنا ہے۔ لیکن اکثر اخبارات یہ ذمہ داریاں پوری نہیں کرتے ہیں۔

کتب، پمفلٹ اور پوسٹرز:۔

کتابوں، پمفلٹ اور پوسٹرز کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے۔ کتابیں، پمفلٹ اور پوسٹر موثر ہونے کے باوجود ذریعہ ابلاغ نہیں ہیں ۔ دنیا کی ہر بڑی تحریک، بڑے انقلاب اور اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک افراد کے بارے میں لکھی جانی والی کتابیں اپنی اہمیت کے لحاظ سے بڑی اہم ہیں۔ کتابیں تنہائی کی اچھی دوست ہوتی ہیں۔ کتابیں ذرائع ابلاغ کی قدیم ترین اور موثر ترین ذریعہ ہیں۔ پروپیگنڈہ اور ایڈورٹائزنگ کرنے اور تعلقات عامہ بڑھانے میں پمفلٹ اور پوسٹر کا کردار اہم ہے۔ ہمیں اس بات کا شعور ہونا چاہیے کہ ذرائع ابلاغ اطلاعات بہم پہنچانے کے علاوہ قومی اور بین الاقوامی حالات کے پس منظر اور پیش منظر سے آگاہ رکھتے ہیں۔

ریڈیو:۔

ریڈیو کی ایجاد نے اخبارات ورسائل کی اجارہ داری کو چیلنج کیا۔ ریڈیو ماسکو، وائس آف امریکہ، بی بی سی، تہران ریڈیو نے اخباری صنعت کے ایوانوں میں ہلچل مچا دی۔ ایک لحاظ سے ریڈیو کی دستیابی اور اثر آفرینی اخبارات سے کہیں زیادہ تھی۔ ریڈیو سننے کے لیے پڑھا لکھا ہونا ضروری نہیں۔ خبرنامے تمام علاقائی، قومی اور چند بین الاقوامی زبانوں میں نشر ہوتے رہتے ہیں۔ ایک اخبار اتنی بہت سی چیزیں بیک وقت شائع کرنے سے قاصر ہے۔ خاص طور پر براہ راست پروگرام ریڈیو کو اخبار سے کہیں زیادہ موثر ذریعہ ابلاغ بنانے میں معاون ثابت ہوئے ہیں۔

ٹیلی ویژن:۔

ابلاغ عام کے میدان میں معلومات کی فراہمی، تفریح مہیا کرنے اور ترغیب دینے میں جو کردار پرنٹ میڈیا نے ادا کیا۔ ٹیلی ویژن نے اس میں اضافہ کیا۔ اخبارات میں واقعہ کی تفصیل ممکن تھی۔ لیکن جوں کا توں منظر دکھانا صرف ٹی وی ہی کے ذریعے ممکن ہوا۔ ٹیلی ویژن نے زندگی کے ہر شعبہ کو متاثر کیا۔ کاروباری افراد نے ابلاغ کے اس جدید ذریعے کو استعمال کرکے اپنی اجناس اور پیداوار کے اشتہارات عوام تک پہنچائے تاکہ جنس کی طلب میں اضافہ کیا جا سکے۔ ٹی وی پر دکھائے گئے معاشرتی، تعلیمی اور نفسیاتی نوعیت کے ڈرامے اور پروگرام، نوجوان نسل، بچوں کے کارٹون، خواتین کے پروگرامز، کسانوں کے لیے ترتیبی پروگرامز، معروف ادیبوں، شاعروں اور سیاستدانوں کے انٹرویوز اور ڈاکومینٹری فلمیں عوام کے لیے خاصی پر کشش ثابت ہوئیں۔

فلم (Film):۔

۱۹۰۳ء کے لگ بھگ متحرک تصویر کشی اور ناٹکی فلموں کا رواج پڑنا شروع ہو گیا تھا۔ لندن میں باقاعدہ کہانی کی صورت میں پیش کی جانے والی پہلی فلم دی گریٹ ٹرین رابری تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ فلم ٹی۔وی (T.V) سے پہلے اپنی حقیقت کا لوہا منوا چکی تھی۔ T.V کی ایجادات سے وقتی طور پر فلم کی مقبولیت میں کمی واقع ہوئی لیکن یہ دور جلد ہی ختم ہو گیا۔ یہ بھی سچ ہے کہ اہم ترین ذریعہ ابلاغ ہونے کے باوجود فلم کو اس انداز میں استعمال نہیں کیا گیا جس میں ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات استعمال ہوتے ہیں۔ برصغیر میں فلم کا مقصد بجز وائے تفریح کے حصول کے کچھ نہ تھا۔ ہالی وڈ، انڈین فلم انڈسٹری یا پاکستان کے نگار خانوں میں بننے والی کوئی بھی فلم اس معیار پر پوری نہیں اترتی۔

انٹرنیٹ/ای میل (Internet/E-Mail):۔

انٹرنیٹ جدید دور میں کمیونیکیشن کا ایک اہم اور موثر ذریعہ ہے۔ انٹرنیٹ کے ذریعے ہم قومی اور بین الاقوامی سطح پر بہت کم پیسوں کی بدولت بہت زیادہ انفارمیشن حاصل کر سکتے ہیں۔

یہ ایک طرح سے اطلاعات کی گلوبلائزیشن ہے۔

فیکس (Fax):۔

جدید ذرائع ابلاغ میں فیکس بھی کمیونیکیشن کا ایک جدید ذریعہ ہے۔ فیکس کے ذریعے ہم پیغام فوراً چند لمحوں میں دوسروں تک پہنچا سکتے ہیں۔ فیکس اور انٹرنیٹ ذرائع ابلاغ میں ایک جدید اضافہ ہے۔

◆◆◆

maablib.org

یونٹ نمبر ۲۶

مدرس کیسے بنائے جاتے ہیں

یوں تو جو بھی تدریسی فریضہ ادا کرنا شروع کر دے وہی مدرس بن جاتا ہے۔ لیکن نظام تعلیم کو اپنانے کے لیے مدرس تیار کیے جاتے ہیں۔ ان کی باقاعدہ پیشہ ورانہ تربیت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ تربیت کی تکمیل کے بعد سرٹیفکیٹ جاری کیا جاتا ہے۔ جو اس امر کی ضمانت ہوتا ہے۔ سرٹیفکیٹ کا حامل تربیت یافتہ پیشہ ور مدرس ہے۔

مدرس بننے کے لیے درج ذیل مراحل سے گذرنا ہوتا ہے۔

۱۔ تعلیمی لیاقت کو امتحان کے معیار کے مطابق حاصل کیا جائے۔

۲۔ تربیتی ادارے میں داخلہ لیا جائے۔

۳۔ تربیت حاصل کرنے کے بعد محکمہ سے معلومات حاصل کی جائیں کہ اساتذہ کی بھرتی کب ہوتی ہے۔ اس کے لیے اخبارات کا مطالعہ اور متعلقہ اداروں سے معلومات حاصل کرتے رہنا چاہیے۔

۴۔ ملازمت کے لیے درخواست دی جائے اور انتخاب میں حصہ لیا جائے۔

۵۔ انٹرویو میں منتخب ہونے کے بعد ایک تعلیم یافتہ شخص مدرس بن جاتا ہے اور اس کے پیشے کا باقاعدہ آغاز ہو جاتا ہے۔

تربیت کے پروگرام:۔

اساتذہ کی تربیت کے پروگرام دو نوعیتوں کے ہوتے ہیں۔

۱۔ تربیت قبل از ملازمت۔

۲۔ تربیت زیر ملازمت۔

پہلی طرز کی تربیت مکمل کورس پڑھنے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ دوسری طرز کی تربیت ملازمت کے دوران نصاب یا کتاب میں کوئی تبدیلی کی جائے تو محکمہ تعلیم تمام اساتذہ کو مختصر مدت کی تربیت دلوانے کا اہتمام کرتا ہے۔ ان کورسوں کو ریفریشر کورسز کہتے ہیں جو وقتاً فوقتاً کروائے جاتے ہیں۔

مدارج تربیت:۔

تربیت کے مدارج ہیں۔

۱۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد کی تربیت پی ٹی سی P.T.C کہلاتی ہے۔

۲۔ بعد کی تربیت سی ٹی C.T کہلاتی ہے۔

۳۔ بی اے یا بی ایس سی کے بعد کی تربیت بی ایڈ B.Ed کہلاتی ہے۔

اس کے بعد اعلیٰ تربیتوں کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔ جو مختلف تعلیمی پروگراموں کے حوالہ سے دی جاتی ہے۔ مثلاً M.Ed.، M.A(Ed)، M.A (B.E)، M.A (M.P.E.)۔

◆◆◆

maablib.org

یونٹ نمبر ۲۷

مدرس کیسے بنا جائے

رسمی نظام تعلیم کے اجراء کے بعد تربیت اساتذہ بھی اسی کا حصہ بن گئی ہے۔ان کے لیے بھی تربیتی ادارے قائم کر دیے گئے ہیں۔کام کوئی بھی ہواس کے لیے تربیت یا ہدایت ضروری ہے۔مثلاً ہماری ایک موٹر بائیکل ہے۔میں نہ مستری ہوں اور نہ مجھے موٹر بائیکل کی مشینری سے واقفیت ہے۔یہ ایک مشین ہے۔اس میں خرابی بھی پیدا ہوسکتی ہے۔اس خرابی کی میں نہ تو وجہ معلوم کرسکتا ہوں اور نہ ہی اس خرابی کو دور کرسکتا ہوں کیونکہ مشینری کا نہ تو مجھے علم ہے۔اور نہ مشینری درست کرنے کی میں نے کوئی ٹریننگ لے رکھی ہے۔

تدریس ایک فن ہے۔پیشہ تدریس سے منسلک افراد اس فن کے جانے بغیر اگر کام شروع کر دیں تو طالب علموں کا وہی حشر ہوگا۔جو اس مشینری کا جو کسی اناڑی کے ہاتھ پہنچ جائے۔دن بدن تعلیم و تدریس کی زبوں حالی کو دیکھتے ہوئے حکومت اور شعبہ تعلیم اساتذہ کو موثر بنانے کے لیے نت نئے تجربات اور تحقیق میں مصروف ہیں۔تعلیم چونکہ ایک جاری رہنے والا عمل ہے۔جدید دور میں سائنسی ترقی نے ایک انقلاب برپا کر رکھا ہے۔اس لیے شعبہ تعلیم و تدریس بھی اس کی زد میں ہے اور اساتذہ کی تربیت کا اہتمام کرنے میں مصروف عمل ہے۔

محکمہ تعلیم نے اساتذہ کی تربیت کے لیے دو طرز کے ادارے قائم کیے ہیں۔

دوران ملازمت تربیتی ادارے (Pre-Service Teacher Education)

ان میں دو قسم کے ادارے کام کر رہے ہیں۔وہ ادارے یہ ہیں۔

ایلیمنٹری کالج آف ایجوکیشن:۔

ان اداروں میں پرائمری اور مڈل سکولوں میں کام کرنے والوں کو تربیت دی جاتی

ہے۔ علاوہ ازیں کچھ مخصوص تربیت کا اہتمام ہے۔ تفصیل یوں ہے:۔

P.T.C برائے پرائمری سکولز۔

C.T برائے مڈل وہائی سکول وسطانی درجہ ۔

O.T اردو پڑھانے والے اساتذہ۔

A.T عربی پڑھانے والے اساتذہ۔

P.T فارسی پڑھانے والے اساتذہ۔

D.M ڈرائنگ پڑھانے والے اساتذہ۔

Art Teacher فنون لطیفہ پڑھانے والے اساتذہ۔

۲۔ **کالجز آف ایجوکیشن:۔**

ان کالجوں میں بی ایڈ اور ایم ایڈ ٹیچرز کا تربیتی پروگرام ہوتا ہے۔ جو ہائی سکولوں کے لیے تیار کیے جاتے ہیں۔

دوران ملازمت تربیت اساتذہ (In-Service Teacher Education):۔

جب بھی نصاب یا تعلیم میں کوئی تبدیلی آتی ہے تو زیر ملازمت اساتذہ کے لیے ریفریشر کورس مرتب کیے جاتے ہیں اور زیر ملازمت اساتذہ کو تربیت فراہم کرنے کے لیے اہتمام کیا جاتا ہے۔ پہلے صوبائی سطح پر ایجوکیشن ایکسٹینشن سنٹر وحدت کالونی یہ فرائض انجام دیتا تھا۔ لیکن اب بہت سے ادارے حکومت نے اساتذہ کی نوعیت کے مطابق کھول دیے ہیں۔ تمام تعلیمی پالیسیوں میں یہ سفارش کی جاتی رہی ہے کہ تمام زیر ملازمت مدرسین کو ہر پانچ سال بعد ریفریشر کورسز کروائے جائیں تاکہ تعلیم کے میدان میں نت نئی تبدیلیوں اور رجحانات سے روشناس ہوتے ہیں۔

مشترکہ تربیت کا ادارہ:۔

جب پاکستان کے دونوں بازو قائم تھے تو جنرل ایوب کے دور میں یونی ورسٹی سطح پر دو

اداروں کے قیام ادارہ تعلیم و تحقیق (Institution of Education & Research) کا اجراء کیا گیا تھا۔ ایک ڈھاکہ میں اور ایک لاہور میں بعد ازاں گومل یونی ورسٹی اور دیگر یونی ورسٹیوں نے بھی تعلیم کے شعبے کا اجراء کر دیا۔ ان میں قبل از ملازمت اور زیر ملازمت دونوں طرز کے اساتذہ کی اعلیٰ تربیت کا اہتمام کیا گیا ہے۔ ایک سالہ کورس میں B.Ed کو داخلہ دیا جاتا ہے۔ اور دو سالہ کورس میں B.A یا B.S.C کو داخلہ دیا جاتا ہے۔ ان اداروں میں بہت سے مخصوص پروگرام کے تعلیمی شعبے تحقیق کا کام بھی کر رہے ہیں۔ مزید معلومات وہاں سے حاصل ہو سکتی ہیں۔

اساتذہ کے مشقی اسباق میں عملی تربیت کے لیے ان کا اپنا لیبارٹری سکول بھی قائم ہے۔ جن میں یونی ورسٹی ملازمین کے بچوں کو ترجیحاً داخلہ دیا جاتا ہے۔ مدارس میں فزیکل ایجوکیشن ٹیچر جنھیں عرف عام یعنی P.T ماسٹر کہتے ہیں۔ تربیت کے لیے تعلیمی اداروں میں تعینات ہوتے ہیں۔ ان کی تربیت کے لیے نظامت، کھیل و تعلیم جسمانی نے تربیتی ادارہ صوبائی سطح پر لاہور میں کھول رکھا ہے۔ اس میں چار قسم کے پروگراموں کی تربیت ہوتی ہے۔

۱۔ میٹرک پاس طلباء کے لیے DPE ڈپلومہ ان فزیکل ایجوکیشن کا کورس ہے۔

۲۔ انٹر پاس طلبہ کے لیے JDPE جونیئر ڈپلومہ ان فزیکل ایجوکیشن کا کورس ہے۔

۳۔ بی اے پاس کے لیے SDPE سینئر ڈپلومہ ان فزیکل ایجوکیشن کا کورس ہے۔

۴۔ ماسٹر کورس SPE کے بعد شروع ہوتا ہے۔

ان اساتذہ کو فزیکل ایجوکیشن ٹیچر PET کہتے ہیں۔ کالجز میں ان کا عہدہ DPE ڈائریکٹر فزیکل ایجوکیشن ہوتا ہے۔

سکولوں اور کالجوں میں سکاؤٹنگ اور گرل گائیڈنگ کی تحریک بھی جاری ہوتی ہے۔ اس کے لیے سکاؤٹ ماسٹر ہوتے ہیں۔ عام طور پر فزیکل ایجوکیشن ٹیچر کو ہی سکاؤٹ ماسٹر کی ٹریننگ دلوادی جاتی ہے۔ اساتذہ کی تربیت کے دوران تمام اساتذہ کو بھی سکاؤٹ ماسٹر کی تربیت دی جاتی ہے۔ سکاؤٹنگ ٹریننگ کا صوبائی ہیڈ کوارٹر والٹن میں ہے۔ اس کے ذیلی دفاتر اور ضلعی

ہیڈ کوارٹر تک پھیلے ہیں۔ یہ کوئی شعبہ تعلیم نہیں بلکہ فلاحی تنظیم ہے۔ جو محکمہ تعلیم کے زیر سرپرستی کام کرتی ہے۔ جس طرح حلال احمر سول ڈیفنس اور دیگر تنظیمیں کام کر رہی ہیں۔ ان کی تفاصیل متعلقہ دفاتر سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ بہاولپور ڈویژن چونکہ پہلے ریاست تھی۔ وہاں نواب کی اپنی حکومت تھی۔ اس وقت وہاں پر سکاؤٹنگ محکمہ تعلیم کا ایک شعبہ تھا۔ وہاں سیکریٹری سکاؤٹس، ڈویژنل اور ڈسٹرکٹ سکاؤٹ آرگنائزرس تعلیمی اداروں میں سکاؤٹ ماسٹر کی پوسٹیں سرکاری بجٹ پر کام کر رہی تھیں جواب بھی باقی ہیں۔ ورنہ سیکریٹری سکاؤٹس صوبائی سطح پر ہوتا ہے۔ یہ حکومت کا نامزد کردہ ہوتا ہے۔ اس تنظیم کا سب سے بڑا سربراہ صدر پاکستان اور پھر کمشنر ہوتے ہیں۔ جسے صدر پاکستان خود نامزد کرتے ہیں۔

تربیتی پروگرام کا نظام:۔

۱۔ قبل از ملازمت تربیت حاصل کرنے والے اساتذہ کے لیے حکومت کی طرف سے ایک مقررہ نصاب مہیا کیا جاتا ہے۔ اس شعبہ کے لیے وزارت تعلیم حکومت پاکستان اسلام آباد میں ادارہ تربیت اساتذہ و نصاب قائم ہے۔ جو اس کام کی نگرانی کرتا ہے۔ یہ ادارہ ہر قسم کی تربیت کا اہتمام کرتا ہے۔ نصاب ساز کمیٹی نصاب بنانے کے بعد یہ تجویز کرتی ہے۔ کہ اساتذہ کی تربیت کا کیا پروگرام ہے۔ اسی کے مطابق تمام کورسز اور کتب تیار ہوتی ہیں۔

۲۔ زیر ملازمت اساتذہ کے لیے ریفریشر کورسز کا اہتمام محکمہ تعلیم کے وہ شعبہ جات کرتے ہیں۔ جو اس کام پر مامور ہیں۔ جوں ہی نصاب یا کتاب میں کوئی تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ ان اداروں میں ماہرین تعلیم و ماہرین مضامین، ماہرین تدریسی معاونات تعینات ہوتے ہیں۔ وہ ہدایت کی روشنی میں تفصیلی پروگرام بنا کر مرکز کو برائے منظوری بھیج دیتے ہیں۔ پروگرام منظور ہو کر آنے کے بعد زیر ملازمت اساتذہ کے ریفریشر کورسز شروع ہو جاتے ہیں۔

اب چونکہ تعلیمی اداروں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اسی نسبت سے اساتذہ کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ حکومتی اداروں کے افراد کی تعداد میں اس نسبت سے اضافہ نہیں ہوا ہے۔

لہٰذا حکومت اب بہت سی ایسی NGO's جن کے پاس ایسے افراد موجود ہیں۔ جو تربیت اساتذہ کا پروگرام چلا سکتے ہیں۔ حکومت ان کو بھی یہ فرائض سونپ رہی ہے۔ اس وقت کئی NGO's بہت سے سرکاری پروگراموں میں نہایت تندہی سے حکومت کا ہاتھ بٹا رہی ہے۔

اوپن یونی ورسٹی:۔

ایسے افراد جو اپنی مصروفیات کی وجہ سے باقاعدہ کسی سکول یا کالج میں داخلہ نہیں لے سکتے۔ ان کے لیے اوپن یونی ورسٹی 8 - H اسلام آباد میں کھولی گئی ہے۔ بنیادی مقصد شرح خواندگی کو بڑھانا اور معیار تعلیم کو قائم رکھنا ہے۔ یونی ورسٹی گھر بیٹھے لوگوں کی تدریس و تعلیم کا بندوبست کرتی ہے۔ تفصیلات کسی قریبی دفتر سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس کا ذیلی دفتر پہلے صرف صوبوں تک تھا۔ اب ڈویژن تک پہنچ گیا ہے۔ اس کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جا رہا ہے۔

سائنس ٹیچر:۔

ایف۔ ایس۔ سی کا امتحان پاس کرنے کے بعد مزید تین سال کا کورس تیار کیا گیا ہے۔ جس میں B.Sc کے ساتھ B.Ed کا کورس بھی مہیا کیا گیا ہے۔ اس مقصد کے لیے ایک ادارہ کوٹ لکھپت ٹاؤن شپ لاہور میں چل رہا ہے۔

◆◆◆

maablib.org

یونٹ نمبر ۲۸

مدرس کی خصوصیات

مدرس کا لفظ سننے کے بعد ہمارے ذہن میں جو پہلا تصور ابھرتا ہے وہ پرائمری سکول کا ٹیچر ہوتا ہے۔ حالانکہ مدرس کا مطلب درس دینے والا عرف عام ہیں۔ پڑھانے والا خواہ وہ پرائمری سطح پر پڑھاتا ہے یا کالج اور یونی ورسٹی کی سطح پر پڑھاتا ہے۔ خواہ وہ کالج کا لیکچرر ہو یا یونیورسٹی کا پروفیسر کسی ٹیکنیکل ادارے کا انسٹرکٹر ہو یا یونیورسٹی کے کسی شعبے کا ڈین Dean یا وہاں کا وائس چانسلر۔ تمام تعلیم و تدریس کے عمل سے وابستہ لوگ ہیں۔ اور بنیادی طور پر مدرس ہیں۔ انگریزی میں مدرس کو ٹیچر (Teacher) کہتے ہیں۔ رسمی تعلیم میں چونکہ ملازمتوں کا سلسلہ رائج ہے۔ لہٰذا گریڈ تعلیم اور تنخواہوں کے لحاظ سے عہدے بنا دیے گئے ہیں۔

نرسری کی سطح پر نرسری ٹیچر پرائمری کی سطح پر P.Tc ٹیچر مڈل کی سطح پر C.T ٹیچر ہائی اسکول کی سطح پر پہلے انگلش ٹیچر اور اب سیکنڈری سکول ٹیچر ہائر سیکنڈری کی سطح پر سبجیکٹ سپیشلسٹ کالج اور یونیورسٹی میں پڑھانے والوں کو لیکچرر اور ان کے اعلیٰ عہدوں پر فائز اساتذہ کو پروفیسرز، ڈین اور وائس چانسلر کہتے ہیں۔ ٹیکنیکل سکولوں اور کالجوں میں پڑھانے والوں کو انسٹرکٹر کہتے ہیں۔ یہ تمام نام عہدوں، تنخواہوں کے گریڈ اور پیشہ ورانہ تربیت کے مطابق بنائے گئے ہیں بنیادی طور پر تعلیم و تربیت کے فرائض انجام دینے والے تمام افراد مدرس ہیں۔

جہاں تک مدرس کی شخصیت کا تعلق ہے تو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ انسان کی زندگی کے دو پہلو ہیں۔

۱۔ ظاہری شکل و صورت، رنگ روپ، وجاہت پژمردگی اور شگفتگی۔

۲۔ انسان کے اندر کی ذات۔

آج کے سائنس کے دور میں ظاہری شکل و صورت بھی میک اپ اور پلاسٹک سرجری

madlib.org

سے بدلی جا سکتی ہے۔ اور اصلی نقلی میں امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن تدریس کے عمل کا بیشتر تعلق مدرس کے اندر کی شخصیت سے ہے۔

تعلیم کے معیار کے گرنے کے اسباب کے سلسلہ میں اکثر مباحثہ اور کانفرنسیں ہوتی رہتی ہیں۔ ان تمام اسباب میں ایک خاص سبب کی بھی نشاندہی کی گئی ہے کہ جس کی نچلی سطح پر بہت غور کیا جاتا ہے۔

ماہرین تعلیم کا کہنا ہے کہ ہمارے تعلیمی نظام اور خصوصاً شعبہ تدریس میں (Non-Teacher) ''گھس بیٹھے'' داخل ہو گئے ہیں یعنی ایسے لوگ اس عمل میں شامل ہو گئے ہیں۔ جو ٹیچر بننا پسند نہیں کرتے۔ چنانچہ تحقیقات کے دوران یہ بات واضح ہو گئی جب ایک سوالنامہ کے ذریعہ اساتذہ سے یہ معلوم کیا گیا کہ اگر ان کو بہتر ملازمت ملے تو وہ ٹیچنگ چھوڑ دیں گے۔ اکثریت کا جواب مثبت تھا۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ لوگ بھی تدریس کے فرائض سر انجام دے رہے ہیں۔ جو تدریس کے لیے نہیں بلکہ عہدوں اور پیشوں سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ اور ایسے لوگ نہ صرف شعبہ تعلیم بلکہ کسی شعبہ میں بھی کامیابی سے فرائض سرانجام نہیں دیں گے۔ انگریزی کی ایک مثل مشہور ہے۔

"You can take the horse to the river

but cannot make him drink."

گھوڑا آپ کے قابو میں ہے۔ آپ اسے نہر پر لے جا سکتے ہیں۔ لیکن پانی پینا گھوڑے کی اپنی مرضی ہے۔ آپ اسے زبردستی پانی نہیں پلا سکتے۔ کیونکہ اس کا منہ کھولنے پر اختیار نہیں ہے۔ لہٰذا جذبہ شوق، پیشہ سے لگاؤ اور فرائض منصبی سے آگہی نہایت ضروری ہے۔ یہاں پر دلچسپی کے لیے غالبؔ کی زندگی کا ایک لطیفہ بھی سنتے چلیے۔ آپ جانتے ہیں کہ غالبؔ اپنے دور کے بلند پایہ شاعر تھے۔ لیکن وہ حال مست تھے۔ اپنا ایک فلسفہ رکھتے تھے۔ روزہ نماز سے ان کا کوئی واسطہ نہ تھا۔ اس کا تذکرہ خطوط غالبؔ میں آپ کو ملے گا۔ رمضان کے مہینہ میں ان کے ایک دوست

انھیں دین اسلام کے احکامات بتا رہے تھے۔ عاقبت اور آخرت سے بھی آگاہ کر رہے تھے۔ ہنستے ہنستے انھوں نے ان صاحب کو ایک شعر کے ذریعے خاموش کروادیا۔ شعر ملاحظہ ہو۔

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت اِدھر نہیں آتی

یہی حال ان اساتذہ کا ہے جو ملازمت اور روزی کی خاطر اس شعبہ میں داخل ہو گئے ہیں۔ خود سے اپنے شوق کی خاطر مدرس کون بنتا ہے۔ فطرتاً مدرس کون ہوتا ہے۔ یہ ایک بہت بڑی بحث ہے۔ اس میں پڑنے کی بجائے ہم یہ نتیجہ تو اخذ کر سکتے ہیں کہ ہر عمل میں ان کی اپنی شخصیت کا بہت عمل دخل ہوتا ہے۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ مدرس کی شخصیت کیسی ہونی چاہیے۔ اس کا یقین یہاں یہ ماہرین تعلیم کی تحقیقات و تجربات کی روشنی میں کیا جا رہا ہے۔ اس لحاظ سے مدرس کثیر الجہتی شخصیت کا مالک ہوتا ہے۔ جس کی تشریح اس طرح کی گئی ہے۔

ظاہری شخصیت:۔

جسمانی طور پر درست ہونا۔ اگر کوئی جسمانی عیب رکھتا ہو تو طلبہ پر اس کا برا اثر پڑتا ہے۔ کچھ طلباء مدرس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ کچھ ان کے نام رکھ دیتے ہیں اور کچھ ان کو افضل سمجھتے ہوئے انکی نقالی شروع کر دیتے ہیں۔ انگلستان میں انیسویں صدی کا ابتدائی مشہور شاعر (Lord Byron) لارڈ بائرن شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بہت خوبصورت تھا۔ لیکن ان کے پاؤں میں کچھ نقص تھا۔ انگلستان کا مشہور ادیب چارلس لیمب (Charles Lamb) اپنے زمانے کا ماہر دانشور تھا۔ لیکن اس کے پاؤں میں کچھ نقص تھا تھوڑا لنگڑا کر چلتا تھا۔ چونکہ اتنا بڑا دانشور لنگڑا کر چلتا تھا تو بہت سے نوجوانوں نے لنگڑا کر چلنا شروع کر دیا تھا۔ وہ اسے عیب نہیں سمجھتے تھے حالانکہ وہ نقص تھا۔ لہٰذا مدرس کے لیے جسمانی طور پر درست ہونا نہایت ضروری ہے۔

مدرس کی حرکات وسکنات کا معقول ہونا:۔

طلباء مدرس کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، ہنسنا، مسکرانا تک نوٹ کرتے ہیں۔ اگر کوئی کوتاہی

ہوتو طلباء ضرور نوٹ کرتے ہیں۔ بلکہ نام رکھنے سے باز نہیں آتے۔ایک مدرس کے چلنے کا انداز اس طرح تھا جس طرح گاڑی کو گیئر لگانے سے مختلف آوازیں نکلتی ہیں۔طلباء نے اس کا نام گیئر والا ماسٹر رکھ دیا تھا۔اس سے استاد کے احترام پر بھی جو اثر پڑتا ہے وہ تو پڑتا ہی ہے۔اس کا تدریسی عمل بھی متاثر ہوتا ہے کہ طلباء اسے حقیر سمجھتے ہیں۔

لباس و وضع قطع:۔

مدرس کا لباس معقول ہونا چاہیے۔فلموں اور ڈراموں کے آرٹسٹوں جیسا لباس شخصیت کو مضحکہ خیز بنا دیتا ہے۔دھوپ کی عینک کمرہ جماعت میں نہیں لگانا چاہیے۔سر کے بال اور خط صحیح اور مناسب طریقہ سے تراشے ہوئے ہیں۔خواتین کا زیورات، گہرے اور نمایاں میک اپ کے لیے زرق برق ملبوسات میں ملبوس ہونا شخصیت کو بگاڑ دیتا ہے۔

بول چال کا انداز:۔

آواز کے اتار چڑھاؤ پر کنٹرول ہونا چاہیے۔لہجہ زیادہ تحکمانہ نہ ہو۔آواز اس قدر بلند ہو کہ آخری نشست پر بیٹھا ہوا بچہ بھی بآسانی سن سکے۔لکنت یا توتلے پن سے تدریس بہت بری طرح متاثر ہوتی ہے۔اس کے لیے (Psycho) نفسیاتی علاج کرنا ضروری ہے۔الفاظ کا تلفظ درست ہو۔بعض لوگوں کا کوئی تکیہ کلام (Catch Word)ہوتا ہے۔تدریس کے دوران اس سے احتراز کیا جائے۔

کمرہ جماعت میں متحرک رہنا:۔

کمرہ جماعت میں کھڑے ہونے کا ایک انداز ہوتا ہے۔جب مدرس طلباء کے سامنے کھڑا ہو تو اس کی آنکھیں ایسے زاویہ پر ہوں کہ ہر طالب علم یہ سمجھے کہ مدرس اسی کو دیکھ رہا ہے۔ تدریس کے دوران مسلسل متحرک رہنا غیر مناسب عمل ہے۔اس لیے کہ طلباء کی توجہ کم ہو جاتی ہے۔ تختہ سیاہ کو استعمال کرتے وقت ایسے انداز سے کھڑا ہونا چاہیے کہ جو کچھ اس پر لکھا یا بنایا جا رہا ہے طلبہ کو نظر آنا چاہیے۔ورنہ اس دوران طلباء شرارتوں میں مصروف ہو جائیں گے۔

مدرس کا اپنا رویہ:۔

طلباء اور اساتذہ کے دوران تدریسی تعمل ہونا نہایت ضروری ہے۔ ماہرین کہتے ہیں کہ طلباء پر پذیرائی کا عمل اس وقت رونما ہوتا ہے جب مدرس طلباء کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا ہے۔ اور جیسے ہی یہ عمل ختم ہوتا ہے تعمل کے تاثر میں کمی آنے لگتی ہے۔

مدرس میں اپنا علم:۔

مدرس کے علم کے دو پہلو ہیں۔

(الف) **نفس مضمون پر عبور:۔**

جو کچھ وہ پڑھانا چاہتا ہے اس کی تفصیلات کا اسے بخوبی علم ہونا چاہیے۔ اور یہ ذہن میں ہونا چاہیے کہ کمرہ جماعت میں ایسے بھی طلباء ہوتے ہیں۔ جو درسی مواد سے زیادہ معلومات وہ پہلے سے رکھتے ہیں۔ لہٰذا مدرس کا علم درسی مواد سے ہی نہیں بلکہ طلباء کی ذہنی سطح اور معلوماتی سطح پر سے اوپر ہونا چاہیے۔

(ب) **آموزش کے نفسیاتی پہلو کا علم:۔**

ہر شخص کی دو عمریں ہوتی ہیں۔

۱۔ طبعی عمر (Physical Age)

۲۔ ذہنی عمر (Mental Age)

سیکھنے کا عمل نفسیاتی پہلو کے تابع ہوتا ہے۔ ذہنی اور طبعی عمر میں اگر ہم آہنگی ہو تو طلباء کے سیکھنے کے عمل میں تیزی آئے گی لہٰذا اسے تدریسی طریقوں، اصولوں اور قواعد کے ساتھ ساتھ بچوں کی نفسیات کا علم آموزش کے حوالے سے ہونا چاہیے۔ کمرہ جماعت میں تمام بچے یکساں ذہنی صلاحیت کے حامل نہیں ہوتے۔ غیر معمولی ذہین (Genius) ذہین (Intelligent) غبی اور کند ذہن (Dullard, Sluggard) ہوتے ہیں۔ سب کے لیے ایک ہی طریقہ تدریس کام نہیں آتا۔ طریقہ ہائے تدریس کا ذکر کرتے ہوئے طریقہ بیان کیا جاتا ہے۔ کچھ ایسے بھی بچے

ہوتے ہیں ۔ جنہیں ماہرین سپیشل بچے (Special Children) کہتے ہیں ۔ وہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔

جسمانی طور پر معذور:۔

مثلاً ہاتھ کٹا ہونا، ٹیڑھا ہونا۔ انگلیوں کا نہ ہونا، ہکلا پن، بھینگا پن۔

صلاحیتوں کے معذور:۔

یعنی اندھے، بہرے، گونگے وغیرہ۔

ذہنی طور پر معذور بچوں کو عام مدارس میں تعلیم نہیں دی جاتی ۔ ان کے لیے مخصوص ادارے ہیں۔ جہاں مخصوص تعلیم وتربیت کے حامل اساتذہ ایسے بچوں کی تعلیم وتربیت پر مامور ہیں۔

ذہنی طور پر معذور:۔

(Syndrome Type) ان بچوں کا (I.Q) مقیاس ذہانت ۵۵ سے کم ہوتا ہے۔

ان کی تعلیم وتربیت پر بہت پیسہ خرچ ہوتا ہے۔ تاہم ان میں سے اکثر درست ہو جاتے ہیں ان کے لیے مخصوص ادارے ہیں اور مخصوص نرسنگ ٹیچر متعین ہوتے ہیں۔ مدرس کی اپنی شخصیت کے ساتھ ہی ایک نہایت ہی اہم پہلو مدرس کی اپنی (Commitment) تدریس کے پیشے سے جذباتی وابستگی ہے۔ ایسے لوگوں کو (Devoted) کہتے ہیں۔ جن کا اوڑھنا، بچھونا، تعلیم وتربیت کے مسائل کی طرف غور کرنا ہوتا ہے۔

ذاتی کردار:۔

بات اس پر ختم ہوتی ہے کہ انسان کا اپنا کردار عمل تدریس میں نہایت اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ مدرس چونکہ معمار قوم کہلاتا ہے لہٰذا اس کا ذاتی چال چلن اور اخلاق مثالی ہونا چاہیے۔ اس سے اس کی اندرونی شخصیت عیاں ہوتی ہے۔ تفصیل میں جائے بغیر اتنا ہی کافی ہے کہ تدریس کا پیشہ پیغمبروں کی سنت ہے۔ اور یہ واضح ہے کہ ہر زمانہ میں ہر پیغمبر اپنی قوم کے لیے مدرس اعلیٰ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس نے ان کی دی ہوئی تعلیم وتربیت سے استفادہ کیا اسے نجات مل گئی۔ دین و

دنیا دونوں میں کامیاب ہوا۔

مدارس اور محکموں میں اچھے مدرس کی صفات:۔

کہیں کہیں مدارس میں اور محکمانہ دفتروں میں آپ کو (Code of Conduct) پیشہ ورانہ کارکردگی کے اصول کی فہرست آویزاں نظر آئے گی۔ یہ سب کچھ ایک بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور وہ ہے پیشہ تعلیم و تدریس سے وابستگی (Commitment to Profession & Education) شاگرد مدرس کی شخصیت کا آئینہ ہوتے ہیں۔ قدرت اللہ شہاب جو ایجوکیشن کمیشن کے چیئرمین تھے انھوں نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا (No nation can rise above his teacher) جس قوم نے پاکستان بنایا وہ بھی کسی استاد کی شاگرد تھی اور جس نے اس کا ایک حصہ گنوایا وہ بھی کسی استاد کی شاگرد تھی۔ اور آج جو معاشرہ نظر آ رہا ہے۔ اس میں استادوں کے شاگرد ہی ہیں۔ اب یہ خود اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مدرس کی شخصیت طالب علموں کی تعمیر و سیرت و کردار پر کس قدر اثر انداز ہوتی ہے۔

استاد کی ذمہ داری:۔

تدریسی فرائض کی تکمیل کے لیے جس شخص کو تدریسی فریضہ انجام دینے کے لیے منتخب کیا جاتا ہے نیز اس کی پیشہ ورانہ تربیت کی جاتی ہے وہ مدرس ہوتا ہے۔ عرف عام میں اسے استاد کہتے ہیں۔

۱۔ بچوں کی تخلیقی صلاحیتوں کو ابھارنے کی کوشش کرے۔

۲۔ پڑھنے کی طرف رغبت دلائے۔

۳۔ وقت کی پابندی نہ صرف خود ملحوظ خاطر رکھے بلکہ بچوں کو بھی پابند بنائے۔

۴۔ بچوں کے درمیان مختلف موضوعات پر بحث کرنے کی عادت ڈالے۔

۵۔ نظم و ضبط کا خیال رکھے۔

۶۔ بچے کی نفسیات کا خاص خیال رکھے۔

۷۔ بچے کے سماجی رخاندانی پس منظر سے آگاہ ہونا چاہیے۔

۸۔ پڑھانے کے طریقہ کار میں آسانی پیدا کرے اور بچوں کو آسان سے مشکل کی طرف لے کر آئے۔

۹۔ استاد اپنے قول و فعل میں تضاد نہ رکھے۔

۱۰۔ بچوں کو زیادہ سے زیادہ اظہار خیال کا موقع دے۔

۱۱۔ بچوں کے ساتھ دوستانہ رویہ اختیار کرے۔

۱۲۔ بچوں کی حوصلہ افزائی ساتھ ساتھ ضرور ہونی چاہیے۔

۱۳۔ صفائی کا خاص خیال رکھے۔

۱۴۔ مقامی لوگوں خصوصاً بچوں کے ماں باپ اور علاقے کے دوسرے معتبر اور نمایاں لوگوں کے ساتھ رابطہ استوار رکھے۔

۱۵۔ غیر نصابی اور ہم نصابی سرگرمیاں وقتاً فوقتاً کرواتے رہیں۔

۱۶۔ باقاعدگی سے اسکول چلائے۔

۱۷۔ نصاب مقررہ مدت میں شیڈول بنا کر مکمل کرنے کی کوشش کرے۔

۱۸۔ بچوں سے روزانہ لکھائی کا کام کروائے۔

۱۹۔ شراکتی پڑھائی کا طریقہ کار اپنائے۔

۲۰۔ اپنے اردگرد کی چیزوں کو سمعی و بصری معاونات کے طور پر استعمال کرے اور سکول کے ماحول اور جگہ کو صاف ستھرا اور پرسکون رکھے۔

◆◆◆

یونٹ نمبر ۲۹

تدریس کیا ہے

روزمرہ کی اصطلاح میں تعلیم کے ذریعے کو پڑھنا اور پڑھانا بولتے ہیں لیکن پڑھنے کے لیے انگریزی زبان کا لفظ Read بولا جاتا ہے اور پڑھانے کے لیے انگریزی زبان کا لفظ Teach بولا جاتا ہے۔ روزمرہ زندگی میں ہم پڑھنا اور پڑھانا ہی بولتے ہیں۔ ٹیچر سبق پڑھاتا ہے لیکن جو علم سکھاتا ہے، پڑھاتا نہیں اسے معلم کہتے ہیں۔ لہٰذا مدرس اور معلم میں فرق ہوتا ہے۔ مدرس ایک خاص عنوان کے تحت پڑھاتا ہے لیکن معلم کسی علمی موضوع پر بحث کرتا ہے اور شاگرد کو عالم بناتا ہے۔ مدرس ناخواندہ کو خواندہ بناتا ہے۔

ہمارے تعلیمی نظام میں تعلیم کی منصوبہ بندی اعلیٰ سطح پر ہوتی ہے۔ نچلی سطح یا ابتدائی سطح پر تدریس کا کام ہوتا ہے۔ مدرس ایک منصوبے کے تحت اسباق کا درس دیتا ہے۔ یہ عمل کمرہ جماعت یا اس کے باہر بھی ہو سکتا ہے۔ تدریس کے لیے تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ (۱) مدرس (۲) شاگرد (۳) درس یعنی کتاب۔ یہ تینوں چیزیں باہمی طور پر مصروف کار ہوں تو تدریس کا عمل جاری ہو جاتا ہے۔ سکولوں میں تختی لکھانے والا بھی درس دیتا ہے۔ ڈرانگ ماسٹر بھی درس دیتا ہے۔ بینڈ ماسٹر بھی درس دیتا ہے جب کہ سبق (Lesson) پڑھانے والا درس دے رہا ہوتا ہے۔ تب ہی مدرس اور مدرسہ کا وجود ابھرتا ہے۔ ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ کچھ لکھنے کا عمل تدریس کا عمل ہوتا ہے اور کچھ کرنے کا عمل اخلاق کا عمل ہوتا ہے۔

شعبہ تعلیم میں تدریس کی اصطلاح لکھنے یا پڑھانے کے معنوں میں استعمال ہوتی ہے اس لیے پڑھانے والے کو ٹیچر یا مدرس کہتے ہیں۔ اس تصور پر تدریس کے مختلف طریقے اور نظریات معرض وجود میں آتے ہیں۔ یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ تدریس میں جمہوریت کا نظریہ

امریکہ سے ابھرا ہے۔ کیونکہ نظام تعلیم کی بنیاد مخصوص مقاصد کے حصول پر مشتمل ہوتی ہے۔ حصول مقاصد کے لیے تدریس کا عمل جاری ہوتا ہے۔ مدرس ہی بہتر سمجھ سکتا ہے کہ تدریس کے لیے کون سا طریقہ کا استعمال کر سکتا ہے۔

◆◆◆

maablib.org

یونٹ نمبر ۳۰

تدریس کا مقصد

سابقہ یونٹ میں تدریس کا مفہوم واضح ہو جانے کے بعد قارئین کی تدریس کے مقاصد کی تفہیم کافی حد تک ہو چکی ہوگی۔ تدریس کیوں کی جاتی ہے؟ تدریس کے عمل میں کون سے مقاصد پوشیدہ ہوتے ہیں؟ یہ جاننے کے لیے ہمیں اپنے اردگرد سے کچھ مثالیں لینا ہوں گی۔ مثلاً انسان اور حیوان کے بچوں کی پیدائش کے بعد دونوں کے کردار کو ملاحظہ کیجیے۔ جانور کا بچہ پیدا ہونے کے تھوڑی دیر بعد اپنے پیروں پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ چوبیس گھنٹوں بعد وہ اپنے پیروں کا کنٹرول سنبھال لیتا ہے۔ لیکن انسان کے بچے کو چلنا سکھایا جاتا ہے۔ انسان کا بچہ تقریباً دس ماہ گزر جانے کے بعد کسی سہارے سے چل پاتا ہے لیکن اسے اپنی ٹانگوں پر کنٹرول بالکل نہیں ہوتا۔ یہ بڑی واضح مثال ہے۔ یہ قدرتی عمل ہے کہ حیوان کے بچے کو چلنا کوئی نہیں سکھاتا لیکن انسان کا بچہ چلنے کی تدریس کا محتاج ہوتا ہے۔ بچے کو چلنا سکھانے کے لیے جو مشق کرائی جاتی ہے۔ یہی چلنا سیکھنے کا درس ہے اور جو مشق کرائی جاتی ہے اس کا مقصد چلنا سکھانا ہے۔ گویا بچے کو چلنا سکھانے کی تدریس کا مقصد اسے بلا سہارا خود بخود چلنا سکھانا ہے۔ اسی طرح ہمارے تعلیمی نظام میں تدریس کا مقصد کسی جاندار میں خاطر خواہ رویہ (Bhaviour) پیدا کرنا ہوتا ہے۔ تدریس کے ذریعے تین قسم کے بنیادی مقاصد حاصل کیے جاتے ہیں:۔

۱۔ حقائق سے روشناس کرانا متعلم کی معلومات میں اضافہ کرنا اسے انگریزی میں (Cognitive Development) وقوفی نشوونما کہتے ہیں۔

۲۔ رویوں میں خاطر خواہ تبدیلی پیدا کرنا اسے انگریزی میں (Affective Development) رویوں کی نشوونما کہتے ہیں۔

۳۔ عملی طور پر کچھ کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا اسے انگریزی میں (Psychomotor Development) عملی صلاحیت پیدا ہونے کی نشو ونما کہتے ہیں۔

غرضیکہ تدریس کے عمومی اور خصوصی مقاصد کا تعین اسباق کی نوعیت اور نفس مضمون کے مطابق ہوتا ہے۔ لیکن تدریس کسی قسم کی بھی ہو۔ ہر قسم کی تدریس کا بنیادی مخفی مقصد مذکورہ تین کرداری رویوں کی نشو ونما ہوتی ہے۔ یعنی طالب علم کو جو علم دیا گیا ہے ان کے کیا اثرات اس کے کردار پر مرتب ہوتے ہیں۔ اور حاصل شدہ علم کی مدد سے اپنی زندگی میں خود سے کچھ کر لینے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً تدریس سے بچے کو موسموں کے اثرات کے متعلق معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔ ان معلومات سے اس کے رویوں میں یہ تبدیلی ضرور آ جانی چاہیے کہ موسموں کے شدید اور برے اثرات سے بچنے کی تدابیر کرے اور اچھے اثرات سے لطف اندوز ہونے کا جذبہ پیدا ہو تو اسے اس قابل بھی ہو جانا چاہیے کہ موسموں کے برے اثرات سے بچنے کے وسائل وہ خود سے پیدا کر سکے نیز موسموں کے خوشگوار اثرات سے لطف اندوز ہونے کے لیے اپنی کوشش سے وسائل پیدا کر سکے۔

مثلاً تیز دھوپ اور گرمی میں باہر نکلنے کے لیے چھتری ہے، رنگین عینک استعمال کرے، سر پر کپڑا لے، کافی مقدار میں پانی پیے وغیرہ۔ موسم کے خوشگوار اثرات سے لطف اندوز ہونے کیلئے محنت کرے ہاتھ سے پیسہ کمائے اور پھر کسی تفریحی مقام پر چلا جائے وغیرہ وغیرہ۔ اگر کردار میں خاطر خواہ تبدیلیاں رونما نہیں ہوتی ہیں۔ تو اس کا مطلب ہے کہ تدریس کا مقصد پورا نہیں ہو رہا ہے۔

◆◆◆

maablib.org

یونٹ نمبر ۳۱

تدریس کیسے ہو

جو کچھ پڑھایا جاتا ہے۔ اسے درس کہتے ہیں اور پڑھانے کے عمل کو تدریس۔ بالعموم درس و تدریس کے عمل کو تعلیم سمجھا جاتا ہے۔ یہاں یہ جائزہ لیتے ہیں کہ تدریس اور تعلیم میں کیا فرق ہے۔ تدریس کس طرح بروئے عمل آتی ہے۔ تدریس میں کون معاون ہوتا ہے۔ نیز تدریس کے کون سے طریقے ہوتے ہیں۔

تدریس کا تصور (Concept of Teaching) :۔

پڑھنے پڑھانے کے عمل سے کون واقف نہیں ہے۔ لیکن اصطلاح میں یہ فرق اس طرح واضح ہوتا ہے کہ پڑھنا (Reading) اور پڑھانا یا تدریس (Teaching) ایک ہی عمل ہیں۔ ایک اردو زبان کا لفظ اور دوسرا عربی زبان کا ہے۔ مدرس سبق پڑھاتا ہے۔ لیکن سکھاتا بھی ہے۔ اسی کو تعلیم کہتے ہیں۔ زندگی میں شخصیت پر ان کا نمایاں اثر ظاہر ہوتا ہے۔ اس طرح پڑھانا (Teaching) پڑھنا (Reading) اور تعلیم (Education) کے عنوان کو عرف عام میں محاورتاً پڑھا لکھا کہا جاتا ہے۔ جسے (Educated) تعلیم یافتہ کہتے ہیں۔ تدریس کا عمل تین عناصر یعنی طالب علم، معلم یا تدریس اور درس یعنی کتاب کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے۔ اس طرح مدرس اور مدرسہ کا وجود عمل میں آتا ہے۔

پڑھانے والا (Teacher) اور شاگرد (Pupil) سے ابھرتا ہے۔ تدریس کیوں کی جاتی ہے؟ تدریس کا مفہوم سمجھنے کے بعد کچھ نہ کچھ تو اندازہ ہو ہی جاتا ہے کہ تدریس کچھ پڑھانے کے لیے کی جاتی ہے۔ لیکن بات یہاں پر ہی ختم نہیں ہو جاتی۔ تدریس کے بہت سے مقاصد ہیں۔ ان کی وضاحت ضروری ہے۔

تدریس کی ابتداء:۔

درس عربی زبان کا لفظ ہے جس کا عام فہم ترجمہ (سبق) ہے۔ درس سے لفظ تدریس بنایا گیا ہے۔ جس کے معنی سبق پڑھانا ہے۔ اس طرح سبق پڑھانے والے کو مدرس اور جہاں سبق پڑھایا جائے اسے مدرسہ کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ماں کی گود کو بچے کی پہلی درسگاہ یا بچے کا پہلا مدرسہ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ بچے کی پیدائش کے بعد ماں کی گود ملتی ہے اور اسی گود میں اس کی ماں اس کو سکھانا شروع کر دیتی ہے۔ ماں کی گود سے بہت سے الفاظ، اشیاء کی شناخت، علامات کا ادراک وغیرہ حاصل کر کے گھر کے ماحول میں داخل ہوتا ہے۔ پھر مزید بڑا ہوتا ہے تو اسے گھر سے باہر مدرسہ میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ جہاں وہ درسی طرز پر تعلیم حاصل کرنا شروع کرتا ہے۔

بچہ جب مدرسہ میں آتا ہے تو مدرس کو پہلا مرحلہ یہی پیش آتا ہے کہ اس کی تدریس کیسے کی جائے۔ کیونکہ تدریس کے لیے ابتدائی سامان مثلاً کتاب، ورک بک، تختہ سیاہ، نقشہ جات، چاک، ڈسٹر، پوائنٹر غرضیکہ تمام درسی مواد موجود ہوتا ہے۔ مدرس کو پڑھانے کی تربیت بھی دی جا چکی ہے۔ یوں تو تربیت کے دوران اسے بہت سے اصول تدریس، قواعد تدریس اور طریقہ ہائے تدریس سے روشناس کرایا جا چکا ہے۔ مدرسہ میں داخل ہونے کے بعد وہ عمل تدریس کے مراحل میں داخل ہوتا ہے۔ اب اسے یہ غور کرنا پڑتا ہے کہ وہ تدریس کے عمل کے ان لوازمات کو استعمال کرتے ہوئے جو اسے تربیت کے دوران فراہم کیے گئے تھے۔ کس طرح جاری کرے۔

تدریس کا عمل:۔

اس کا مختصر آسان اور قابل عمل طریقہ حسب ذیل ہے۔

ا۔ جائزہ:۔

کمرہ جماعت میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے بچوں کے حواس کو چیک کرنا یعنی کوئی بچہ کم سننے والا تو نہیں۔ کسی بچے کی آنکھ کی بینائی تو کمزور نہیں۔ کسی بچے کی زبان میں لکنت یا توتلا پن تو نہیں۔ بچے اپنے ہاتھ کی انگلیوں پاؤں اور سر کو حرکت دے سکتے ہیں یا نہیں۔

طریقہ کار:

کمرہ جماعت میں داخل ہونے کے بعد مدرس باآواز بلند آپ بچوں کو السلام علیکم کہیے تمام بچے سلام کا جواب دیں تو سمجھ جایئے کہ بچوں کی سماعت درست ہے۔ تختہ سیاہ پر روزمرہ کے مشاہدہ میں آنے والی کوئی بڑی سی تصویر بنائے۔ بچوں سے اس کا نام پوچھیے۔ اس طرح بچوں کی بصارت سماعت اور قوت گویائی کی کافی جانچ ہو جائے گی۔ بچوں کو کھڑے ہونے کا حکم دیں۔ لیکن انداز پیار کا ہو اور پھر کہیں کہ بیٹھ جائیں اس طرح بچوں کی ٹانگوں کی حرکت کا پتہ لگ جائے گا۔

تختہ سیاہ پر بنائی ہوئی تصویر پر ہر بچہ کو کہے کہ ہاتھ اور انگلیوں کا اشارہ کر کے بتائیں کہ وہ کس چیز کی تصویر ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح بچوں کے ہاتھوں کی حرکت کا علم ہو جائے گا۔ باری باری بچوں کو ہاتھ میں چاک دے کر تختہ سیاہ پر دائرہ یا خط بنانے کو کہے اس عمل کو (Scribling) کہتے ہیں۔ اس سے بچوں کی انگلیوں کی صحت کا پتہ لگ جائے گا۔ بچوں کو کہیے کہ سر ہلا کر بتائیں کہ وہ آپ کی باتیں سن اور سمجھ رہے ہیں۔ اس طرح سر اور گردن کی حرکت کا علم ہو جائے گا۔

اب ہم اصل مسئلے کی طرف آتے ہیں کہ پڑھایا کیسے جائے بالفاظ دیگر تدریس کے بارے میں سب تفصیلات مدرس کو مکمل تربیتی کورس کے بعد حاصل ہوں گی۔ اس وقت ان نکات پر عمل کر کے اپنی تدریس کو موثر بنا سکتا ہے۔

۱۔ درسی کتاب میں دیے گئے پیش لفظ یا دیباچہ کو ضرور پڑھیے۔ اس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ متعلقہ مضمون کی کتاب لکھنے کا بنیادی مقصد کیا ہے۔ اس سے مدرس کو تدریس میں سہولت ہو جائے گی۔

۲۔ درسی مواد جو مدرس پڑھانا چاہتا ہے۔ خود پڑھیے اور اس کی تفہیم خود کرے پھر یہ دیکھے کہ اس کو تدریس کے لیے کس چیز کی ضرورت ہو گی۔

۳۔ اتنا مواد پڑھانے کے لیے منتخب کیا جائے جو پیریڈ کے دوران پوری طرح مکمل ہو جائے اور یہ بھی دیکھا جائے کہ بچوں کے ذہن پر زیادہ بوجھ نہ پڑے۔

۴۔ طریقہ تدریس پر عمل کرنے کے لیے کچھ مہارتیں ہیں جن کا علم ہونا بڑا ضروری ہے۔

طلبہ میں آمادگی پیدا کی جائے پھر تدریس کا کام شروع کیا جائے۔ آمادگی پیدا کرنے کے لیے بچوں سے سابقہ واقفیت کی بنا پر کچھ سوالات کیے جاتے ہیں۔ بعد ازاں اعلان سبق کیا جائے۔ اعلان سبق سے قبل بچوں کو یہ بتاتا ہے کہ آج انھیں کون سا نیا سبق پڑھایا جاتا ہے۔ اعلان سبق کے بعد سبق کا مواد ترتیب وار بچوں تک تدریسی عمل کے ذریعہ پہنچایا جائے گا۔

یہ جاننے کے لیے کہ طلبہ غور سے سن رہے ہیں۔ ان میں سستی تو پیدا نہیں ہو رہی ہے۔ درمیان میں وقفہ وقفہ سے سبق کے متعلق سوالات بھی پوچھے جائیں۔ اسے اصطلاح میں جزوی جائزہ کہتے ہیں۔

سبق ختم ہونے کے ساتھ ساتھ تختہ سیاہ پر سبق کے خاص خاص عنوان لکھنے چاہیے۔ اس سے سبق کا خلاصہ تیار ہو جائے گا۔ جسے بچے اپنی کاپیوں پر نوٹ بک میں نوٹ کرلیں گے۔ اسے اصطلاح میں سبق کا خلاصہ کہتے ہیں۔ سبق کے بالکل اختتام پر مدرس کچھ ایسے مشقی سوالات کرے جس سے طلباء کی تعلیمی قابلیت کا جائزہ لیا جا سکے۔ اس سے سبق کی کامیابی اور ناکامی کا پتہ لگ جائے گا۔ اسے اصطلاح میں جائزہ کہتے ہیں۔

آخری مرحلہ جس کا ذکر سب سے پہلے ہونا چاہیے تھا لیکن یہاں کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ جائزے کے ذکر کے ساتھ اس کا گہرا تعلق ہے۔ سبق پڑھانے سے پہلے یہ جان لیا جائے کہ سبق کیوں پڑھایا جا رہا ہے۔ یعنی سبق پڑھانے کا مقصد کیا ہے۔ اسے اصطلاح میں مقاصد تدریس کہتے ہیں۔ سبق کے اختتام پر جائزہ لیتے ہی مدرس کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ اپنے مقصد کے حصول میں کس قدر کامیاب رہا ہے۔ اور ان کا سبق اس کی تدریس کی کامیابی اور ناکامی بھی سامنے آ جائے گی۔ اس کی وضاحت کے لیے ایک مثال دی جا رہی ہے۔

مثال:

آج ہمیں اردو کی کسی کتاب سے تیسری جماعت کو قائد اعظم کا سبق پڑھانا ہے۔

مدرس اس طرح سبق کے پڑھانے کے مقاصد لکھتا ہے۔

۱۔ قائداعظم کی زندگی کے حالات سے واقفیت ہونا۔

۲۔ قائداعظم کے کارناموں سے روشناس کرانا۔

۳۔ قائداعظم کی شخصیت کے اہم خدوخال بتانا۔

۴۔ پاکستان بنانے میں قائداعظم کے کردار کو واضح کرنا۔

ایک مدرس معاشرتی علوم کی کتاب سے جو درس پڑھاتا ہے تو اس کے بھی وہی مقاصد ہیں جو اردو مدرس نے لکھے ہیں۔ مضمون دو ہیں۔ اردو اور معاشرتی علوم۔ اگر دو مختلف مضامین ہیں تو مقاصد بھی مختلف ہوں گے۔ لہٰذا ایک مدرس ضرور غلطی پر ہے۔ اردو سبق کا بنیادی مقصد لسانی مہارتوں کا سیکھنا ہے۔ جب کہ معاشرتی علوم کے سبق کا بنیادی مقصد تاریخی حقائق و واقعات سے آگاہ کرنا ہے۔ لہٰذا سبق کا عنوان ایک ہونے کے باوجود مقاصد مضمون وار ہوں گے۔

کیونکہ تدریس زبان کی بنیادی لسانی مہارتیں حسب ذیل ہیں:۔

سننا	**Listening**
بولنا	**Speaking**
پڑھنا	**Reading**
لکھنا	**Writing**

اردو پڑھانے کے مقاصد قائداعظم کے سبق کے ذریعہ ان مہارتوں کو سکھانا مقصود ہو گا۔ قائداعظم کے سبق کے حوالے سے تدریس اردو کے حسب ذیل مقاصد متعین کیے جا سکتے ہیں۔

۱۔ طلباء قائداعظم کا سبق پڑھ کر قائداعظم کے متعلق زبانی گفتگو کر سکیں۔

۲۔ طلباء قائداعظم کی شخصیت کے متعلق چند جملے خود سے لکھ سکیں۔

۳۔ طلباء قائداعظم کی شخصیت سے متاثر ہو کر خود مواد تلاش کر کے پڑھ سکیں۔

۴۔ قائداعظم کے متعلق تقریر کریں وغیرہ وغیرہ۔

کیونکہ تدریس زبان دانی میں لسانی مہارتوں کے ذریعہ طلبہ میں درج ذیل استعداد پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے۔

۱۔ غور سے سننے اور سمجھنے کی مہارت کا پیدا ہونا۔

۲۔ صحیح طرح گفتگو کرسکنا۔صحیح جواب دینا۔

۳۔ لکھے ہوئے مواد کو پڑھ لینا۔

۴۔ اپنے تخیلات کو الفاظ کا جامہ دیکر زیر تحریر لانے کی صلاحیت پیدا ہونا۔

۵۔ تفہیم عبادت کی استعداد پیدا ہونا۔

۶۔ انشاء پردازی کی صلاحیت پیدا ہونا۔

۷۔ ذخیرہ الفاظ بنانے اور پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا۔

۸۔ زبان،قواعد اور اشاروں سے واقفیت ہونا۔

تدریس کو موثر اور دلچسپ بنانے کے لیے ماہرین نے کچھ اصول اور طریقے وضع کیے ہیں۔جن کا ذکر اس کتاب میں موجود ہے۔

◆◆◆

maablib.org

پوائنٹ نمبر ۳۲

بہتر تدریس کیسے ہو

کام کرنے کے دو اصول ہیں۔ اول یہ کہ خود میں کام کرنے کی تحریک پیدا ہو۔ کام کسی ذریعہ سے مسلط کر دیا گیا ہو۔ پہلے اصول میں کام کر کے خوشی ہوتی ہے۔ دوسرے اصول میں کام سے بوریت محسوس ہوتی ہے۔ خواہ ہر دو حالتوں میں کام یکساں ہو۔ اسی طرح تدریس بھی ایک کام ہے۔ تدریسی عمل سے دلچسپی ہو تو تدریس نہایت دلچسپ اور موثر ہوتی ہے۔ دلچسپی نہ ہو تو صورت حال مختلف ہوگی۔ مسئلہ تدریس کو بہتر کرنے کا ہے۔ اس عمل کا نفسیاتی پہلو جو بھی ہو مقصد مسئلہ کا حل تلاش کرنا ہے۔ ماہرین نے تحقیقات و مشاہدات کے عمل سے کچھ اصول وضع کیے ہیں۔

کسی بھی مہارت میں کمال پیدا کرنے کے لیے مشق کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ جس قدر مشق کی جائے گی وہ مہارت بہتر سے بہترین ہوگی۔ فارسی کی ایک مثل مشہور ہے کہ۔

گر ہمی خواہی کہ باشی خوش نویس

می نویس و می نویس و می نویس

(ترجمہ) اگر تو یہ چاہتا ہے کہ تو اچھا لکھنے لگے تو جس قدر لکھ سکتا ہے لکھتا رہ یعنی لکھنے کی مشق جاری رکھ۔ لہٰذا تدریس کو بہتر بنانے کا بنیادی اصول اس کی زیادہ سے زیادہ مشق (Practice) ہے۔ لیکن کسی کام کے کرنے سے پہلے بھی کچھ کرنا ہوتا ہے اور کام کی تکمیل کے بعد بھی۔ برٹرینڈ رسل (Burtrand Russel) کہتا ہے کہ ایک قاتل اقدام قتل سے پہلے پوری تیاری کرتا ہے لیکن قتل کرنے کے بعد اس کا کام ختم ہو جاتا ہے کیونکہ اس کا مقصد ختم ہو جاتا ہے اور اس کا کام اس کے لیے بعد میں کچھ کرنے کی کوئی راہ نہیں بتاتا۔ لیکن معمار تعمیر کرنے سے قبل بھی بڑی تیاریاں کرتا ہے اور تعمیر کے اصل عمل سے گذرنے کے بعد بھی اسے بہت کچھ کرنا ہوتا ہے۔ مثلاً

عمارت کی عمر بڑھانے کے طریقوں پر غور کرنا۔ عمارت کو پرکشش بنانا۔ عمارت کو اس طرح سنوارنا کہ وہ اس کا شاہکار بن کر تاریخ میں ہمیشہ کے لیے زندہ رہے۔ تاج محل بنانے والا بھی مر گیا۔ اس کا محرک بھی مر گیا۔ لیکن دونوں تاریخ کے صفحات میں زندہ و جاوید ہیں۔ اسی طرح مشق کے ساتھ ساتھ کچھ عوامل تدریس کے عمل سے پہلے اثر انداز ہوتے ہیں اور کچھ تدریسی عمل کے بعد جاری رہتے ہیں۔ ان عوامل پر غور کرتے ہیں۔ یہ ایک بہت لمبی بحث ہے لہٰذا انھیں اہم نکات کے حوالے سے دیکھا جا رہا ہے۔

قبل تدریس عوامل:۔

ا۔ رویہ (Attitude) تدریس بہتر بنانے کے لیے جن تبدیلیوں کی ضرورت ہے انھیں بخوشی تسلیم کیا جائے۔

۲۔ ضرورت کا احساس (Feeling of Need) تدریس کو بہتر بنانے کی ضرورت کو تسلیم کیا جائے۔

۳۔ کردار کی وضاحت (Defination of Behaviour) تدریس کو بہتر بنانے کے لیے کیا کردار ادا کرنا ہے۔ اس کی وضاحت کی ضرورت کو مان لینا۔

۴۔ مشاہداتی تفہیم (Understanding Through Observation) مشاہدات کے ذریعہ تدریس کے عمل کو بہتر بنانے کے لیے جو معلومات حاصل ہوں انھیں تسلیم کرنا۔

یہ وہ عوامل ہیں جن کا بہترین تدریس کے لیے قبول کر لینا ضروری ہے۔ اب دوران تدریس کے عوامل کا جائزہ لیتے ہیں۔

دوران تدریس عوامل:۔

ا۔ مشق کی حقیقت (Realism of Practice) مشق کے ذریعہ جو حقائق سامنے آئے ہیں انکی روشنی میں تدریس کی جائے۔

۲۔ (Control of Practice) مشق نے تدریس کی جو حدود متعین کی ہیں ان پر عمل کیا جائے۔

۳۔ مشق کی مرکزیت (Focus of Practice) مشق کے ذریعہ کون سا خاص عمل سامنے آیا ہے جسے اپنایا جائے۔

۴۔ مشق میں اختصار (Economy Practice) مشق کے ذریعہ جن غیر ضروری عوامل کی نفی ہوئی ہے انھیں ترک کیا جائے۔

۵۔ حقیقت کی طرف اقدام (Moving Towards Realism) حقیقت کی طرف اقدام کرتے ہوئے غیر ضروری مواد کو خارج کر دینا چاہیے۔

۶۔ مثبت مواقع کی تلاش (Seeking Of Positive Transfer) ایسا انداز اختیار کیا جائے کہ علم مثبت صورت میں منتقل ہو سکے۔

تدریس کو بہتر بنانے کے لیے دوران تدریس جن عوامل کو اپنانا چاہیے ان کا مختصر تعارف ہوا۔ اب تدریس کے بعد کے عوامل پر غور کرتے ہیں۔

<u>مابعد تدریسی عوامل:۔</u>

ا۔ مشاہدہ کرنا (Observe) تدریس کے دوران بغور مشاہدہ کیا جائے۔

۲۔ سنا جائے (Listen) تدریس کے دوران غور سے سنا جائے۔

۳۔ جائزہ (Test) تدریس کے دوران جائزہ لیا جائے۔

۴۔ سوال (Question) تدریس کے دوران سوال کیا جائے۔

تدریس کو بہتر بنانے کے لیے اگر کوئی سبق پڑھایا جائے تو دیگر اساتذہ سے کہا جائے کہ مندرجہ بالا عوامل کی روشنی میں سبق کا مشاہدہ کریں اور پھر مدرس کو بتائیں کہ اس کے سبق میں کون سی خامیاں تھیں اور کیا خوبیاں ہیں۔ ان کی روشنی میں تدریس کو بہتر بنایا جا سکے۔

عام تدریس کے لیے درج ذیل اقدامات پر غور کیا جائے۔

اقدامات:۔

۱۔ کلاس کا سائز — یعنی تعداد طلباء پر غور کیا جائے۔

۲۔ نوعیت سبق — یعنی کون سا مضمون ہے اور اس کے کیا لوازمات ہیں۔

۳۔ دورانیہ سبق — سبق کتنی دیر میں ختم کرنا ہے۔

۴۔ معاونات سبق — سبق کی تدریس کو موثر بنانے کے لیے کون سی تدریسی معاونات بلا قیمت یا کم قیمت پر دستیاب ہیں۔

۵۔ پڑھانے کے بعد طلباء کی اکتسابی کیفیت کا جائزہ کس نوعیت کا ہوگا۔

۶۔ سبق کے اختتام پر طلباء کے تاثرات نوٹ کیے جائیں۔

۷۔ تدریس کے اختتام پر طلباء کو کس طرح مصروف آموزش رکھا جا سکتا ہے۔

آخر میں یہ بھی جان لینا ضروری ہوتا ہے کہ تدریس کی دو نوعیتیں ہوتی ہیں۔

۱۔ **مکمل سبق کی تدریس (Lesson Teaching):۔**

تدریسی عمل کی کامیابی یا ناکامی کا جائزہ اختتام سبق پر لیا جاتا ہے۔ ایسی تدریس طلباء کی اکتسابی کیفیت کا جائزہ بھی سبق کے اختتام پر لیا جاتا ہے۔ یہی روایتی طریقہ تدریس ہے۔

۲۔ **جزوی سبق کی تدریس (Micro Teaching):۔**

سبق کے کئی مدارج (Step) بنائے جاتے ہیں۔ ہر درجہ کے اختتام پر تدریس کا جائزہ مبصرین لیتے رہتے ہیں اور طلباء کا اکتسابی جائزہ مدرس لیتا رہتا ہے۔ اس نوعیت کی تدریس کے لیے ایک مخصوص کمرہ ہوتا ہے۔ جس میں مدرس سبق دیتا ہے اور پیچھے دیوار میں (Opaque) اوپیک یعنی ایک طرف دکھائی دینے والا شیشہ لگا ہوتا ہے۔ جس کے پیچھے مبصرین بیٹھے سبق کا مشاہدہ کر رہے ہوتے ہیں۔ جس کا علم مدرس کو نہیں ہوتا ورنہ کچھ مدرس مبصرین سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔ جھجک جاتے ہیں۔ شرما جاتے ہیں۔ ساتھ ہی ویڈیو کیمرہ لگا ہوتا ہے جو مدرس کی تمام حرکات و سکنات کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔ سبق کے اختتام پر تبصرہ کا آغاز ہوتا ہے پھر مدرس کو اپنی ہر

قسم کی خامیوں اور خوبیوں کا علم ہو جاتا ہے۔اس طرح اسے اپنی تدریس بہتر بنانے کا موقع مل جاتا ہے۔جزوی تدریس کے ذریعہ پروگرامڈ انسٹرکشن (Programmed Instruction) ہوتی ہے۔اس کا تذکرہ "تدریس کیسے" کے یونٹ میں ہو چکا ہے۔

تدریسی حکمت عملی:۔

مختصر طور پر درج ذیل نکات عام حالات اور روزمرہ تدریس کے لیے مدرس کو گرہ گیر کر لینے چاہئیں۔

ا۔ طلباء کو سبق کے لیے تیار کرنا یعنی تحریک و آمادگی پیدا کرنا۔

۲۔ تدریس کا طریقہ اور تکنیک یعنی تدریس کا طریقہ کار۔

۳۔ دوران سبق طلباء کی ترقی کا جائزہ یعنی تشکیل جائزہ۔

۴۔ سبق میں طلباء کی باقاعدہ شرکت یعنی طلباء کی سرگرمیاں۔

۵۔ سبق کا اختتام یعنی طلباء کی ترقی کا کلی جائزہ اور سبق کے اہم نکات کا خلاصہ۔

اہم نکتہ:۔

تدریسی حکمت عملی میں دو الفاظ کو خصوصاً استعمال کیا جاتا ہے۔

ا۔ طریقہ تدریس **(Method of Teaching)**

۲۔ تدریسی تکنیک **(Technique of Teaching)**

اصطلاحاً دونوں الفاظ دو مختلف معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔کسی ایک مضمون کی تدریس کے طریقے یعنی (Method) ہوتے ہیں اور کسی مضمون کے کسی جزوی حصے کی تدریس کے لیے تکنیک (Technique) ہوتی ہے۔مثلاً ریاضی یا حساب پڑھانے کے لیے استخراجی طریقہ (Inductive) استعمال ہوتا ہے۔سائنس کے مضامین پڑھانے کے لیے لیبارٹری طریقہ (Laboratory Method) استعمال ہوتا ہے۔لیکن ریاضی کی کوئی خاص مہارت مثلاً ضرب، تقسیم، جمع تفریق یا اعشاری نظام وغیرہ پڑھانے کے لیے تکنیک استعمال ہوگی جو استخراجی

طریقے کے تابع ہوگی۔ اسی طرح سائنس میں حرارت، مقناطیس وغیرہ پڑھانے کے لیے تکنیک استعمال ہوگی لیکن یہ لیبارٹری طریقہ (Laboratory Method) کے تابع ہوگی۔ تکنیک وقت، ماحول، حالات، وسائل اور مدرس کی شخصیت کے مطابق بدلتی رہتی ہے۔ ایک مدرس ضرب مقرونی اشیاء کی مدد سے پڑھاتا ہے۔ دوسرا مدرس تختہ سیاہ اور چاک، ستک کی مدد سے پڑھاتا ہے۔ مقصد دونوں کا ضرب کی مہارت کی تفہیم، قبولیت اور اطلاق ہے۔

◆◆◆

maablib.org

یونٹ نمبر ۳۳

طلباء کی ضروریات

آج کل یہ بات عام ہے کہ ہمارا نصاب تعلیم طلباء کی ضروریات کو پورا نہیں کرتا کیونکہ نصاب طلباء کی ضروریات سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ جب بھی کوئی تعلیم و تدریس کا پروگرام مرتب کیا جاتا ہے تو اس بات پر خاص زور دیا جاتا ہے کہ اس پروگرام سے طلباء کی ضروریات کی تکمیل ہونی چاہیے۔ ہمارے ملک میں ہی نہیں سب ترقی یافتہ ممالک امریکہ، برطانیہ، روس، جرمنی اور جاپان میں تعلیمی نصاب سازی پر بڑی شد و مد کے ساتھ تحقیقات ہو رہی ہیں۔ اسی طرح کئی قسم کے نصاب وضع کیے گئے۔ ان پر تجربات کیے گئے۔ کچھ کامیاب ثابت ہوئے اور کچھ ناکام۔

ہم اگر اپنے ملک کے نصاب کا جائزہ لیں تو ہم دیکھیں گے کہ ۱۹۴۷ء سے اب تک نصاب میں نہ معلوم کتنی تبدیلیاں لائی جاتی رہی ہیں۔ ان کا تذکرہ نصاب سازی کے باب میں آچکا ہے۔ ہم نے تو اپنے نصاب کو ان تقاضوں کے مطابق نہیں ڈھالا جو ترقی پذیر ممالک نے اپنے یہاں کرلیا ہے۔

ہمارا نصاب مرکزی حیثیت کا حامل ہے لیکن ترقی پذیر ممالک میں نصاب علاقائی اور مقامی نوعیت کا رائج ہے۔ ان ممالک نے نصاب کی اس قدر اقسام بنالی ہیں کہ انھیں نصاب سازی کے لیے ماڈلز (Models) بنانے پڑے۔ صرف ایک ماڈل کا حوالہ نصاب کے بارے میں دیا گیا ہے۔ چنانچہ نصاب کو خانوں میں تقسیم کرتے ہوئے ان ممالک نے ایک نصاب کو طلباء کی ضروریات کی تکمیل کے لیے (Need Oriented) ضرورت کی تکمیل کا عنوان دیا ہے۔

ضرورتوں کی تکمیل کا نصاب بنانے سے پیشتر یہ جاننا ضروری ہے کہ طلباء کی ضروریات کیا ہیں۔ طلباء کی ضروریات کو ماہرین تعلیم نے رویوں میں منتقل (Translate) کیا۔ چونکہ رکی

تعلیم کی ابتداء پرائمری مدارس سے ہوتی ہے۔اس لیے بچوں کی ضروریات کی ایک فہرست مرتب کی گئی اور ماہرین نے اس پر پیشہ تدریس سے وابستہ لوگوں کی رائے معلوم کرنا شروع کی۔

اس ضمن میں کئی ایک تحقیقات ہوئیں۔ کیلی فورنیا یونی ورسٹی امریکہ میں ڈاکٹر سمتھ (Dr. Smith) کے ادارہ میں ۴ طلباء ایجوکیشن میں ڈاکٹریٹ کر رہے تھے۔اس نے ان چاروں طلباء کو مختلف کروں میں بٹھادیا اور ان سے کہا کہ وہ پرائمری مدارس کے تعلیمی مقاصد جن سے طلباء کی ضروریات پوری ہوتی ہوں کی ایک فہرست بنائیں۔انھیں ایک گھنٹہ کا وقت دیا گیا۔ایک گھنٹہ میں طالب علموں نے اپنی اپنی فہرست پروفیسر کے حوالہ کر دیں۔ایک ہفتہ گذر جانے کے بعد پروفیسر سمتھ نے پھر ان طلباء کو ایک فہرست بنانے کو کہا اور راہنمائی کے لیے پہلے والی فہرستیں ایک دوسرے کو دیں۔مثلاً A کی فہرست B کو دیدی اور B کی E کو اور E اور B کو D اور A کی دے دیں۔انھوں نے پھر فہرستیں مرتب کیں اور پروفیسر کے حوالے کر دیں۔ چونکہ طلباء ایک دوسرے کی تیار کردہ فہرستیں دیکھ چکے تھے اس لیے تیسرے ہفتہ انہی طلباء کو ان کی بنائی ہوئی پہلی فہرستیں دے دیں کہ انھیں دیکھ کر پھر ان مقاصد کی فہرستیں بنائیں۔اب پروفیسر نے تینوں فہرستوں کا تجزیہ کیا تو اس کے سامنے یہ بات آئی کہ بہت سی ایسی تجاویز جو طالب علموں نے لکھی تھیں۔فہرست سے خارج کر دیں اور ان کی جگہ نئی تجاویز دیں۔ پروفیسر نے اختتامی تجزیہ کے بعد طلبا پر یہ واضح کیا کہ انھوں نے تقریباً ۱۳۰ تجاویز دی تھیں۔ جنھیں اس نے گروپ کر کے ۲۰ بنا دیا اور یہ طے پایا کہ پرائمری جماعت کا نصاب ان ۲۰ مقاصد کے تحت مرتب کیا جائے تو طلباء کی ضرورتوں کی تکمیل ہوگی لیکن ڈاکٹر سمتھ نے اپنی رپورٹ میں یہ بھی لکھا کہ یہ بیس مقاصد زیادہ تر مضامین کی تدریس سے متعلق تھے۔ تعلیمی مقاصد نہیں تھے۔اس واقعہ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مضامین کی تدریس سے طلباء کی تعلیمی ضروریات پوری نہیں ہوتیں۔ جسے اساتذہ نصاب کو تعلیمی ضرورت سمجھ کر پڑھاتے ہیں وہ یہ غلطی کرتے ہیں کہ تدریس ہماری منزل نہیں ہے بلکہ اصل مقصد تعلیم ہے اور تعلیم کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے تدریس کی جاتی ہے۔مضامین کی تدریس سے

طلباء کی تعلیمی ضروریات پوری نہیں ہوتیں اب دیکھنا یہ ہے کہ بچوں کی تعلیمی ضروریات کیا ہیں؟ تعلیم کیا ہے؟ تدریس کیا ہے؟ تدریس کے مقاصد کیا ہیں؟ حوالہ کے لیے سابقہ یونٹوں سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ یہاں پر پہلے بچوں کی تعلیمی ضروریات کی تکمیل کا ذکر ضروری ہے۔ بعد ازاں اس امر کا جائزہ لیا جا سکے گا۔ ان ضروریات کی تکمیل کے لیے کیسا لائحہ عمل مرتب کیا جا سکتا ہے۔ تعلیمی ضروریات کا ذکر کرنے سے پہلے بچوں کی بنیادی ضروریات کا تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

طلباء کی بنیادی ضرورت:۔

تعلیم کے تمام مقاصد کو یکجا کرنے کے بعد ماہرین تعلیم نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ تعلیم سے ہمارا منتہائے مقصود بچے کی ہمہ گیر نشوونما (Harmonious Development) ہے۔ اس نشوونما کے لیے ہم تعلیم کے مختلف ذرائع استعمال کرتے ہیں۔ ہمہ گیر نشوونما کی تکمیل اسی صورت میں ممکن ہے کہ طلباء کی بنیادی ضرورتوں کا خیال رکھا جائے اور تعلیمی پروگرام اسی کے گرد گھومنا چاہیے۔ ماہرین نے ان ضروریات کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

جسمانی ضرورت (Physical Need):

اس میں کوئی شک نہیں کہ جسمانی ضرورتوں کی تکمیل کی ذمہ داری سب سے پہلے گھر اور والدین پر عائد ہوتی ہے۔ جسم و جاں کے رشتہ کو قائم رکھنا انسان کے لیے ضروری ہے۔ اس کے لیے صرف خوراک نہیں بلکہ لباس، صحت اور اچھے ماحول کی ضرورت ہے۔ اس ضرورت کی تکمیل صرف والدین کی ذمہ داری نہیں بلکہ تعلیمی اداروں کی بھی ذمہ داری ہے۔ وہ خوراک و لباس تو مہیا نہیں کر سکتے لیکن صاف ستھرا ماحول، تازہ ہوا اور روشنی کا اہتمام تو کر سکتے ہیں تا کہ طلباء کی جسمانی ضرورت کا خیال نہ صرف گھر بلکہ مدرسہ میں بھی رکھا جائے۔

معاشرتی ضرورت (Social Need):

انگریزی کی مثل ہے کہ (Man is a Social Animal) جانوروں سے اس

لیے ملا دیا گیا کہ جانور اپنے ریوڑوں اور گروہ میں رہتے ہیں۔ انسان میں بھی خدا نے یہ خصوصیات ودیعت کی ہیں۔ وہ تنہائی میں زندگی نہیں گزار سکتا۔ بچہ خود کو تنہا محسوس کر کے خوف سے رونے اور چیخنے لگتا ہے۔ مل جل کر ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گذارنے کے عمل سے گریز نہیں کیا جاسکتا۔ یہ فطری ضرورت ہے۔ انسان ایسے ماحول میں رہنا چاہتا ہے۔ جہاں وہ چار لوگوں میں رہے تبادلہ خیال کرے۔ اپنے حرکات وسکنات پر داد حاصل کرے۔ اس لیے تعلیم کے ماحول میں بھی ایسے ایسے مواقع مہیا کرنا ہوں گے جس سے وہ معاشرتی زندگی کے آداب بھی سیکھ سکے اور خوش اسلوبی سے اپنی زندگی گذار سکے۔

تحفظ کی ضرورت (Safety Need):

بچہ دنیا میں آتے ہی آغوش مادر کی گرمی کو محسوس کر کے خود کو محفوظ سمجھنے لگتا ہے۔ جب بھی اسے وہ گرمی محسوس نہیں ہوتی۔ وہ خود کو غیر محفوظ سمجھنے لگتا ہے۔ عملی زندگی میں اسے تحفظ کا احساس شدت سے ہوتا ہے۔ گھر سے نکل کر مدرسہ آتے وقت وہ گھبراتا ہے۔ رفتہ رفتہ مدرسہ کے ماحول سے وہ مانوس ہو جاتا ہے۔ استاد کا مشفقانہ رویہ مدرسہ کا دوستانہ ماحول، ہم جماعتوں اور ہم جولیوں کی ہمدردیاں اور دوستیاں جیسے ماحول اسے احساس تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ اپنا تعلیمی پروگرام سکون واطمینان کے ساتھ مکمل کر رہا ہوتا ہے۔ اسے بھی بچے دیکھتے ہیں۔ جو گھر کی بجائے سکول کو زیادہ محفوظ جگہ سمجھتے ہوے سکول سے گھر واپس جانے کا نام ہی نہیں لیتے۔ تعلیمی نظام اگر بچے کی اس ضرورت کی تکمیل نہیں کرتا تو وہ نظام درست نہیں۔ بچے کے لیے وہ نظام بے معنی ہوتا ہے۔

عزت نفس کی ضرورت (Self Respect Need):

ذات کا احساس اس کا احترام اور برتری ہر فرد کی ضرورت ہے۔ کوئی شخص بھی اپنی ذات کو کمتر یا کم مایہ نہیں سمجھتا۔ گھر ہو یا مدرسہ بچہ اپنی عزت نفس کا اظہار کسی نہ کسی طور کرتا رہتا ہے۔ اپنی مرضی کے خلاف کوئی بات ہو تو رو پڑتا ہے۔ روٹھ جاتا ہے۔ کسی نہ کسی طرح احتجاج ضرور کرتا

ہے۔ تعلیم کا نظام بچے کی عزت نفس کے احساس کو بحال رکھنے میں نہایت موثر و فعال کردار ادا کرتا ہے۔ وہ کبھی کلاس کا مانیٹر ہوتا ہے تو کبھی کسی ٹیم کا کپتان، کبھی بزم ادب کا سیکریٹری تو کبھی ڈیبیٹر، کبھی شاعر تو کبھی نعت خواں، کبھی قاری تو کبھی حافظ قرآن گویا تعلیمی پروگرام بچے کی عزت نفس کی ضرورت کی تکمیل نہ کرے تو وہ غیر موثر ہوگا۔

تعلیمی ضرورت (Educational Need):

تعلیم کرداری رویوں میں خاطر خواہ تبدیلی لانے کا ایک موثر ذریعہ ہے۔ چنانچہ طلباء کی تعلیمی ضرورتیں اسی وقت پوری ہوسکیں گی جب ان کے رویوں میں خاطر خواہ تبدیلیاں رونما ہوں گی۔ تعلیم یافتہ انسان معاشرے میں اپنی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ اپنی شناخت کرواتا ہے۔ خود کو معاشرے کا مفید اور پیداواری رکن ثابت کرتا ہے۔ لہٰذا طلباء کی تعلیمی ضرورت کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ بولنے اور اپنے مافی الضمیر کو تحریری وزبانی طور پر ادا کرنے کی صلاحیت پیدا ہونا۔

۲۔ روزمرہ کی زندگی میں عام نوعیت کے حساب کتاب کے مسائل حل کرنا۔

۳۔ قوت مشاہدہ کو کام میں لاتے ہوئے حالات کا تجزیہ و تبصرہ کرکے اپنی رائے کا اظہار کرنا۔

۴۔ سائنسی بنیادوں پر استدلال کرنا اور نتائج اخذ کرنا۔

۵۔ حالات اور ماحول کے مطابق خود کو ڈھالنا۔

۶۔ معاشرے میں فعال رکن کی حیثیت سے مثبت کردار ادا کرنا۔

◆◆◆

maablib.org

یونٹ نمبر ۳۴

معالجاتی تدریس

تدریس کے لیے کوئی لگا بندھا اصول نہیں ہے۔ کیونکہ کمرہ جماعت میں ذہنی، معاشی اور معاشرتی اختلافات رکھنے والے بچوں کا ایک گروپ ہوتا ہے۔ ذہنی اعتبار سے:

سست رفتار (Slow Learner) بچے ہوتے ہیں انھیں کند ذہن نہیں کہا جاسکتا۔

تیز رفتار (Fast Learner) بچے ہوتے ہیں انھیں غیر معمولی یا بہت ذہین نہیں کہا جاسکتا۔

اوسط رفتار (Mediocre Learner) بچے ہوتے ہیں انھیں نارمل بچے کہا جاتا ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ تمام بچے تمام مضامین میں یکساں رفتار کے مطابق سیکھ سکیں۔ ٹیسٹ لیے جانے پر طلباء کی تعلیمی کیفیت کا پتہ چلتا ہے۔ کسی مضمون میں اگر طلباء کی کیفیت غیر تسلی بخش ہو تو اسے اس مضمون میں ناکام ہونے کی بناء پر سالانہ امتحان کے بعد اسی جماعت میں روکا نہیں جا سکتا نیز دوران سال ان طلباء کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ ادارہ ان کے لیے مخصوص انتظامات کرتا ہے۔ اس خصوصی انتظام کو اصطلاحی زبان میں تشخیصی طریقہ تدریس (D.P.T.Method) کہتے ہیں۔

تشخیصی طریقہ تدریس (D.P.T. Method):

تدریس کا یہ ایک ایسا ہی طریقہ ہے جیسے ہسپتال میں مریض کو نازک حالت میں وارڈ سے نکال کر I.C.U یعنی (Intensive Care Unit) میں بھیج دیا جاتا ہے جہاں اس کا خصوصی علاج ہوتا ہے۔ تاکہ اس کی جان بچائی جا سکے۔ اسی طرح مدرس ایسے طلباء کے لیے ان کی تدریس کا خاص لائحہ عمل تیار کرتا ہے۔ جس کے تین مدارج ہیں۔

ا۔ **طلباء کے کیومولیٹو ریکارڈ (Cumulative Record) یا پراگرس رپورٹ**

سے اس کے مرض کی تشخیص کرتا ہے۔ طلباء کے مضامین میں ناکام رہنے کی وجوہات کا تعین
کرتا ہے۔ اسے تشخیصی منزل (Diagnostic Stage) کہتے ہیں۔

۲۔ تشخیصی معلومات کے مطابق وہ ان کی تدریس کے لیے سپیشل پروگرام تیار کرتا ہے
جسے نسخہ (Prescription) کہتے ہیں۔

۳۔ نسخہ تیار کر لینے کے بعد وہ انکی تدریس کا عملی پروگرام یعنی تدریس
(Teaching) شروع کر دیتا ہے۔

ان تینوں مدارج کو مختصراً تشخیصی طریقہ تدریس (D.P.T. Method) کہتے ہیں۔

اس قسم کی تدریس کو معالجاتی تدریس (Remedial Teaching) میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ طلباء کی تعلیمی خامیوں کا علاج اسی طریقہ تدریس کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ معالجاتی تدریس میں تدریس کا دورانیہ زیادہ لمبا نہیں ہوتا۔ اس لیے اس طریقہ میں ماہرین جزوی تدریس (Micro Teaching) کی تکنیک استعمال کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک تجرباتی منصوبہ مرکز تحقیق وترقی نصاب لاہور نے ورلڈ بینک کے مالی تعاون سے حال ہی میں مکمل کیا ہے۔ ملک کے دیگر صوبوں نے بھی اس منصوبے پر کام کیا ہے۔

جن اداروں میں معالجاتی تدریس کا اہتمام ہوتا ہے۔ وہاں کا لائبریرین نہایت ٹرینڈ اور ماہر ہوتا ہے۔ وہ معالجاتی تدریس میں تربیت یافتہ ہوتا ہے۔ اس قسم کی تدریس کے لیے لائبریری استعمال کی جاتی ہے۔ آسٹریلیا میں معالجاتی تدریس اور جزوی تدریس کے علیحدہ ادارے ہیں۔ سکولوں کے بچوں کو انہی اداروں میں کچھ مدت کے لیے بھیج دیا جاتا ہے۔ جب ان کی تعلیمی حالت درست ہو جاتی ہے تو انھیں ان کے سکولوں میں واپس بھیج دیا جاتا ہے۔ ملائشیا میں طریقہ کار مختلف ہے اور یہ کام وہاں کے اسکولوں کی سپروائزروں کی ایک ٹیم کرتی ہے۔ جس علاقہ کے اسکولوں کے بچے کسی مضمون میں زیادہ تعداد میں ناکام ہو جاتے ہیں ان علاقوں میں سپروائزر اور ماہرین مضامین کیمپ لگا لیتے ہیں اور حالات کو درست کر کے وہاں سے آتے ہیں۔ وہاں کی

اصطلاح میں اس طریقہ کو (Mopping up) پروگرام (Mopup) کہتے ہیں۔

یہ ایک بہت طویل اور دلچسپ بحث ہے۔ ترقی پذیر ممالک میں طلباء کی تعلیم وتربیت کو بہتر بنانے کے لیے مختلف طریقے وضع کیے جا چکے ہیں۔ ان کا ذکر کرنے کی بجائے تربیتی ورکشاپس ہی مفید ہو سکتی ہیں کہ ۔

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

یعنی سننے اور دیکھنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

◆◆◆

maablib.org

یونٹ نمبر ۳۵

معالجاتی تفریحی تدریس

کمرہ جماعت میں انفرادی صلاحیت رکھنے والے بچے ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں ایسے بچے بھی ہوتے ہیں جن کے ساتھ کچھ مسائل ہوتے ہیں۔ یہ مسائل طبعاً یا حادثاتی طور پر ان بچوں کو پیش آتے ہیں۔ مثلاً ذہنی طور پر معذور، جسمانی طور پر معذور، کم سننے والے، کم دیکھنے والے اور لکنت والے بچے۔ بعض بچے عمر سے کہیں زیادہ ذہین اور باصلاحیت ہوتے ہیں۔ مدرس کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے بچوں کی شناخت کرے اور انھیں تدریس کے لیے ایک ہی لاٹھی سے نہ ہانکیں۔ اس سے خود مدرس کے لیے بھی مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔ نیز یہ بچے تمام بچوں کی تدریس کے دوران مسائل پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ ایسے بچوں کی تدریس کے دوران مسائل پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ ایسے بچوں کو قابو میں لانا۔ آموزش کے لیے انھیں آمادہ کرنا نہایت مشکل امر ہوتا ہے۔ کھیل اور تفریح ایک ایسا مشغلہ ہے جس میں ہر ایک دلچسپی رکھتا ہے۔ چنانچہ ماہرین نے معالجاتی تدریس جس پر سابقہ یونٹ میں بحث ہو چکی ہے۔ معالجاتی تفریحی تدریس کے طریقے وضع کیے ہیں۔ معالجاتی تفریحی تدریس کی ضرورت کیوں محسوس ہوتی ہے اس کے اسباب حسب ذیل ہیں۔

معالجاتی تفریحی تدریس کس کے لیے:

۱۔ ایسے بچے جنھیں گھر پر تفریح کے مواقع میسر نہیں آتے۔

۲۔ ایسے بچے جو گھر پر والدین کی توجہ سے محروم ہوتے ہیں۔

۳۔ ایسے بچے جو گروہی مشاغل میں تعاون نہیں کرتے۔

۴۔ ایسے بچے جنھیں اپنی زائد جسمانی قوت (Surplus Energy) کے اخراج کا

موقع نہیں ملتا۔

۵۔ ایسے بچے جو جذباتی ہیجان کا شکار ہوتے ہیں۔

۶۔ ایسے بچے جو کمرہ جماعت میں تدریس کے دوران شرارتیں کرتے ہیں۔

۷۔ ایسے بچے جو خود کو تنہا ہونے کا اظہار کرتے ہیں۔

۸۔ ایسے بچے جن میں قوت فیصلہ کی کمی اور فوراً ردعمل ظاہر کرنے میں سستی دکھاتے ہیں۔

۹۔ ایسے بچے جو بلاوجہ اپنے ہم جماعتوں سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔

۱۰۔ ایسے بچے جن کی ذہانت معیار سے کم ہوتی ہے۔

یہ وہ واضح اسباب ہیں جن کا ادراک مدرس بہ آسانی کر سکتا ہے۔ علاوہ ازیں بہت سے اسباب موقع اور حالات کے مطابق ظاہر ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے مدرس کا کردار ایک طبیب یا ڈاکٹر کا ہوتا ہے۔ جو بچے کے مرض کی تشخیص کر کے مناسب حسب حال نسخہ دیتا ہے۔ شعوری طور پر ایسے بچوں کو آموزش کی طرف مائل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ لہٰذا تفریحی علاج ہی اس مسئلے کا مناسب حل ہے۔

تفریح کیا ہے:

عام طور پر تفریح فارغ وقت میں دلچسپ اور پسندیدہ مشاغل میں مصروف ہونے کو کہتے ہیں۔ تدریسی تفریح سے مراد ہر طالب علم کے لیے مختلف تفریح کا سامان پیدا کرنا ہوتا ہے۔ تفریح کو کچھ ماہرین خوشی حاصل کرنے کا مشغلہ بتاتے ہیں۔ اور کچھ پسندیدہ کام کو تفریح کہتے ہیں۔ ہر دو صورتوں میں دلچسپی کا عنصر پوشیدہ ہے۔ تدریسی مقاصد کے لیے تفریح کا استعمال مدرس کی صلاحیت اور چابک دستی پر منحصر ہے۔

تدریس میں تفریح کیسے ہو:

تفریحی تدریس نفسیاتی طریقہ تدریس ہے۔ تفریحی مشاغل میں مصروفیت کے دوران طلباء کو خود کے اندر پوشیدہ رویوں کے اظہار کا موقع ملتا ہے۔ اور اس طرح وہ خود اپنا تجزیہ کر رہے

ہوتے ہیں۔ بچے اپنے ظاہری کرداری رویوں کو کھیل اور تفریح کے دوران مثبت سمت میں لے جا رہے ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ اس بیماری کا جوان میں ہوتی ہے (ذہنی یا بدنی) خود بخود علاج کر رہے ہوتے ہیں۔ جوان کے کردار سے ظاہر ہوتی ہے۔

تدریسی تفریحی مشاغل کیا ہیں:

ماہر تعلیمی نفسیات ولمار جو بش (Wilmar JoBush) نے بہت سے تفریحی مشاغل کی نشاندہی کی ہے۔ ان کی فہرست درج ذیل ہے۔ مدرسین حضرات ماحول اور وسائل کے مطابق انھیں اپنے طرز پر بھی ڈھال سکتے ہیں۔ ہومیوڈاکٹر سمانہ ذیشان نے ان تدریسی تفریحی کھیلوں کو اپنے مطالعہ کے دوران پڑھا اور یہ محسوس کرتے ہوئے کہ ہمارے مدرسین کے لیے یہ نہایت دلچسپ ہیں۔ انھوں نے تدریسی نسخہ کے لیے پیش کیا۔ انگریزی کی بہت سی اصطلاحات کا اگر ترجمہ کر دیا جائے تو اصل معنویت باقی نہیں رہتی۔ جس سے عبارت کا صحیح مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ نیز ان کا ترجمہ اردو میں بہت مشکل ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ تدریسی تفریحات مصنف کی زبان انگریزی میں ہی درج کی جاری ہیں۔ یہ تفریحی مشاغل درجہ دار تجویز کی گئی ہیں۔ اساتذہ صاحبان اس سے ملتی جلتی تفریحی مشاغل خود بھی وضع کر سکتے ہیں۔

Sports and Games

Grade 1

1. ***Ringmaster:*** Players form a circle, with one player, called the Ringmaster, in the center. The Ring Master pretends to snap a whip and calls out the name of an animal. All those in the circle imitate the animal named. This procedure continiues with different animals. Finally the Ringmaster calls, We will all join in the circus parade, and

everyone moves around the circle imitating any animal. Ringmaster then chooses another player to take his place.

2. ***Bouncing Ball:*** Children choose partners, with one becoming a ball and the other the bouncer. The one who is the bouncer pushes on the partner's head as he would in bouncing a ball. The partner does a deep-kee-bend and returns to standing positionl.

3. **Circle Ball:** Players form a circle with a leader in the center. The leader tosses the ball to each player in the circle, who then tosses it back. When the leader drops the ball, he exchanges places with a player in the circle.

Grade 2

1. ***Circle Relay:*** Players form circles of six to eight players. Number one in each circle is given a handkerchief. He runs to his right around the circle and gives the handkerchief to Number Two, who repeats the same procedure. The relay continues until each person has had a turn. The first circle to finish is the winner.

2. ***Elephant Walk:*** Each child stands and bends forward at the waist . He clasps his hands and lets his arms hang in imitation of an elephant's trunk. The arms are swung

from side to side as th child walks with back rounded and knees slightly bent.

3. ***Target Toss:*** Players form a group of four to eight. Each group has a beanbag and a circle drawn on th floor. Each group forms a staight line twenty feet from the circle. Each child tosses the beanbag at the target and receives one point for getting it in the circle. The group with the greatest number of points at the end of the playing time wins.

Grade 3

1. ***Call Ball:*** Six to ten players form a circle. One playerwho is in the centeris 'IT'. He tosses the ball inteo the air and calls a player's name. This player must catch the ball before it bounces more than once. If the player succeeds, he becomes the new it. If not, the one in the center remains until a player successfully catches the ball.

2. ***Hop Tag:*** Eight to ten players spread around the playing area. One player who is 'IT' hops around trying to tag another player who is also hopping. When another player is tagged, he becomes the new 'IT'.

3. ***Three Deep:*** Two circles of from ten to twenty-five players are formed with one circle inside the other.

Each child in the inside circle stands directly in front of a child in the outside circle. One child is chosen to chase another around the outside of the circles. The one being chased may step in front of a child on the inside circle to avoid being tagged. The outside player of this group then becomes the one being chased. If the runner is taggd, he turns and chases the tagger.

Grade 4

1. ***Post Ball:*** Two or more teams participate. They form parallel lines, team-mates one behind the other, about three feet apart. A leader stands facing each line, about twelve feet away. On signal, the leader toses a ball to the firsty player in the line, who catches it throws the ball back, and squats in line. The leader repeats the same procedure wiht each one in the line. The team finishing first and dropping the ball the least number of times wins the game.

2. ***Chain Tag:*** One player is 'IT'. He tags another player, and the two join hands and run to 'IT' tag other players. Each player who is tagged joins the chain at the end. Hands must remain joined and the players at the end. Hands must remain joined and the players at the beginning and end of

the chain are allowed to tag.

3. ***Circle Weave Relay:*** Players form circles, six to eight players to each. One player form each circle starts the relay by running to the outside of the player to his right, to the inside of the next, and continues weaving in this pattern around the circle to the starting position. He tags the next player to his right, who similarly runs to his right around th circle. The relay continues until everyone in the circle has had his turn. The team to complete the relay first is the winner.

Grade 5

1. ***Bull in the Ring:*** Ten to twelve plyers form a circle with hands joined. One player, the Bull, is inside this circle. The Bull tries to break through the circle or slip under the hands. If he gets out, all players chase him. The player who did the tagging becomes the new Bull. The Bull is allowed three tries to break through. If he fails, he chooses the new Bull.

2. ***Leap Frog:*** Players take squatting positions four to five feet apart in a line. One player runs toward the end of the line and leaps over each player in succession by placing his hands, fingers forward, on the player's shoulders and

pushing off as he jumps. When he reaches the front of the line, he squats down. The last person in the line rises and follows the same procedure until everyone has had an opportunity to leap the entire line. This could also be played in teams or in relay races.

3. ***Bat Ball:*** Players divide into two teams, one at bat and one in the field. A volleyball or soccer ball is used. The first player at bat hits the ball into the field and runs to a base and home. If the player makes the complete trip without the fielder catching the fly or hitting him below the waist with teh ball, one run is scored. Three outs and teams change. The team with the most runs wins. The bat and ball could be plastic.

Grade 6

1. ***Hot Potato:*** Players form a Circle with six to twenty players in each circle. Players all sit cross-legged and roll or punch balls acrossthe circle . Three or four balls are kept going the circle. Tch player permitting the least number of balls to go through the circle wins. An extra player retrieves all the balls going out of the circle. No ball hiegher than the shoulders counts. Balls may not be bounced or thrown.

2. ***Walking Chairs:*** Children form a line, standing behind each other with their hands on the waist of the one in front. All bend knees to sit on the knees of the one behind. Last person must balance himself in the sitting position; they rock forward and backward.

3. ***Chinese Stand Up:*** Partners stand back-to-back and lock elbows with each other. They push against each other's back and with small steps walk forward and sit on the floor. To stand up, the partners keep arms locked and bend the knees with the feet close to the body. They brace their back up against each other's back, extend legs, and come to a standing position.

Grade 7

1. ***Indian Wrestle:*** Partners stand facing opposite directions beside each other. The outsides of the right feet are placed together. Right hands are joined. The two players push pull until one person's right foot is lifted from position. The person whose right foot remains in position wins.

2. ***Line Dodge Ball:*** Players standing side-by-side form two lines twenty feet apart with a four-foot

square drawn in the middle. One person stands in this box, and the other players take turns trying to hit him below the waist with the ball. The player may dodge the ball but must keep one foot in the box. When hit, the player changes places with the one who hit him.

3. ***Hand Wrestle:*** Partners lie on their abdomens on the floor, facing each other with their right hands grasped and right elbows together. They push on each other's hand, attempting to force the opponent's hand to the floor. The one forcing the other's hand down wins.

Grade 8

1. ***Wheelbarrow:*** Partners stand, one behind the other, facing the same way. The one in font places his hands on floor while the one behind lifts his legs at the knees. The first child walks forward on his hands and with his partner holding his legs in wheelbarrow fashion. This can be used in teams or in relay races.

2. ***Tug Pick-Up:*** Two people hold a six-foot rope at opposite ends. A block is placed six inches behind each person. On a signal, each player tries to pick up the block behind him. Releasing the rope or permitting the other player

to reach the block gives one point to the winner. One match consists of three points.

3. ***Indian Leg Wrestle:*** Partner lie side-by-side on their backs, facing opposite directions. The right arms are locked together. On signal the partners raise right legs and lock knees. They attempt to throw each other over by pushing, pulling, or shoving. A match consists of two out of three victories.

◆◆◆

maablib.org

یونٹ نمبر ۳۶

اسباق کی منصوبہ بندی

کسی کام کو کرنے سے پہلے اگر اس کی منصوبہ بندی کر لی جائے تو کام نہایت اعلیٰ اور تسلی بخش ہوتا ہے۔ روزانہ کے کسی معمولی سے معمولی کام کو لیجیے۔ مثلاً آپ کو مختلف قسم کی اشیاء ضرورت خریدنا ہیں اور وہ تمام اشیاء ایک جگہ سے نہیں مل سکتیں آپ ایک لسٹ بنائیے پھر اسے اس طرح ترتیب دیجیے۔ گھر سے نکلنے کے بعد کونسی چیز پہلے خریدی جا سکتی ہے اور کون سی چیز اس کے بعد اور علیٰ حذاالقیاس تمام اشیاء کی ترتیب ہو جائے تو وقت بھی کم لگتا ہے، سواری پر پیسہ بھی کم خرچ ہوگا اور زیادہ تکان بھی نہیں ہوگی۔ اسی طرح بطور مدرس آپ کا روزانہ کا کام بچوں کو پڑھانا ہے اگر گھر سے بغیر غور و فکر سکول چلے جائیں اور کلاس روم میں داخل ہو جائیں تو پھر کچھ سمجھ میں نہ آئے گا کہ کیا پڑھانا ہے کہاں سے شروع کرنا ہے پڑھانے کے لیے کون سا طریقہ اختیار کرنا ہے اس طرح تدریس غیر موثر اور بے نتیجہ ہوگی۔ لہٰذا اسباق کی منصوبہ بندی مدرس اپنی سہولت کے لیے کرتا ہے۔ جس سے تدریس موثر اور خاطر خواہ نتائج کی حامل ہوتی ہے۔

یہ سائنسی دور ہے۔ تحقیق و تجربات کے عمل سے ہمارا ہر منصوبہ گزر رہا ہے۔ ماہرین تعلیم نے مدرس کی سہولت کے لیے نہایت مختصر طریقہ اسباق کی منصوبہ بندی کا وضع کیا ہے۔ کالجوں میں ٹریننگ کے دوران اسباق کی منصوبہ بندی کے لیے جو طریقے بتائے جاتے ہیں۔ وہ مثالی ہوتے ہیں۔ کوئی بھی مدرس روزانہ کی تدریس میں ان پر عمل نہیں کر سکتا۔ لیکن بغیر منصوبہ بندی کے گزارہ بھی نہیں ہے۔ چنانچہ روایتی (Traditional) طریقوں سے ہٹ کر اسباق کی مفید و موثر مگر مختصر منصوبہ بندی کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اسباق کی منصوبہ بندی کرتے وقت مدرس کے ذہن میں درج ذیل نکات کا ہونا نہایت ضروری ہے۔

کیا پڑھاتا ہے؟

کیوں پڑھاتا ہے؟

کیسے پڑھاتا ہے؟ **[illegible]**

کسے پڑھاتا ہے؟

کہاں پڑھاتا ہے؟

کیا پڑھاتا ہے؟

پڑھانے کے لیے مضمون کا تعین کر لینا ضروری ہے۔

کیوں پڑھاتا ہے؟

پڑھانے کا مقصد فیل یا پاس کرنا نہیں ہوتا بلکہ پڑھانے کا مقصد مضمون کے ذریعے طلباء کے کسی شعور یا کردار کی تربیت ہے۔ مثلاً ریاضی پڑھانے سے ذہنی صلاحیت کی تربیت ہوتی ہے۔ زبان پڑھانے سے طلباء بولنا، پڑھنا اور لکھنا سیکھتے ہیں۔ اگر اردو کی کتاب میں ہم قائداعظم کا سبق پڑھا کر طلبہ سے قائداعظم کے متعلق سوال کرتے ہیں تو ہم نے اردو نہیں پڑھائی بلکہ معاشرتی علوم پڑھائی ہے۔ اردو پڑھا کر ہمیں ان کے لکھنے پڑھنے اور بولنے کی صلاحیت کا جائزہ لینا ہوگا۔

کیسے پڑھاتا ہے؟

اس موضوع پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ مدرس کو طے کرنا ہے کہ اس کی کلاس کے طلباء کس طرح کامیابی کے ساتھ اس کا پڑھایا ہوا سبق سمجھ سکتے ہیں۔ اب مدرس کو طریقہ ہائے تدریس کا علم ہونا بھی ضروری ہے۔

کسے پڑھاتا ہے؟

پہلی جماعت کے بچوں کو بھی قائداعظم یا اللہ کے متعلق پڑھایا جاتا ہے اور پانچویں جماعت کے بچوں کو بھی وہی سبق پڑھایا جاتا ہے۔ نہایت واضح مثال یہ ہے کہ انگریزی میں پہلی

جماعت سے بی۔ اے تک لازمی مضمون کی حیثیت سے پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے ہر جماعت میں کیا فرق ہوتا ہے اور ایسا کیوں ہوتا ہے۔ لیاقت اور استعداد کا تعلق طبعی عمر سے بھی ہوتا ہے۔ طبعی عمر کے ساتھ ذہنی عمر بڑھتی ہے کوئی بہت ذہین ہو تو اسے اپنی عمر سے زیادہ ذہین کہتے ہیں۔ کوئی کند ذہن ہو تو اسے اپنی عمر سے پیچھے کہا جاتا ہے۔ اسی لیے جو کچھ پڑھایا جاتا ہے اس کے لیے عمر کی درجہ بندی کی جاتی ہے۔ پہلی جماعت میں ۵ سال کا بچہ داخل ہوتا ہے۔ چھٹی کلاس میں دس سال کا اور دسویں میں تیرہ سال کا۔ اسی عمر کے مضمون کا معیار اور اس کی مقدار مقرر ہوتی ہے۔ جو طریقہ تدریس چھوٹے بچوں کے لیے ہے۔ وہی بڑے بچوں کے لیے نہیں ہوگا۔

کہاں پڑھاتا ہے؟

ماحول کا تدریس پر بہت اثر ہوتا ہے۔ کمرہ جماعت میں پڑھانا کھلے میدان میں پڑھانا۔ سمندر کے متعلق کلفٹن پر لے جا کر پڑھانا، داتا صاحب کے متعلق ان کے دربار پر لے جا کر پڑھانا۔ بادشاہی مسجد کے متعلق بادشاہی مسجد لے جا کر پڑھانا۔ ہر ماحول میں پڑھانے کا اثر ماحول کے مطابق ہے اور اس سے تدریس کا عمل متاثر ہوگا۔ مثلاً مدرسوں کا شہروں، بستیوں، جنگلوں اور آبادیوں میں ہونا نفسیاتی طور پر محسوس ہے۔ تعلیمی اداروں کا پرسکون اور کھلی فضا میں ہونا نہایت ضروری ہے کیونکہ مدرس کو جگہ اور ماحول پر نظر رکھتے ہوئے اپنے تدریسی سبق کی منصوبہ بندی کرنی ہوتی ہے۔

قابل غور امور منصوبہ بندی اسباق

اسباق کی منصوبہ بندی کرتے وقت مدرس کو مندرجہ بالا امور پر بھی غور کر لینا چاہیے:

۱۔ طلباء اس سبق سے متعلق کیا کچھ جانتے ہیں؟ (سابقہ واقفیت)

۲۔ کیا اس سبق کے تصورات طلباء کی ذہنی سطح کے مطابق ہیں؟

۳۔ اگر نہیں تو اس سبق کے مواد کو پیش کرنے کے لیے ایسے کون سے اقدامات کیے جا سکتے ہیں کہ طلباء اسے بآسانی سمجھ سکیں۔

۴۔ تعلیمی نظام رسمی ہے یا غیر رسمی۔

۵۔ طلباء کی تفہیم کس زبان میں بہتر ہوگی۔ ملکی، مقامی، غیر ملکی یا ملی جلی۔

۶۔ تعلیمی ادارے وسائل کے لحاظ سے کس درجے کے ہیں۔

۷۔ کیا درسی کتاب میں دیا ہوا مواد کافی ہے یا اس مواد کو مزید بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔

۸۔ مجوزہ تدریسی سرگرمیاں موجودہ ماحول اور وسائل میں شامل ہیں۔

اسباق کی منصوبہ بندی کرتے وقت مدرس کو کچھ پوشیدہ امور پر بھی نظر رکھنا پڑتی ہے۔ مثلاً

۱۔ <u>نصاب کس نوعیت کا ہے اور اس کی تدریس کے لیے کیا لوازمات ہو سکتے ہیں۔</u>

۲۔ <u>تعلیمی نصاب رسمی ہے یا غیر رسمی:</u>

اس سے اسباق کی منصوبہ بندی کے عمومی و خصوصی مقاصد متعین ہوتے ہیں تا کہ اسباق کے اختتام پر خاطر خواہ نتائج برآمد ہو سکیں رسمی نظام تعلیم کے نصاب میں مدرس حکومت کے مقرر کردہ مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسباق کی منصوبہ بندی کرتا ہے۔ غیر رسمی نصاب کی تدریس کے لیے مدرس خود اپنی ثواب دید کے مطابق جو نتائج اسباق کی تدریس سے وہ حاصل کرنا چاہتا ہے منصوبہ بندی کرتا ہے۔ مثلاً کلام پاک کی تلاوت کے لیے صبح یا شام میں بچے مساجد میں جاتے ہیں۔ یہ غیر رسمی نظام تعلیم کے زمرے میں آتا ہے۔ لیکن سرکاری تعلیمی ادارے میں تعلیم کا نصاب حکومت کا مقرر کردہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس نصاب سے انحراف نہیں کیا جاتا اور مدرس کو خیال رکھنا ہوتا ہے کہ

(الف) <u>تدریس قلیل المیعاد یا طویل المیعاد عرصہ کے لیے:</u>

تدریس قلیل المیعاد یا طویل المیعاد عرصہ کے لیے کی جاتی ہے۔ یعنی سبق کا دورانیہ ایک دن میں ایک گھنٹہ ہے یا کئی دنوں میں کئی گھنٹوں پر محیط ہے۔ ایک تعلیمی سال کا ہے۔ جس میں طویل و مختصر تعطیلات بھی شامل ہیں۔ مدرس عام طور پر سال میں ۱۹۰ یوم کام کرتے ہیں۔

(ب) نصاب کے مواد کی طوالت کس قدر ہے؟

کیا مختصر مدت میں نصاب مکمل ہو سکتا ہے یا تکمیل کے لیے طویل عرصہ درکار ہوگا۔ اس لحاظ سے اسباق اتنے ہی حصوں میں تقسیم ہوں گے جیسے ہمارے ملک میں پرائمری تک کا نظام پانچ جماعتوں میں تقسیم ہے۔ مڈل کا تین حصوں میں تقسیم ہے لیکن ثانوی کا نصاب دو سال کا بنایا گیا ہے۔ اس کا امتحان بورڈ لیتا ہے۔ یہ اعلیٰ ثانوی اور ڈگری کلاسوں کے نصاب کا معاملہ ہے چنانچہ اس نسبت سے اسباق کی تقسیم کی جاتی ہے۔

(ج) تعلیمی ادارے کی کیفیت:

ادارہ کس نوعیت کا ہے اس کی بلڈنگ ضرورت کے مطابق ہے یا نہیں۔ تعلیمی و تدریسی اعانات کا معیار کیا ہے اور کس حد تک مہیا کی گئی ہیں۔ تعلیمی ادارے میں کس طرح کے وسائل اور کس حد تک دستیاب ہیں تاکہ تدریسی اسباق میں سرگرمیاں اسی اعتبار سے رکھی جا سکیں مثلاً سائنس لیبارٹری مختصر اور طلباء کی تعداد زیادہ ہے تو پریکٹیکل اسباق کئی حصوں میں تقسیم ہوں گے۔ زبان دانی کی تدریس کے لیے بہت سے مشینی گجٹ (Mechanical Gadjet) استعمال ہوتے ہیں ایک وقت میں چند طلباء استعمال کر سکتے ہیں۔ وعلیٰ ھذا القیاس معاشرتی علوم میں جغرافیہ اردو تاریخ کیلئے بھی وسیلی مواد (Resource Material) محدود ہوتا ہے۔ بعض اوقات اضافی مطالعہ کا مواد طلباء کی تعداد سے کم ہوتا ہے۔ لہٰذا اسباق کی منصوبہ بندی میں ادارے کی کیفیت کا اندازہ لگائے بغیر کام کرنا دشوار امر ہوتا ہے۔

(د) طلباء کی نوعیت و کیفیت:

یہ مسئلہ ان مدارس میں پیدا ہوتا ہے۔ جہاں کثیر الزبان بچے پڑھتے ہیں مثلاً ایرانی، عربی، روسی، چینی، جاپانی، پاکستانی بھی ایک ہی کلاس میں ہوں۔ ان کی تدریس کے لیے مخصوص طرز کے ادارے ہوتے ہیں۔ اساتذہ کی تربیت بھی مخصوص ہوتی ہے۔ اسی طرح معذور بچے (Handicaped) بہرے، گونگے، نابینا یا اپاہج (Disabled) بچے۔ دایاں ہاتھ بیکار ہو تو

لکھنا سکھانا مشکل ہوتا ہے۔ مغربی دنیا میں اب بہت سے ابتدائی تعلیمی اداروں میں بچوں کو دونوں ہاتھوں سے لکھنے کی مہارت سکھائی جاتی ہے۔ پاؤں سے معذور بچوں کو ورزش کے اسباق سکھانے کے لیے مخصوص طرز کے ادارے ہوتے ہیں اور اساتذہ کی تربیت بھی مخصوص طرز کی ہوتی ہے۔ لہٰذا اسباق کی منصوبہ بندی کرتے وقت طلباء کی نوعیت کا جان لینا بھی ضروری ہے۔

(ھ) **طریقہ ہائے تدریس:**

اسباق کی منصوبہ بندی کرتے وقت اس امر کو بھی جاننا ہوتا ہے کہ کمرہ جماعت میں اسباق کی تدریس کے لیے کون سے طریقے استعمال کرنے مناسب ہوں گے اور اس کے لیے کس نوعیت کی تدریسی معاونات درکار ہوں گے۔ معاونات خود ساختہ ہوں گی یا بنی بنائی بازار سے دستیاب ہوں گی۔ ان کے لیے فنڈز (Funds) مہیا کیے گئے ہیں یا نہیں۔ کیا مدرس تنہا ہی اسباق کی تدریس کرے گا یا طلباء یا اپنے دیگر ساتھی اساتذہ یا باہر کی کسی وسیلی شخصیت (Resource Person) کی ضرورت ہوگی کیونکہ معاشرتی علوم یا سائنس کی تدریس میں (Team Teaching) بھی کرنا پڑتی ہے یا کثیر الجماعتی مدرسہ میں طلباء کو بھی بطور مدرس شامل کرنا پڑتا ہے۔ طریقہ ہائے تدریس کی تفصیل جدا باب میں بیان کی گئی ہے۔

(و) **سرگرمیوں کا تعین:**

تدریس کے دوران کس قسم کی سرگرمیاں کرنا ہوں گی اور ان سرگرمیوں کا معیار کیا ہوگا۔ اس میں طلباء کی شمولیت کتنی ہوگی۔ سرگرمیوں کے لیے بعض اوقات نہایت قیمتی اوزار (یا اشیاء) کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مدرسہ سے باہر یعنی عجائب گھر، چڑیا گھر، شاپنگ سنٹر، ہسپتال، ہوائی اڈہ، بندرگاہ، ڈیم وغیرہ کا مشاہدہ ضروری ہو جائے، کوئی ڈرامہ یا تمثیل یا کوئی تماشہ یا کسی بازیگر وغیرہ کی خدمات حاصل کرنا پڑ جائیں۔ لہٰذا سرگرمیوں کا تعین پہلے سے کر لینے کے بعد اسباق کی تدریس میں کافی سہولت ہو جاتی ہے۔

اسباق کی منصوبہ بندی کیوں کی جائے؟

۱۔ کمرہ جماعت میں تدریس کی صحت قائم کرنے میں مددملتی ہے۔

۲۔ اشارات سبق سے مدرس اپنے راستے پر بھٹکتا نہیں۔

۳۔ طریقہ تدریس اور اس کے لوازمات کا تعین پہلے سے ہو جاتا ہے۔

۴۔ مدرس کمرہ جماعت میں تدریس کے مسائل کا قبل از وقت اندازہ کر لیتا ہے۔

۵۔ اسباق کو مربوط کرنے میں سہولت حاصل ہوتی ہے۔

۶۔ تدریسی معاونات قبل از وقت مہیا کر سکتا ہے اگر کچھ بنانا ہو تو بنا سکتا ہے۔

۷۔ سبق کے مواد کی مقدار اور پیریڈ کے دورانیے میں مطابقت پیدا کر سکتا ہے۔

۸۔ مدرس پہلے سے ایک ذہنی خاکہ تیار کر لیتا ہے کہ دوران سبق کن سرگرمیوں پر زور دینا ہے اور انھیں آگے کیسے بڑھانا ہے۔

۹۔ مدرس سہولتوں کے استعمال کو افادیت کے ساتھ استعمال کرتا ہے۔

۱۰۔ سابقہ اسباق کی خامیوں کو دور کر کے اپنے نئے سبق کو مزید بہتر بنا سکتا ہے۔

۱۱۔ مدرس سبق کی پیشکش میں ترتیب برقرار رکھ سکتا ہے۔

۱۲۔ مدرس طلباء کی متوقع دشواریوں اور مسائل میں سمجھنے اور ان کو احسن طریقے سے حل کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

۱۳۔ بار بار تعطیلات و جرائے کی زحمت سے بچ جاتا ہے اور اس وقت مزید تضابی سرگرمیوں میں استعمال کر سکتا ہے۔

نوعیت اسباق بلحاظ مقاصد تدریس:

ہر مضمون کی تدریس کے اپنے مقاصد ہوتے ہیں جب کہ تعلیمی مقاصد ان سے اوپر ہوتے ہیں جنھیں عمومی مقاصد کہتے ہیں۔ ہر سبق کا مواد مختلف ہوتا ہے۔ مواد کے مختلف ہونے کی وجہ سے ان کے اسباق کی منصوبہ بندی بھی مختلف ہوتی ہے۔ چنانچہ ماہرین تعلیم نے نہایت تحقیق

اور مشاورت کے بعد اسباق کی درجہ بندی بلحاظ مقاصد تدریس کی ہے جو حسب ذیل ہے۔

۱۔ معلوماتی اسباق:

کسی مضمون کے مواد سے جب صرف معلومات حاصل کرنا مقصود ہوں تو یہ معلوماتی اسباق کے زمرے میں آتے ہیں۔ ان کی منصوبہ بندی کے مختلف طریقے ہوتے ہیں۔ معلوماتی اسباق کے ذیل میں زیادہ تر وہ مضامین آتے ہیں جو آرٹس کے مضمون کہلاتے ہیں۔ اصل میں یہ عمرانیات کے گروپ (Humanities Group) کے مضامین ہوتے ہیں۔ مثلاً تاریخ جغرافیہ، اسلامیات، معاشیات، سیاسیات اور شہریت وغیرہ۔

۲۔ تحقیقی یا عملی اسباق (Practice Lesson):

ان اسباق کے زمرے میں ان مضامین کا مواد آتا ہے۔ جن میں کچھ نہ کچھ عملی طور پر کرنا یا لکھا جانا مقصود ہوتا ہے یا عمل کے ذریعے کچھ کر کے اخذ کروانا ہوتا ہے۔ اس زمرے میں سائنس، ہیلتھ اینڈ فزیکل ایجوکیشن اور فزیالوجی اور ہائی جین جیسے مضامین آتے ہیں۔

۳۔ احساتی یا مہاراتی اسباق (Appreciation/Skill Lesson):

اس ذیل میں ایسے مضامین کا مواد آتا ہے جس سے طلباء کی حس جمالیات یا جمالیاتی ذوق کی تسکین ہو نیز مضامین کو پڑھ کر جذباتی خوشی ہو نیز تخلیقی صلاحیت کی نشوونما ہو جس کے نتیجے میں شاعری کر سکے، افسانے، قصے، کہانیاں لکھ سکے، گانے گا سکے، سر و تال کی دھن کو سمجھ سکے اور لطف اندوز ہو کوئی مسئلہ حل کر کے خوشی محسوس کرے۔ اس ذیل میں فنون لطیفہ، زبان دانی، منظومات وغیرہ جیسے مضمون آتے ہیں۔ اس کے علاوہ جغرافیہ اور ریاضی بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔ جغرافیہ میں نقشہ خوانی بھی آتی ہے۔

۴۔ اعادہ کے اسباق (Recall Revision Lesson):

عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ مدرس کرسی پر بیٹھا ہے یا مدرسہ سے باہر ہے اور طلباء کمرہ جماعت میں مصروف کار ہیں دریافت کرنے پر معلوم ہوتا ہے۔ طلباء آموختہ کی دہرائی کر

رہے ہیں جب کہ یہ طریقہ بالکل درست نہیں۔ اس طریقے کے کوئی خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہوتے سوائے اس کے کہ طلبا ورٹہ بازی سے کام لے کر معلوماتی اسباق کا اعادہ کرلیں۔ ان اسباق کی منصوبہ بندی نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ کیونکہ تدریس کا بنیادی مقصد طلباء میں تین صلاحیتیں پیدا کرنا ہے۔

۱۔ **Cognitive Development:**

طلباء کی معلومات میں اضافہ ہو۔

۲۔ **احساسی (Affective Development):**

یعنی طلباء کے رویوں میں خاطر خواہ مثبت تبدیلی پیدا ہو۔ ان کے جذبات کی نشوونما ہو۔ مولانا ظفر علی خان کے اس شعر سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔

ظفر آدمی اسکو نہ جانئے گا کہ ہو کتنا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

۳۔ **عملیاتی (Psychomotor Development):**

عملی اور عملیاتی میں فرق یہ ہے کہ عملی طور پر ہر شخص کچھ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لیکن عملیاتی طور پر اس وقت صلاحیت پیدا ہوتی ہے جب اسے کچھ سکھا دیا گیا ہو۔ مثلاً موم کے متعلق معلومات فراہم کی گئیں اس کے خواص، استعمال، فوائد اور نقصانات بتائے گئے ان معلومات سے اس میں ایسی صلاحیت پیدا ہو جائے کہ خود کسی مفید مقصد کے لیے استعمال کرتے ہوئے نہ صرف موم بتی بلکہ اور بھی دیگر چیزیں تخلیق کر سکے اس عمل کو بچے کی عملیاتی نشوونما کہتے ہیں۔

ان مراحل سے گزرنے کے بعد اساتذہ کی سہولت کے لیے روزمرہ تدریسی اسباق کی منصوبہ بندی کا مختصر عملی خاکہ پیش کیا جارہا ہے۔ اساتذہ سے یہ سوال کیا گیا کہ کمرہ جماعت میں جانے سے قبل ان کے ذہن میں کونسی باتیں ہونی چاہیں یا انہیں کیا خیال آتا ہے۔ ۹۵ فیصد اساتذہ

نے بہت عجیب و غریب جواب دیئے صرف ۵ فیصد اساتذہ نے توقع کے مطابق جواب دیئے چنانچہ اسباق کی منصوبہ بندی کرتے وقت پہلے یہ سوچنا پڑتا ہے کہ پہلے مرحلے پر کس بات کا خیال رکھنا چاہیے؟ وہ یہ ہیں

۱۔ تدریس کا موضوع یا عنوان کیا ہے؟

۲۔ تدریس کے مقاصد کیا ہیں؟

۳۔ تدریس کا آغاز کیسے کرنا ہے؟

مرحلہ نمبر ۲: کمرہ جماعت کا ماحول:

کمرہ جماعت میں کس قسم کا ماحول ہوگا یہ جان لینا ضروری ہے کیونکہ یہ عمل کلاس روم مینجمنٹ (Class Room Managment) تنظیم کمرہ جماعت سے تعلق رکھتا ہے۔ مدرس کی کرسی اور تختہ سیاہ میں کتنا فاصلہ ہوگا۔ کلاس روم میں طلباء کی تعداد گنجائش سے زیادہ تو نہیں ہو گی۔ کیونکہ اس کا منفی اثر تعلیمی سرگرمیوں پر پڑتا ہے۔ کلاس روم کی کوئی لائبریری بھی ہے یا نہیں کلاس روم میں تدریسی معاونات استعمال کرنے کی سہولت ہے یا نہیں اور اسی قسم کی بہت سی چھوٹی چھوٹی باتوں پر قبل از وقت غور کر لینا ضروری ہے۔

مرحلہ نمبر ۳: آغاز و انجام تدریس:

تدریسی عمل کا آغاز کس طرح ہوگا۔ کیا اقدامات کرنے ہوں گے۔ سبق کا خاتمہ کس طرح ہوگا۔ سوالات کس نوعیت کے پوچھے جائیں گے۔ سوال تیار کرنا بھی ایک فن ہے۔ فن سوال سازی پر کسی اور باب میں تفصیل سے بحث آئے گی۔ گھر کا کام تجویز کرنا بھی ایک لازمی امر ہے۔ بادی النظر میں یہ ایک معمولی مسئلہ ہے مگر اس پر تفصیل سے بحث درکار ہے۔ ایک چھوٹی سی بات ہے اس بات کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ گھر کا کام تجویز کرتے وقت ہر طالب علم کے معاشرتی حالات سے آگاہی ضروری ہے۔ یعنی مکان کی تنگی، کشادگی، لائٹ کا باقاعدہ نظام ہونا، اٹھنے بیٹھنے، لکھنے پڑھنے کی سہولیات، گھریلو ذمہ داریاں، والدین کی تعلیمی و سماجی کیفیت، طالب علم کی خود اپنی

دلچسپیاں وغیرہ وغیرہ گھر کے کام پر یہ عوامل بہت اثر انداز ہوتے ہیں۔

منصوبہ بندی کے مدارج:

نام جماعت ۔۔۔ عنوان سبق ۔۔۔ مقصد ۔۔۔ طریقہ تدریس ۔۔۔ تدریسی معاونات کی تفصیل ۔۔۔ اعادہ یا امتحان کا طریقہ کار ۔۔۔

ہر سبق کے لیے مختصر طور پر مندرجہ بالا اشارات ڈائری میں لکھ لیے جاتے ہیں۔ بعد ازاں تفصیل اقدامات سبق لکھ دی جاتی ہے۔ مثلاً طلباء میں آمادگی کس طرح پیدا کی جا سکتی ہے؟ اور نفس مضمون کیا ہو گا یعنی جو کچھ پڑھانا ہے اس کا خلاصہ لکھ دیا جائے۔ آمادگی پیدا کرنے کے لیے کچھ ایسے سوالات کیے جاتے ہیں۔ جن سے طلباء پڑھنے کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں۔

تدریسی معاونات کے لیے ایسی اشیاء استعمال میں لائی جائیں جو عام حالات میں بہ آسانی دستیاب ہوں طلباء سے بھی اشیاء اکٹھی کرنے کے لیے کہا جا سکتا ہے۔ کچھ عملی کام بھی کروائے جا سکتے ہیں۔ کمرہ جماعت میں سب سے اہم معاونات مدرس کی اپنی ذات، چاک، ڈسٹر اور تختہ سیاہ ہوتی ہیں۔

اسباق کی منصوبہ بندی کرتے وقت مدرس کے ذہن میں درج ذیل نکات کا ہونا نہایت ضروری ہے۔

ابتدائیہ:

طلباء میں سبق پڑھنے کی تشویق یا تحریک پیدا کرنے کے لیے مدرس تصویری چارٹ، ماڈل کو دکھا کر کوئی قصہ یا واقعہ سنا کر کوئی شعر ترنم آواز میں پڑھ کر طلباء سے کچھ سوالات پوچھتا ہے۔ جس سے طلباء کی آمادگی اور سابقہ واقفیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں کوئی پہیلی یا تماشہ دکھا کر بچوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اس امر کا خاص

خیال رکھا جائے کہ یہ تمام امر تدریس کے تابع ہوں۔

استحصار سبق:

ابتدائیہ میں جو سوالات کیے جاتے ہیں۔ان کا خاطر خواہ جواب حاصل ہونے کے بعد نیز آمادگی کا اندازہ کرتے ہوئے مدرس اعلان سبق کرنے کے بعد سبق کو آگے بڑھانے کے مختلف اقدامات کرتا ہے۔ان اقدامات کو سبقی خاکہ اقدام نمبر ایک دو تین وغیرہ لکھتا رہتا ہے کہ کس قدم پر معلومات دینا ہیں۔ کس قدم پر کوئی عملی قدم اٹھانا ہے۔ کس قدم پر ضمنی جائزے کے لیے سوالات کرنے ہیں اس طرح سبق اساتذہ اور طلباء کے اشتراک سے آہستہ آہستہ اختتام کی طرف بڑھ رہا ہوتا ہے۔

اختتام سبق:

سبق کو اس انداز میں ختم کیا جاتا ہے کہ اس کا تسلسل اگلے دن کے سبق کے ساتھ قائم رہے اور طلباء اگلے سبق کے لیے متجسس رہیں۔ اختتامیہ آخری پانچ منٹ سے قبل ہوتا ہے تاکہ مدرس کلی جائزہ لے سکے۔

جائزہ:

جائزہ اختتامیہ کا ہی حصہ ہوتا ہے لیکن یہ اکتسابی جائزہ ہوتا ہے۔جس سے مدرس کو سبق کی کامیابی اور ناکامی کا اندازہ ہو جاتا ہے اور مدرس کو موقع ملتا ہے کہ وہ آئندہ کے لیے سبق کی منصوبہ بندی کرتے وقت خامیوں کو دور کرے۔ جائزے کے بعد گھر کا کام تجویز کیا جاتا ہے۔

گھر کا کام:

گھر کا کام دیتے وقت ذہن میں رکھنا چاہیے کہ طلباء کو دوسرے مضامین کا بھی گھر کا کام ملا ہوگا نیز طلباء کو گھر کھیل اور تفریح کا وقت بھی ملنا چاہیے۔

◆◆◆

یونٹ نمبر ۳۷

تدریسی معاونات کیا ہیں؟

معاون مددگار کو کہتے ہیں۔ معاونات جمع ہے۔ تدریس پڑھانے کا عمل ہے۔ تدریسی معاونات سے مراد ایسے وسائل ہیں جو پڑھانے کے عمل میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ جن سے تدریسی عمل موثر اور دلچسپ ہو جاتا ہے۔ اس سے تعلیم کی طرف طلباء کی توجہ بڑھ جاتی ہے اور تعلیم کے بہتر نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ تعلیمی نفسیات کے ماہرین کی تحقیقات کے نتائج میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ کلاس روم میں طلباء کی توجہ کا دورانیہ کچھ اس طرح ہوتا ہے۔

۱۔ پرائمری کلاسوں میں طلباء کی توجہ کا دورانیہ ۱۲ منٹ ہوتا ہے۔ جب کہ تدریسی گھنٹی کا دورانیہ ۳۰۔۴۰ منٹ ہوتا ہے۔ ۱۲ منٹ کے بعد طلباء کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے اعضاء میں سستی اور تکان کے اثرات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اگر مدرس نے صرف پڑھانے اور خود بولتے رہنے کا ہی منصوبہ بنایا ہے تو ۱۲ منٹ کے بعد طلباء ایک دوسرے کو چٹکیاں کاٹنا، سامنے بیٹھے ہوئے ساتھی کی گردن پر پنسل کی نوک چبھونا، پچھلی نشست پر بیٹھے ہوئے ساتھی کا کارٹون بنانا، پیچھے سے کسی کے سر پر چپت لگانا ورنہ پھر ہاتھ اٹھا کر پانی پینا، پیشاب کرنا وغیرہ کے لیے چھٹی مانگنا شروع کر دیتے ہیں۔ کچھ بچے چیونگ گم کھانا شروع کر دیتے ہیں کہ ان پر غنودگی طاری ہونے لگتی ہے اور استاد کا خوف بھی ہوتا ہے۔

۲۔ ثانوی جماعتوں میں توجہ کا دورانیہ ۲۳۔۲۵ منٹ ہوتا ہے۔

۳۔ کالج کی سطح پر چونکہ لیکچر کا طریقہ رائج ہے اس لیے پہلے پندرہ منٹ میں دیے گئے لیکچر کا مواد قوت حافظہ سے خارج ہونا شروع ہوتا ہے۔ اور آخری ۳۰ منٹوں میں جو کچھ لیکچر میں بتایا گیا ہوتا ہے۔ اس کا ۷۰ فیصد مواد ذہن میں طلباء لے کر کلاس روم سے باہر نکلتے ہیں اور گھر پہنچتے پہنچتے

لیکچر میں دیے ہوئے مواد کا کل ۲۳ فیصد غیر مربوط حالت میں ذہن میں موجود ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" یعنی دیکھنے اور سننے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ فرق خود کچھ کرنے میں ہوتا ہے۔ انگریزی ادیب بولنگ بروک (Boling Broc) نے ایک مضمون لکھا تھا جس کا عنوان ہے۔ (The day the dambroke) جس دن ڈیم ٹوٹا۔ ایک شخص نے افواہ پھیلا دی کہ بند ٹوٹ گیا ہے۔ شہر میں افراتفری مچ گئی۔ لوگ گھروں کو چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ کتنے حادثات ہو گئے، کتنے لوگ زخمی ہو گئے، کتنا ہی اسباب کا نقصان ہوا۔ کسی سیانے نے کہا کہ جاؤ جا کر ڈیم پر دیکھو تو پتہ چلا کہ یہ تو کسی فرد کی شرارت تھی۔ دیکھنے اور سننے میں اتنا فرق ہوتا ہے۔ علامہ اقبال نے اپنی مشہور زمانہ نظم شکوہ اور جواب شکوہ میں اس وقت جب انسان اللہ سے شکایت کرتا ہے یوں لکھا ہے۔

خوگر پیکر احساس تھی انسان کی نظر
پھر کوئی مانتا ان دیکھے خدا کو کیوں کر

یہ انسان ان دیکھے خدا کو ماننے کو تیار نہ تھا کیونکہ مقرون (Concrete) اشیاء کے ادراک میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اسی لیے ماہر تعلیم Edgar Dale نے تدریسی معاونات کے موثر ہونے سے متعلق اشیاء کی درجہ بندی کی اور اسے ایسی ترتیب سے لکھا کہ اس کا ایک مخروط بنا دیا۔ جسے اس نے تجربہ کا مخروط (Cone of Experience) کا نام دیا اور اس کون (Cone) میں سب سے کم اہمیت جس تدریسی معاون کو دی گئی وہ الفاظ کی علامت (Verbal Symbol) یعنی زبانی گفتگو ہے۔ اگر مدرس کلاس روم میں بولتا ہی رہے تو بچے بہت کم استفادہ حاصل کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لیکچر میتھڈ (Lecture Method) کو تدریسی طریقوں میں ناموزوں (Worst) طریقہ تدریس کہا گیا ہے۔ لیکن ماہرین تعلیم نے متفقہ طور پر یہ مجبوری ظاہر کی ہے کہ اعلیٰ سطح پر پڑھانے کے لیے طریقہ صرف لیکچر میتھڈ ہی ہے اور اس کے بغیر ہمارا گذارہ بھی نہیں ہے۔ ماہرین نے اس کا حل تلاش کیا۔ یہ ایک جدا بحث ہے۔ یہاں پر یہ بات واضح ہو گئی

کہ تدریس کو موثر اور دلچسپ بنانے کے لیے صرف الفاظ کا استعمال ہی کافی نہیں۔اس لیے مدرس کو کچھ اور راہیں تلاش کرنا ہوں گی لہٰذا اب تدریسی معاونات کے متعلق مختصراً بحث ہوتی ہے۔

تدریسی معاونات کی اقسام

بنیادی طور پر تدریسی معاونات کی تین اقسام ہوتی ہیں۔

ا۔ قدرتی(Natural) ۲۔ مصنوعی(Arificial)

۳۔ اختراعی

ا۔ قدرتی معاونات:

قدرتی معاونات ہمارے اردگرد کے ماحول اور کائنات میں بکھری ہوئی ہیں۔آسمان میں چاند،سورج،ستاروں سے لے کر فضا میں اڑنے والے پرندوں اور خشکی پر پائے جانے والے انسانوں،حیوانات،نباتات،جمادات اور زیر زمین معدنیات سے بھری کانیں اور سمندروں میں پائے جانے والے بڑے چھوٹے ہر قسم کے آبی جانور و دیگر اشیاء،جاندار اور بے جان سب ہی شامل ہیں۔

۲۔ مصنوعی معاونات:

انسان نے جو کچھ اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔مثلاً مشینری،آلات،اوزار و سفر کے ذرائع،سڑکیں،نہریں،پل یہ تمام مصنوعی معاونات کا حصہ ہیں۔

۳۔ اختراعی معاونات:

انسان اپنی تحقیق و سمجھ سے عارضی طور پر تیار کرتا ہے۔مثلاً ڈرامے،پتلی تماشے،تھیٹر،سوانگ،رقص،موسیقی،بینڈ باجے،ماڈل اور اسی قسم کے دیگر مشاغل وغیرہ۔یہ مدرس کی چابک دستی ہے کہ وہ اپنی تدریس کو موثر بنانے کے لیے کس قدر کم خرچ اور بہ آسانی دستیاب معاونات تلاش کرتا ہے۔اب وہ اصطلاحی نام جو تربیت کے دوران اساتذہ کو بتائے جاتے ہیں۔وہ سب حسب ذیل ہیں:

۱۔ **مدرس بذات خود:**

خاموش کروانے کے لیے دونوں ہونٹ بند کر کے ان پر انگشت شہادت کھڑی حالت میں رکھنا۔ دیکھنے والے سمجھ جاتے ہیں کہ یہ خاموشی کی علامت ہے۔ علاوہ ازیں مدرس اپنے جسم کو مختلف علامات کے اظہار کے لیے استعمال کرتا ہے۔ مثلاً پرندوں، جانوروں کی بولیاں نکالنا، چلنے کے مختلف انداز بتانا جیسے ڈانس سکھانے کے لیے، ماتھے کی شکن ناراضگی اور غصے کو ظاہر کرنے کے لیے، آنکھ کے ڈیلوں کی گردش بہت مزاحیہ ماحول پیدا کرنے کے لیے۔ کندھے اچکا کرنا کبھی کا اشارہ دینا۔ یا کوئی فیصلہ نہ کر سکنے کو ظاہر کرنا وغیرہ۔ اسے انگریزی میں (Miming) کہتے ہیں۔ اصل لفظ (Pantomime) ہے۔

۲۔ ماڈلز بنوانا، بنانا، تلاش کرنا، مہیا کرنا (Gadget/Model Making)

۳۔ چارٹس، کارڈز، نقشہ جات، گلوب۔

۴۔ کھلونے اور گڑیا وغیرہ سے (Toy & Doll Making)

۵۔ ڈرامہ یا کرداری ادائیگی (Role Playing)۔

۶۔ کٹھ پتلی تماشہ کے ذریعے (Puppetry)

۷۔ تعلیمی و تفریحی سیر کے ذریعے (Execution)۔

۸۔ نمائشی اعتبار سے (Exhibition)

ان تمام تدریسی معاونات کو تلاش کرنا، انھیں بنانا، منظم کرنا، اہتمام کرنا ایک مدرس کے لیے ممکن نہیں۔ مدرس اپنے رفقائے کار اور معاشرے کے افراد اور والدین سے تعاون حاصل کر سکتا ہے۔ سبق کی منصوبہ بندی کرتے وقت مدرس کے لیے ممکن نہیں کہ یہ خیال رکھے کہ سبق میں عملی کام زیادہ ہو اور پڑھانے والا کام کم ہوتا کہ طلباء عملی مشقوں کے ذریعے بہتر طور پر سیکھ سکیں۔ مندرجہ بالا معاونات میں سب سے زیادہ اہم، مفید اور کارآمد تختہ سیاہ ہے۔

تختہ سیاہ:

تحقیق کے مطابق سیاہ رنگ آنکھوں کی بینائی پر برا اثر ڈالتا ہے۔لہذا ماہرین نفسیات نے ہرے رنگ کے بورڈ تجویز کیے۔انھیں گرین بورڈ (Green Board) تختہ سبز کہتے ہیں۔ ان پر لکھنے کے لیے پہلے آتشی رنگ کے چاک استعمال کیے جاتے تھے۔چاک سے لکھے ہوئے بورڈ کو صاف کرتے وقت چاک کے ذرات فضا میں بکھر جاتے ہیں۔جس سے بعض اساتذہ کو (Dust Allergy) ہو جاتی ہے۔چھینکیں آنے لگتی ہے۔گلے میں خراش پیدا ہونے لگتی ہے۔اس لیے چاک کی نئی ورائٹی موم ملا کر بنائی گئی۔لیکن یہ چاک بہت مہنگے پڑتے ہیں۔چنانچہ تحقیق کے بعد سفید رنگ کے ٹین کے بورڈ بنائے گئے اور ان پر لکھنے کے لیے مارکر استعمال ہونے لگا۔یہ زیادہ محفوظ طریقہ ہے لیکن یہ بھی بہت مہنگا طریقہ ہے۔لہذا ہر ادارہ اور ہر تنظیم اپنے وسائل کے لیے تختہ سیاہ اور چاک استعمال کر رہا ہے۔چونکہ تختہ سیاہ نے کئی نام اختیار کر لیے ہیں۔اس لیے اب تمام ترقی یافتہ اور بیشتر ترقی پذیر ممالک میں اس کے لیے (Teaching Board) کا نام استعمال ہونے لگا ہے۔ٹیچنگ بورڈ ضرورت کے مطابق مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔

اقسام تختہ سیاہ:

۱۔ **دیوار گیر:** جو یا تو دیوار پر بنائے جاتے ہیں یا لکڑی کا تختہ بنوا کر دیوار پر نصب کر دیا جائے۔

۲۔ **سٹینڈ بورڈ:** یہ بورڈ ضرورت کے پیش نظر کہیں بھی لے جایا جا سکتا ہے۔

۳۔ **ریوالونگ بورڈ:** یہ بورڈ دائیں، بائیں یا اوپر، نیچے پلٹنے والا ہوتا ہے۔یہ زیادہ تر معاشرتی علوم یا ایسے مضامین پڑھانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں جن کا تدریسی مواد زیادہ ہو۔

۴۔ **پوشیدہ بورڈ:** یہ بورڈ ایک دوسرے کے پیچھے زنجیر یا موٹے تاروں سے لٹکے ہوتے ہیں۔مدرس پہلے سے ان پر ضروری معلومات یا اقدامات سبق درج کر لیتا ہے۔اور

جیسے جیسے ضرورت ہو ایک تختہ سامنے لاتا ہے۔ دوسرا خود بخود پیچھے ہو جاتا ہے۔ اس کی جگہ اب پروگرام تدریس (Programmed Instruction) کے طریقے نے لے لی ہے۔ کمپیوٹر کے ذریعے تدریس بہت آسان اور موثر ہو گئی ہے۔ لیکن یہ بہت مہنگا طریقہ ہے۔ آسٹریلیا کی Lilly date ریاست کے ایک گاؤں ویالہ (Wyella) میں لِلّی ڈیل پرائمری سکول اسی طریق تدریس پر کام کر رہا ہے۔ پرائمری سکول کے ۲۲ کمرے ہیں اور اس کی ہر کلاس میں صرف ۲۵ بچے ہیں۔ طریق تدریس کے لحاظ سے یہ سکول دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس سکول کی عمارت وہاں کی کارپوریشن نے بنوائی تھی باقی تمام اخراجات وہاں کی کیمونٹی برداشت کرتی ہے۔

۵۔ **نیم پوشیدہ بورڈ:** اس بورڈ کے نصف حصے پر پردہ پڑا ہوتا ہے۔ جو بورڈ پر لگی ہوئی ریلنگ پر سرکتا ہے۔ بورڈ کا نصف حصہ کھلا ہوتا ہے۔ حوالہ جاتی تدریس کے لیے یہ بورڈ نہایت مددگار ثابت ہوتا ہے۔

۶۔ **فلینل گراف بورڈ:** اس نوعیت کے کارڈ، سلیپس، پوسٹرز ہوتے ہیں۔ جو کئی مضامین کے اسباق میں استعمال ہوتے ہیں اور وہ مستقل نوعیت کے ہوتے ہیں۔ ان اشیاء کی پشت پر ریگ مال (Sand Paper) کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کاٹ کر چسپاں کر دیے جاتے ہیں۔ فلالین کا کپڑا ایک بورڈ پر چڑھا ہوتا ہے۔ تدریس کے دوران حسب ضرورت اشیاء بورڈ پر چسپاں کی جاتی ہیں۔ استعمال کے بعد وہ آسانی سے اتر آتی ہیں۔ اس قسم کا بورڈ وزارت تعلیم حکومت پاکستان نے پرائمری ایجوکیشن تدریسی کٹ میں مہیا کیا ہے۔ یہ تدریسی کٹ ایجوکیشن ایکوپمنٹ سنٹر نے تیار کی ہے۔ یہ سنٹر پائلٹ سیکنڈری سکول فار بوائز وحدت کالونی سے ملحق عمارت میں واقع ہے۔ اس کٹ کی قیمت تقریباً ۷۰۰ روپے ہے جسے خریدا جا سکتا ہے۔ اس میں پہلی سے پانچویں جماعت تک کے تمام کورسز پڑھانے کی تدریسی معاونات ہدایت کی کتاب، سامان کی فہرست و اشیاء کی مرمت کے لیے چھوٹے موٹے اوزار رکھے گئے ہیں۔ ان میں جو چیزیں خراب ہو جائیں یا ٹوٹ پھوٹ جائیں تو وہ چیز قیمتاً وہاں سے خریدی جا سکتی ہے۔

نہایت موثر اور مفید نقشہ جات، چارٹ سستی قیمتوں پر یونیورسٹی بک ڈپو اردو بازار سے خریدی جا سکتی ہیں۔ مزید اشیاء فیروز سنز سے بھی دستیاب ہیں۔ لیکن ان کی قیمتیں عام مدارس کی قوت خرید سے باہر ہیں۔ البتہ ان اشیاء کی طباعت اور سائنسی تجربات اور سائنسی مضامین کی تدریس کے لیے نئی (New) انارکلی میں داخل ہوتے ہوئے گنپت روڈ سے اردو بازار جاتے ہوئے آبکاری روڈ پر بے شمار سائنٹیفک سٹور ہیں۔ وہاں سے بہت سی تدریسی معاونات، تدریس سائنس و تجربات مناسب قیمت پر مہیا ہو جاتی ہیں۔ اب تو بے شمار سستے مہنگے تعلیمی کھلونے بھی بازار میں آ گئے ہیں۔ مختلف قسم کی کھیلیں اور میکیو ربھی آ گئے ہیں۔ مدرس کی اپنی کوشش سے بہت سی تدریسی معاونات گردو پیش کے ماحول سے حاصل ہو سکتی ہیں جنھیں قدرت نے ہر طرف بکھیر رکھا ہے۔

◆◆◆

یونٹ نمبر ۳۸

نصابی و ہم نصابی مشاغل

نصاب کو انگریزی میں (Curriculum) اور ہم نصابی کو (Co-Curricular) کہتے ہیں۔ نصاب کے مفہوم کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے۔ مشاغل براہ راست نصاب سے متعلق ہوں یا اس کی تدریس سے مقصد نصاب کے متعینہ مقاصد کا حصول ہوتا ہے۔ نصابی مشاغل سے ایسے مقاصد مراد ہیں جن کے ذریعے خالصتاً نصابی مواد کی ترسیل طلباء تک مقصود ہیں مثلاً تدریس کے طریقوں میں ایسے اقدامات ہوتے ہیں۔ جن کا براہ راست نصاب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا لیکن در پردہ یہ ایسے مشاغل ہوتے ہیں جو نصاب کے مواد کی ترسیل کا موثر ذریعہ ہوتے ہیں۔ نصاب کی تدریس کے مشاغل کمرہ جماعت میں عمل پذیر ہوتے ہیں۔ جب کہ ہم نصابی مشاغل کمرہ جماعت مدرسہ سے باہر گلی، محلہ غرضیکہ ہر جگہ عمل پذیر ہوتے ہیں۔ بات صرف اتنی ہوتی ہے کہ ایک مدرسہ ہم نصابی سرگرمیوں اور مشاغل کے ذریعے نصاب کے کس مواد کی ترسیل کرنا چاہتا ہے۔ مثلاً بڑا مشہور نصابی سبق ہے "صبح کی سیر پر مضمون لکھئے" "Morning Walk" پر مضمون لکھنا۔ بجائے اس کے کہ طلباء کو کمرہ جماعت میں بٹھا کر ان سے کہا جائے کہ اس عنوان پر مضمون لکھیے۔ ان کو ترغیب دی جائے کہ وہ صبح کو سیر کے لیے جائیں۔ اس سے ان کی قوت مشاہدہ میں اضافہ ہوگا۔ معلومات بڑھیں گی۔ ذخیرہ الفاظ میں اضافہ ہوگا۔ گھر سے نکل کر سیر کے لیے جانا۔ سیر کر کے پھر گھر واپس آنے کے تمام مراحل یاد ہوں گے۔ ان کو طالب علم ایک ترتیب سے لکھ سکے گا یا بیان کر سکے گا۔ مراد یہ ہے کہ اس طرح ہر لکھا جانے والا مضمون نہایت خوبصورت اور بامعنی ہوگا۔ اس طرح موسموں کے مطابق درجہ حرارت گھٹنے بڑھنے نہ صرف زبانی بیان کر دیا جائے بلکہ طلباء کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ تھرمامیٹر کے ذریعہ درجہ حرارت کے فرق کا مشاہدہ کریں۔ کسی میلے کا آنکھوں دیکھا حال لکھنے سے پہلے ایسے موقع سے

فائدہ اٹھایا جائے کہ جب میلہ لگے تو طالب علم اس میلے کو خود دیکھیں اور پھر لکھیں۔ ماہر تعلیمی نفسیات ایڈگر ڈیل "Edgar Dale" نے تجربات کا ایک مخروطی ڈھانچہ (Cone of Experience) بنایا تھا اور اس نے یہ ثابت کیا تھا کہ الفاظ بمقابلہ عملی مشاغل و تحریکات مدرسہ تدریس ہی ادنیٰ ترین مقام کے حامل ہیں۔ نہایت کم اہل مدرس تدریس میں الفاظ ہی الفاظ استعمال کرتا ہے۔ کمرہ جماعت میں بولے ہی جاتا ہے۔ طلباء کو کچھ کرنے، کر کے دکھانے یا سمجھنے کا موقع ہی فراہم نہیں کرتا۔ ہم نصابی مشاغل میں خود مدرسہ کی اپنی مدد، تخلیق اور تحریک کا بڑا دخل ہے۔ مدرسہ میں بھی کچھ ایسی تحریکات کا اجراء ہوتا ہے۔ جس کی مدد سے طلباء میں قائدانہ صلاحیتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ان تحریکات میں بزم ادب، سیر و سیاحت، سائنس کلب، آرٹ کلب، ہیلتھ کلب، ڈرامہ کلب اور اس قسم کی دیگر تنظیموں کا قیام ہے۔ ان کا واحد مقصد تعلیمی، صلاحیتوں کو جلا بخشنا ہے۔ دیگر انفرادی مشاغل میں فوٹو گرافی، ٹکٹیں جمع کرنا، سکے جمع کرنا، اجناس اور بیج جمع کرنا، پرندوں کے پر جمع کرنا، گھونگھے اور موتی جمع کرنا، مٹی کے نمونے جمع کرنا، پتھر کے نمونے جمع کرنا، ہوائی جہاز بنانا، آتش بازی بنانا، مختلف اشیاء مٹی، موم، پلاسٹر آف پیرس سے تیار کرنا، آرٹ اینڈ ڈرائنگ و پینٹنگ کرنا، گڑیا سازی، کھلونا سازی، کڑھائی بنائی کا کام وغیرہ وغیرہ۔ بعض اوقات مدرس کو ایسی ایسی حرکتیں کرنا پڑتی ہیں کہ سکول کے دیگر لوگ اور طلباء مدرس کو مداری کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ لیکن یہ مداری جس قدر موثر اور مقبول مدرس ہوتا ہے اس کے دیگر ساتھی وہ مقام حاصل نہیں کر پاتے۔ ہم نصابی مشاغل کی اہلیت پیدا کرنے کے لیے مربوط پروگرام کے تحت اساتذہ کی تربیت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں الیکٹرونکس کے بیشمار تعلیمی کھلونے آچکے ہیں۔ ویڈیو پروگرام کمپیوٹر پر آچکے ہیں۔ غیر تربیت یافتہ اساتذہ ان تعلیمی اشیاء سے باآسانی فائدہ نہ اٹھا سکتے۔ پہلے تاریخ کے چھوٹے موٹے اسباق کٹھ پتلی تماشہ (Puppet Show) کے ذریعے پڑھا دیے جاتے تھے۔ سکولوں اور کالجوں میں ڈرامے کروائے جاتے تھے۔ لیکن اب بجلی نے یہ کام نہایت آسان اور سہل بنا دیے ہیں۔ البتہ ہم نصابی مشاغل کا تدریس میں ایک اپنا مقام ہے جو اتنا ہی اہم ہے جتنا نصابی مشاغل کا۔

◆◆◆

یونٹ نمبر ۳۹

پرائمری تعلیم کی افادیت

پرائمری تعلیم کسی بھی ملک کے تعلیمی ڈھانچے کی بنیاد ہے۔ درج ذیل دیے گئے پہلوؤں سے پرائمری تعلیم کی افادیت کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔

ا۔ پرائمری تعلیم اور معاشرہ:۔

بہتر معاشرتی زندگی کا انحصار تعلیم، خصوصاً پرائمری تعلیم پر ہے۔ تعلیم اس عمل کا نام ہے جس کے ذریعے بچوں کو بھرپور معاشرتی زندگی گذارنے کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ جس کی بدولت وہ معاشرے کی روایات و اقدار کے پاسبان بنتے ہیں۔ فرد کی تخلیق معاشرے میں ہوتی ہے۔ معاشرہ ہی اس کی تربیت گاہ ہے جو اسے بہتر معاشی مطابقت کے قابل بناتا ہے۔ تعلیم فرد اور معاشرے میں ہم آہنگی پیدا کرنے کا واحد طریقہ ہے۔ تاکہ وہ زندگی کے بارے میں اپنا نقطہ نظر مشاہدے اور طریق کی بنیاد پر متعین کر سکے۔ نیز ایسی عادات و اخلاق اصولوں اور علوم وفنون کے دور میں اپنا مقام بنا سکے بلکہ معاشرے کے تشخص کو قائم رکھنے میں فعال کردار ادا کر سکے۔ گویا تعلیم ایک معاشرتی عمل ہے اور معاشرے پر اپنے گہرے اثرات مرتب کرتی ہے۔

۲۔ پرائمری تعلیم اور معاشی تحفظ:۔

تعلیم کا مقصد افراد معاشرہ کو معاشی آسودگی کے مواقع فراہم کرنا بھی ہے۔ خود کفیل افراد سے ہی خود کفیل معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ اس مقصد کے لیے تعلیم کا میدان بہت وسیع ہے۔ جس میں فرد کے پہلے فنی و نیم فنی ہنر کی تربیت کا اہتمام کیا جائے جو کہ روزگار کے حصول میں ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ پرائمری تعلیم سے فرد کو وہ بنیادی مہارتیں حاصل ہوتی ہیں۔ جن سے وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ اخبار و رسائل اور کتابوں سے دنیا کے حالات اور واقعات سے باخبر رہ سکے

۔ان مہارتوں سے اس کا نہ صرف رابطہ دنیائے علم سے قائم ہو جاتا ہے بلکہ وہ روزگار کے ذرائع کے متعلق بہتر معلومات حاصل کر سکتا ہے۔ اور ضروری فنی تربیت حاصل کر سکتا ہے۔ یہ بات تحقیق سے ثابت ہو چکی ہے کہ خواندہ افراد کی نسبت معاشی خود کفالت حاصل کرنے میں بڑے اعتماد کے ساتھ اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

۳۔ **پرائمری تعلیم اور مراعات کا شعور:۔**

حکومت وقتاً فوقتاً قومی ترقی کے پیش نظر پس ماندہ طبقات کی بہبود کے لیے مراعات کا اعلان کرتی رہتی ہے۔ ان پڑھ افراد کے مقابلے میں خواندہ افراد ان مراعات کو حاصل کرنے اور ان سے مکمل فائدہ اٹھانے کی بہتر صلاحیت رکھتے ہیں۔ مثلاً محکمہ زراعت کی طرف سے کھاد، کیڑے مار ادویات اور نئی اقسام کے بیجوں یا زرعی آلات کے حصول سے متعلق مراعات سے بروقت باخبر رہ سکتے ہیں۔ اسی طرح تعلیم یافتہ افراد زراعت کو حاصل کر سکتے ہیں اور اپنی اور اپنے ملک کی اقتصادی حالت کو بہتر بنا سکتے ہیں۔ اسی طرح خواندہ افراد قرضہ کے حصول کے لیے فلاحی بینکوں اور دیگر مالیاتی اداروں کے کتابچے اور فارم حاصل کر کے قرضہ فارم حاصل کر کے قرضہ کے حصول کے لیے درخواست دے سکتے ہیں۔ اور متعلقہ افسران سے ملاقات کر کے ناخواندہ افراد کی بہ نسبت جلد قرضہ حاصل کر سکتے ہیں۔

۴۔ **فرسودہ رسم و رواج سے آزاد معاشرہ:۔**

تعلیم یافتہ معاشرہ پرانے اور فرسودہ رسم و رواج سے آزاد ہو سکتا ہے اور یہ جو قومیں عرصے سے اس کا استحصال کر رہی ہیں یا مختلف طبقوں کے درمیان اختلاف پیدا کرنے میں لگی ہوئی ہیں۔ نہ صرف ان کے نقصان دہ نتائج کو سمجھ سکتا ہے بلکہ اپنے آپ کو ان سے محفوظ رکھنے کی تدابیر بھی اختیار کر سکتا ہے۔ مثالی معاشرہ اسی صورت میں قائم ہو سکتا ہے جب تمام شہری تعاون، عمل، برداشت، ہمت، حقیقت پسندانہ، اقدار سے محبت کے جذبے، ترقی کرنے کی صلاحیت اور کامیابی کی امنگ جیسی خوبیوں کا حاصل ہوں۔ اگروہی فرقہ وارانہ تعصب سے بالاتر ہو۔

۵۔ **پرائمری تعلیم اور جمہوریت:۔**

تعلیم کا ایک اہم کام یہ ہے کہ وہ افراد کی ایسی عادات اپنانے کی تربیت کرے جن کی روشنی میں وہ اکثریت کی رائے کا احترام کریں انھیں آزادنہ طور پر اظہار کا حق حاصل ہو۔ دوسروں کے لیے احترام اور قوت برداشت پیدا کریں قانون کا احترام کرنا سیکھیں اور معاشرے میں جمہوری اقدار کے فروغ کے لیے عملی تربیت حاصل کریں۔ جدید دنیا کے حالات سے واضح ہے کہ کسی معاشرے میں جمہوریت اتنی ہی مستحکم ہوگی جتنی اس کے افراد کی تعلیمی کی صلاحیت ہوگی۔

۶۔ **پرائمری تعلیم اعداد و شمار کی روشنی میں:۔**

پاکستان کا شمار ترقی پذیر ممالک میں ہوتا ہے۔ جہاں تک خواندگی اور تعلیم کا تعلق ہے ۔ پاکستان ترقی پذیر ممالک میں بھی بہت پیچھے ہے۔ ایشیائی ممالک میں اگر خواندگی پر نظر ڈالی جائے تو افغانستان، بھوٹان اور نیپال ایسے ممالک ہیں جو پاکستان سے خواندگی کی شرح میں پیچھے ہیں۔ پاکستان میں آبادی کے لحاظ سے مختلف گروہوں مثلاً مرد، خواتین، شہری اور دیہاتی کی تقسیم کے لحاظ سے شرح خواندگی درج ذیل ہے۔

۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق:۔

پاکستان میں آبادی کے لحاظ سے مختلف گروہوں میں شرح خواندگی درج ذیل ہے۔

گروہ	۱۹۸۱ء
مجموعی	۲۶.۳
شہری	۴۷.۱
دیہی	۱۷.۳
مرد	۳۵.۰
خواتین	۱۶.۰
شہری مرد	۵۵.۳

شہری خواتین	۳۷.۳
دیہی مرد	۳۶.۲
دیہی خواتین	۳فیصد

۷۔ **معاشرتی پختگی:۔**

انگریزی زبان میں ایک مثل مشہور ہے (Man is a Social Animal) انسان معاشرتی حیوان ہے۔ حیوان بھی زندگی گذارتے ہیں۔ وہ اپنے ریوڑ، جھنڈ اور جتھوں کی صورت میں ہی خوش رہتے ہیں۔ مثلاً حیوانات، چرند، پرند سب اپنی تنہائی دور کرنے کے لیے چیخ چیخ کر اپنے ساتھی کو بلا رہے ہوتے ہیں۔ کسی بچے نے غلیل سے ایک کوا گرایا کوے کا گرنا تھا کہ ہر طرف سے کوؤں نے کائیں کائیں کا شور مچانا شروع کر دیا اور ایک یلغار پیدا کر دی۔ روزمرہ زندگی میں اس قسم کے واقعات دیکھنے میں آتے ہیں۔ بھیڑ معاشرت پسند ہے کہ اسے اس کے ریوڑ سے جدا کرنے کے لیے زبردستی کھینچ کر جدا کیا جاتا ہے اور یہ پوری مزاحمت کے ساتھ کام لے رہی ہوتی ہے۔ اسی لیے انسان کو سزا دینے کے لیے قانون نے اس کے لیے قید تنہائی لکھی ہے۔ معاشرے سے جدا کر کے ایسے قید خانے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ یہ وہاں سے بھاگ نکلنے کی پوری کوشش بھی کرتا رہتا ہے۔

اکٹھا رہتے ہوئے انسان کی ایک دوسرے سے لڑائی جھگڑے، مار کٹائی، گالی گلوچ، تو تو میں میں ہوتی رہتی ہے۔ اس کے پیچھے بہت سے عوامل کام کرتے ہیں۔ اس لیے تعلیم کی اہمیت ضروری ہوگئی ہے۔ رسمی ہو یا غیر رسمی اس سے انسان میں معاشرتی پختگی پیدا ہوتی ہے۔ مل جل کر باہمی اتفاق سے زندگی گذارنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ وہ کونسی صلاحیتیں ہیں۔ ماہرین تعلیم نے معاشرتی پختگی کا اسی طرح تجزیہ کیا ہے۔ جو صلاحیتیں پیدا ہوتی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ دوسروں کے ساتھ مل جل کر کام کرنا۔

۲۔ دوستی بنانا۔

۳۔ اپنے جذبات پر قابو پانا، خوش مزاجی کا ثبوت دینا، دوسروں کے جذبات و احساسات کو مجروح نہ کرنا۔

۴۔ ذاتی تعلقات میں خلیق، ملنسار اور ہمدرد ہونا۔

۵۔ معاشی لحاظ سے اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکنا اور دوسروں کی محتاجی سے آزادی حاصل کرنا۔

۶۔ قیادت کے بنیادی اوصاف کا حامل ہونا۔

۷۔ کسی نظریہ حیات کا حامل ہونا۔

۸۔ اپنا گھر بنانے کے قابل ہونا۔

۹۔ تفریح اور دوسرے مشاغل کا شوق ہونا۔

۱۰۔ اجتماعی اور اخلاقی معیار کے مطابق زندگی ڈھالنا۔

۱۱۔ خاندان، ہمسایہ، برادری، مختلف اداروں، ملک و قوم اور بین الاقوامی معاشرے سے متعلق مسائل کو سمجھنے اور اپنی استعداد کے مطابق حل کرنا۔

۱۲۔ معاشرے کی اچھی اقدار اپنانا اور بری اقدار سے اجتناب برتنا۔ اس طرح کہ کسی دوسرے کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچانا۔ جسے مذہبی رواداری کہا جا سکتا ہے۔

◆◆◆

maablib.org

یونٹ نمبر ۴۰

امتحانات کیا ہیں

تعلیم وتدریس کے حوالہ سے لفظ "امتحان کا مفہوم" محدود ہے۔اس سے مراد طلباء کی تعلیمی کارکردگی کوظاہر کرنے کا طریقہ ہے۔انگریزی میں اس سلسلہ میں دو لفظ بالعموم استعمال کیے جاتے ہیں۔

۱۔ آزمائش(Test)

۲۔ امتحان(Examination)

پہلی اصطلاح عام طور پر اس وقت استعمال کی جاتی ہے۔جب طلباء کی کارکردگی کو ہفتہ وار، ماہانہ یا مختصر مدت کی پڑھائی کے بعد جانچنا ہو۔ چنانچہ ایسی صورت کو (Periodical Tests) "وقفہ وقفہ سے آزمائش" کہتے ہیں۔

دوسری اصطلاح سال بھر کے مجوزہ نصاب کی تدریس کے بعد طلباء کی کارکردگی کا جائزہ لینے کے لیے استعمال ہو رہی ہے۔یہ اصطلاح اسوقت بھی استعمال کی جاتی ہے۔جب تعلیم کے کسی خاص درجہ (Stage) کی تکمیل پر (Primary School Examination)مڈل، سیکنڈری (ثانوی)، ہائر سیکنڈری (اعلیٰ ثانوی)، یا بی۔اے، بی ایس سی کے امتحانات۔

ماہرین تعلیم نے طلباء کی پڑھائی کو ایک عمل (Process) قرار دیتے ہوئے ان کی تعلیمی کارکردگی کو جانچنے کے عمل کے لیے ایک جدید اصطلاح وضع کی جسے جائزہ (Evaluation) کہتے ہیں۔ ماہرین کے نزدیک امتحان سے مراد کسی کو کسی آزمائش میں ڈالنا ہے۔یعنی جس کا امتحان لیا جا رہا ہے وہ مشکل حالات سے دوچار ہے یا اسے مشکل حالات میں ڈال دیا گیا ہے یا اس کے لیے مشکلات پیدا کردی گئی ہیں۔

لہٰذا طلباء کی تعلیم و تربیت کے بعد ہمارا مقصد اس امر کا جائزہ لینا ہوتا ہے کہ ہمارے تدریسی مقاصد کس حد تک حاصل ہوئے ہیں۔ نیز تدریسی عمل میں یہ دیکھنا مقصود ہوتا ہے کہ Bahaviour رویوں (Attitude) میں کوئی خاطر خواہ تبدیلی رونما ہوئی ہے یا نہیں۔ لہٰذا ماہرین تعلیم نے قدیم طریقہ امتحانات میں نہایت اہم اور موثر تبدیلیاں پیدا کی ہیں۔ ان تبدیلیوں کا ذکر کرنے سے قبل تبدیلیوں کے اسباب کا علم بھی ضروری ہے۔

تبدیلیوں کی وجوہات:

ا۔ تعلیمی اکتساب کا جائزہ (Cognitive Development)

امتحانات سے ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ تعلیم کا پروگرام کس قدر موثر و مفید رہا ہے۔ تعلیم کے متعینہ مقاصد کس حد تک حاصل ہوئے ہیں۔ طلباء کی اکتسابی کیفیت میں کیا خامی رہ گئی ہے اور اسے بہتر کس طرح بنایا جاسکتا ہے۔

۲۔ کرداری رویوں کا جائزہ (Affective Development):

مقررہ نصاب پڑھانے کے بعد جن کرداری رویوں کی تبدیلیاں مقصود تھیں وہ حاصل ہوئی ہیں یا نہیں۔ مثلاً سیرت و کردار کی تعمیر، مثبت رویے۔

۳۔ عملی صلاحیت کا مظاہرہ (Psychomotor Development):

مقررہ نصاب کی تدریس کے بعد کیا طلباء میں وہ صلاحیتیں پیدا ہوئی ہیں جن کی نشاندہی نصاب میں کی گئی ہے۔ کیا تکمیل نصاب کے بعد زندگی میں خود کچھ کرنے کے قابل ہو گئے ہیں یا ہو سکیں گے۔

یہاں یہ بات غور کرنے کی ہے کہ امتحانات سے ہمارا مقصود طلباء کو فیل یا پاس قرار دینا نہیں بلکہ اصل مقصد یہ دیکھنا ہے کہ نصاب کی تدریس صحیح طور پر ہوئی ہے یا نہیں۔ نصاب کی تدریس سے متوقع اثرات رونما ہوئے ہیں۔ نصاب کی تدریس سے طلباء کے کرداری رویوں میں تبدیلیاں آئی ہیں۔ ان سے جو نتائج حاصل ہوتے ہیں ان کی روشنی میں ماہر تعلیم اور مدرس خود اپنی

کارکردگی کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ امتحان برائے مدرس و ماہرین تعلیم: مجوزہ نصاب درست ہے۔ اس کی افادیت ہے۔ اگر نہیں تو کیا تبدیلیاں لائی جاسکتی ہیں۔

۲۔ نصاب کی تدریس کا طریقہ درست ہے یا اس میں تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔

۳۔ تدریسی مواد جو طلباء کی تعلیم کے لیے استعمال کیا گیا درست اور مناسب ہے؟ اس میں کس قسم کی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔

۴۔ کیا تدریسی مواد کا معیار مناسب ہے۔

اسی روشنی میں طلباء کو اس سے اگلی کلاس کا نصاب پڑھانے کا اہل قرار دے کر اگلی جماعت میں ترقی دے دی جاتی ہے۔ ورنہ اسی جماعت میں روک لیا جاتا ہے یا امتحان کے ذریعہ جس مضمون کے اکتساب میں ناقص کارکردگی سامنے آتی ہے اس مضمون کو دوبارہ پڑھنے کے لیے کہا جاتا ہے اور ساتھ ہی اگلی جماعت میں ترقی دے دی جاتی ہے۔ کیونکہ طلباء کی اکتسابی کیفیت دیگر مضامین میں تسلی بخش ظاہر ہوتی ہے۔

ایک سال کی مدت میں پڑھائے جانے والے نصاب کی اکتسابی کیفیت کا چند سوالوں پر مبنی امتحانی پرچوں اور تین گھنٹوں کے وقفے میں جائزہ ہمیشہ سے لیا جاتا رہا ہے جو درست نہیں۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صاحب کے دور میں طلباء کی ہڑتالوں اور مظاہروں کے دباؤ سے امتحانی پرچوں کے سوالات میں ۲۰۰ فیصد انتخاب کی گنجائش دے دی گئی۔ جس سے ساری دنیا میں پاکستانی اسناد اور ڈگریوں کی قدر گر گئی۔ امریکہ اور برطانیہ نے تو اس سال کے کامیاب طلباء کو اپنے ملک کے تعلیمی اداروں میں داخلہ دینے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ طلباء تو صرف 1/3 کورس پڑھ کر کامیاب ہو گئے تھے۔ لہٰذا یہ رعایت حکومت کو واپس لینا پڑی۔ طلباء نے بھی اپنے مطالبہ کو ناجائز سمجھ لیا۔

۴۔ امتحانی پرچوں میں انشائی طرز (Essay Type) یا موضوعی طرز (Subjective Type) کے سوالات کا ہونا:

امتحانی پرچوں میں ایسے سوالات ہوتے ہیں جن کو جانچنے کا کوئی خاص پیمانہ نہیں۔ ممتحن اپنی مرضی سے نمبر لگاتے ہیں۔ جس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ مضمون لکھنا، خط لکھنا، خلاصہ لکھنا، تبصرہ لکھنا، تشریح کرنا، حال لکھنا وغیرہ ایسے عنوانات ہیں کہ جب تک ان پر واضح سوالات نہ بنا لیے جائیں ان کے جواب کے جانچ کا مرحلہ بہت مشکل ہوتا ہے۔ مثلاً پرچہ کا سوال یہ ہے ''قائداعظم کی زندگی کے حالات لکھیے'' پرائمری سے میٹرک تک یا اس سے اعلیٰ جماعتوں تک یہی سوال پوچھا جا سکتا ہے۔ درجہ اور جماعت کے لحاظ سے یہ طے کرنا ہوگا کہ۔

۱۔ سوال کے جواب کی زبان کا کیا معیار ہو۔

۲۔ مواد کی مقدار کیا ہو۔

۳۔ مواد پیش کرنے کا انداز کیا ہو۔

۴۔ مواد کی تشریح کے لیے مضمون کی طوالت یعنی کتنے الفاظ، سطریں یا صفحات پر محیط ہو۔

۵۔ مضمون جانچنے کا معیار کیا ہو۔

اس لحاظ سے انشائی طرز کے سوالات امتحانی غرض سے امتحانی پرچوں میں شامل کرنا خصوصاً پرائمری سطح پر غیر دانشمندی ہے۔ کیونکہ ان کے جواب سے طلباء کی اکتسابی کیفیت کا جائزہ لینا نہایت مشکل امر ہوگا۔ ہر طالب علم کا اپنا انداز ہوتا ہے۔ اس انداز کو جانچنے کا کوئی خاص اصول وضع نہیں کیا جاتا۔

۵۔ خارجی امتحانات:۔

پڑھانے والا کوئی ہوتا ہے۔ پرچہ بنانے والا کوئی اور۔ پرچہ جانچنے والا کوئی اور ہوتا ہے۔ گویا امتحان میں طالب علم تین کھلاڑیوں کے درمیان فٹ بال بنا ہوتا ہے۔ معلوم نہیں کون

کھلاڑی گول کرتا ہے، کون فاؤل اور کون گیند یعنی طالب علم کو فیلڈ سے باہر پھینک دیتا ہے یعنی کس وجہ سے طالب علم ناکام ہوتا ہے۔ پڑھانے والا ذمہ دار ہے یا پرچہ بنانے والا یا پرچہ دیکھنے والا۔ جب کسی کام کے لیے مختلف ہاتھ ہوں گے تو خود اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کام کیسا ہوگا۔ اس لیے امتحانی نتائج قابل اعتماد نہیں ہوتے۔ بعض اوقات طلباء نے بورڈ اور یونیورسٹیوں میں نتائج کے اعلان کے بعد اپنی جوابی کاپیوں کی دوبارہ جانچ کی درخواست دی۔ نتیجتاً ناکام طلباء کامیاب قرار دیئے گئے۔ اور کبھی کامیاب طلباء کو ناکام قرار دے دیا جاتا ہے۔ تجربہ سے ماہرین نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ موضوعی طرز کے امتحانی پرچوں کی تیاری کو نہایت آسان بنایا ہے۔ لیکن ان کے جوابوں کی جانچ نہایت دشوار ہے کیونکہ کوئی اٹل اصول وضع نہیں کیا گیا۔ سوائے اس کے کہ موضوعی طرز کے سوالات کو اس طرح بنایا جائے کہ اگر مکمل طور پر نہ سہی ان میں اتنی معروضیت ہو کہ ان کی جانچ آسان ہو سکے۔ ہم اپنے مروجہ طریقہ امتحانات میں طلباء کے لیے سہولت پیدا کرنے کی بجائے طلباء کو آزمائش میں ڈال دیتے ہیں۔ نتیجتاً طلباء امتحان کو بوجھ اور کٹھن مرحلہ سمجھتے ہوئے ناجائز ذرائع استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں کیونکہ انہیں فیل اور پاس کے تصور نے پریشان کر رکھا ہے۔ لہٰذا مروجہ طریقہ امتحانات کی خامیوں کا جائزہ لیتے ہیں:۔

مروجہ امتحان کے نقائص

ا۔ وقت کا تعین:

امتحانی پرچہ کے حل کے لیے خصوصاً بڑی جماعتوں کے لیے بالعموم تین گھنٹے اور چھوٹی جماعتوں کو ڈیڑھ سے ۲ گھنٹے دیے جاتے ہیں۔ آج تک اس امر پر کبھی غور نہ کیا گیا کہ امتحانی پرچہ میں جس قدر سوالات کے جوابات مانگے گئے ہیں ان کے لیے ایک طالب علم کو کتنا وقت درکار ہوگا۔ بعض اوقات پرچہ بنانے والے حضرات خود ہی پرچہ حل کر کے دیکھ لیتے ہیں کہ جواب دینے کے لیے اتنا ہی وقت کافی ہے جو پہلے سے مقرر ہے۔ کچھ طلباء لکھنے میں سست رفتار ہوتے ہیں کچھ زود نویس۔ جواب دونوں ہی طلباء لکھ سکتے ہیں لیکن سست رفتار بچہ وقت کی تنگی کا شکار ہو کر مکمل پرچہ

حل نہیں کر پاتا اور کمرہ امتحان سے نکال دیا جاتا ہے۔

۲۔ **سوالوں کی تعداد:**

ایک سال پر محیط کورس کا جائزہ لینے کے لیے امتحانی پرچہ چند سوالوں پر مبنی ہوتا ہے۔ جس سے مکمل کورس کے اکتساب کا جائزہ لینا ناممکن ہے۔ اور طلباء میں خاطر خواہ قابلیت نہ پیدا ہونے کے باوجود اسے سند کا اہل قرار دے دیا جاتا ہے۔

۳۔ **تعداد سوالات میں رعایت:**

امتحانی پرچہ میں لکھا ہوتا ہے "کوئی سے پانچ سوال حل کریں" یا کوئی ایک جز، حصہ یا سوال لازمی بھی قرار دے دیا جاتا ہے۔ گویا نامکمل کورس پر محیط امتحانی پرچہ میں طلباء کو مزید رعایت دی جاتی ہے کہ تھوڑے ہی کورس کے مطالعہ کے بعد اسے سند کا اہل قرار دے دیا جائے گا۔

۴۔ **سوالات کی زبان:**

بعض اوقات سوالات جس انداز میں پوچھے جاتے ہیں کچھ کم ذہین طلباء کو پوری طرح سمجھ نہیں آتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ممتحن کچھ پوچھنا چاہتا ہے۔ طالب علم سوال کی زبان یا انداز کو نہ سمجھتے ہوئے کچھ اور ہی جواب لکھ دیتا ہے۔ جسے ناکام قرار دے دیا جاتا ہے۔ مثلاً کرکٹ میچ پر مضمون لکھیے۔ یہ سوال نہایت ہی مبہم ہے۔ اس سوال پر بہت سے سوال پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً "کرکٹ میچ کیا ہوتا ہے، کرکٹ میچ کیسے کھیلا جاتا ہے، کسی ایک کھیلے گئے کرکٹ میچ پر مضمون لکھنا ہے یا کرکٹ میچ کی تاریخ لکھنا ہے۔ یعنی کب سے کرکٹ میچ کھیلا جانے لگا ہے اور اب تک اس میں کیا تبدیلیاں آئی ہیں؟ جو طالب علم جو جواب لکھ دے درست ہوگا لیکن تمام دیگر امیدواروں کے لیے جواب کی یکسانیت ختم ہو جائے گی۔ ممتحن کس انداز سے پرچے کی جانچ کرے گا یہ طالب علم کو علم نہیں ہوتا۔

۱۔ **امتحانات کے لیے تجاویز:۔**

ہر طالب علم کا تعلیمی ریکارڈ رکھنے کے لیے اس کا کیومولیٹو ریکارڈ (Cumulative

(Record) بنائیے۔ یہ ریکارڈ کیا ہوتا ہے اور کس طرح تیار کیا جاتا ہے اس کی تفصیل ''مشاورت وراہنمائی'' کے یونٹ میں کی گئی ہے۔

۲۔ **امتحانات کو مقصدی بنانا:**

عام طور پر مدرسین یہی سمجھتے ہیں کہ امتحانات کو مقصدی بنانے کے لیے معروضی سوالات (Objective Type) ہی ضروری ہیں لیکن ایسا نہیں ہے۔ امتحان لینے کا **بنیادی مقصد حسب ذیل ہے۔**

۱۔ **طلباء نے کس قدر علم یا معلومات حاصل کیں (Concept Learning):**

جین پیاجے (Jean Piaget) جرمنی کا موجودہ دور کا ماہر محقق اور بچوں کی تعلیمی نفسیات کا ماہر ہے۔ اس نے مدرسین میں (Concept for Formation) تصورات کی تفہیم اور قبولیت پر بڑا زور دیا ہے۔ یہ بات اس نے بہت سے تحقیقی مطالعہ کے بعد نہ صرف مدارس کے طلباء بلکہ خود اپنے بچوں کے حوالے سے بھی معلوم کی ہے۔

۲۔ جین پیاجے کے ہم عصروں میں اور بھی ماہرین تعلیم اور محققین امریکہ اور برطانیہ میں کام کر رہے تھے۔ چنانچہ Pop-Holm پاپ ہام اور اس کے ساتھیوں نے مل کر تجربات کے ذریعہ ۷۰۔۸۰ کی دہائی میں یہ انکشاف کیا کہ تصورات کی تفہیم کے ساتھ طلباء کے کرداری رویوں میں بھی تبدیلی واقع ہوتی ہے اور خاطر خواہ تبدیلی لانے کے لیے تفہیم کے علاوہ دو مزید عوامل کا بھی جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔

۱۔ **تاثراتی تربیت (Affective):** یعنی نصاب پڑھانے سے طلباء کے جذبات اور رویوں کی تربیت کیسی رہی ہے۔ امتحان کے ذریعہ یہ دیکھنا چاہیئے۔

۲۔ **عملیاتی تربیت (Psychomotor) :** نصاب پڑھنے کے بعد طلباء میں خود سے کچھ کرنے کی صلاحیت پیدا ہوئی ہے یا نہیں۔ چنانچہ امتحانی پرچہ بناتے وقت سوالات اس طرح بنائے جائیں کہ وہ ان پہلوؤں کو واضح طور پر پرکھنے میں معاون ہوں یعنی:

۱۔ کیا سوال کے ذریعہ طلباء کی معلومات کا جائزہ لینا مقصود ہے۔

۲۔ کیا سوال کے ذریعہ طلباء کی جذباتی نشوونما کا جائزہ لینا مقصود ہے۔

۳۔ کیا سوال کے ذریعہ طلباء کی عملیاتی صلاحیت کا جائزہ لینا مقصود ہے۔

اگر سوالوں کے ذریعہ ان امور کا جائزہ لیا جا رہا ہے تو یہی سوالات کی مقصدیت ہے۔ ان عوامل کا جائزہ لینے کے لیے سوالات کی نوعیت مختلف ہوگی۔ایک مثال سے اس کی وضاحت کی جاری ہے۔سابقہ ایک یونٹ میں بھی اس کی وضاحت کسی اور حوالے سے کی جا چکی ہے۔تاہم اس کا اعادہ اب امتحانات کے حوالے سے کیا جا رہا ہے۔

مثال:

سوال: اپنے والد کے نام ایک خط لکھیے جس میں مطالبہ کیجیے کہ آپ کو کچھ پیسے کتاب اور کاپیوں کے لیے بھیج دیں کیونکہ آپ کی امی کے پاس بھی پیسے ختم ہو گئے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ سوال نہایت واضح ہے۔ورنہ بعض لاپرواہ مدرس یہ سوال یوں بھی لکھ سکتا ہے: اپنے والد صاحب کو پیسوں کے لیے خط لکھیے۔مدرس نے سب سے پہلے اپنے سوال کو معروضی بنایا ہے جس سے طالب علم کو واضح خط لکھنے کی واضح راہ مل گئی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس سوال کو کسی خاص جماعت کے لیے مخصوص نہیں کیا گیا۔لہٰذا خط کے جانچنے کا معیار اور خط لکھنے کے لیے سوال سازی کا طریقہ متعین نہیں کیا جا سکتا۔لہٰذا مدرس کہتا ہے کہ یہ سوال تیسری جماعت کے لیے ہے۔اب مدرس کے لیے سوال کی نوعیت اور سوال کی صورت (Format) متعین کرنا آسان ہو گیا ہے۔چنانچہ معروضی طور پر خط لکھنے کی صورت میں درج ذیل معلومات اور صلاحیتوں کا جائزہ مقصود ہے۔

نام، جگہ اور تاریخ لکھنا، مخاطبت کے لیے القاب کا لکھنا، خط کی عبارت لکھنا، خط کا اختتامیہ لکھنا، جسے انگریزی میں علی الترتیب Head line, Date, Salutation, Body) (of the letter, Subscription ہمیں دیکھنا ہے کہ طالب علم کو خط لکھنے کے لیے ان

معلومات کا جاننا ضروری ہے۔اس سے ہماری مارکنگ معروضی ہو جائے گی۔اب ذرا سوال دیکھیے جو مدرس نے طالب علم کے لیے معروضی طور پر تیار کیا ہے۔

نام شہر--------

مورخہ-----------------ابو جان!---------میں خیریت سے ہوں آپ بھی----------سے ہوں گے۔سکول کام کرنے کی---------ختم-----گئی ہیں۔ امی کے پاس---------ہو گئے ہیں۔مجھے کچھ---------بھیج دیجئے۔میری پڑھائی---------ہے۔ آپ کا---------بیٹا

نام-----------

یہ دس نمبر کا سوال ہے۔تیسری جماعت کے طالب علم کو صرف دس خالی جگہیں پر کرنی ہیں کیونکہ ہمارا مقصد ان عوامل کے تفہیم کی جانچ کا ہے جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔خط کی عبارت میں خالی جگہوں پر فعل (Verb) اور اسم (Noun) کی (Placement) جملے میں جانچی ہوئی ہے۔چونکہ یہ زبان دانی کا پرچہ ہے۔گرامر،خط لکھنے کا طریقہ اور جملوں میں مناسب الفاظ کا استعمال جانچنا مقصود تھا۔اس کے مطابق یہ خط جانچا جائے گا اور کسی طالب علم کے ساتھ ناانصافی نہیں ہوگی۔

امتحانات کا مسئلہ نہایت اہم ہے۔اس کی تربیت حاصل کرنے کے لیے بہت وقت اور مشق چاہیے۔

امتحانی اصطلاحات:۔

تعلیمی اداروں میں امتحانات بالعموم دو مقاصد کے لیے منعقد کیے جاتے ہیں۔

ا۔ **ترقی کیلئے (Promotion test):**

تدریسی عمل کی تکمیل کے بعد اساتذہ طلباء کا امتحان یہ دیکھنے کے لیے لیتے ہیں کہ انھیں جو کچھ پڑھایا گیا ہے وہ انھیں یاد ہے،سمجھ آ گیا ہے یا عملی طور پر خود سے کر سکتے ہیں۔ان ہی

بنیادوں پر فیل پاس کا تصور قائم ہے۔ اگر طلباء امتحان کے مقررہ معیار پر کامیاب ہو جائیں تو انھیں پاس کر دیا جاتا ہے۔ یعنی ایسے طلباء کو اگلی جماعت میں ترقی دے دینا ان کا حق بلحاظ استعداد سمجھا جاتا ہے۔

۲۔ **وظائف کیلئے (Scholarship Test):**

یہ امتحانات فیل یا پاس کرنے یا اگلی جماعت میں ترقی دینے کے لیے نہیں لیے جاتے بلکہ اس مقصد کے لیے لیے جاتے ہیں کہ کیا امتحان میں ان کے حاصل کردہ نمبر اس قدر ہیں کہ انھیں وظائف کا حق دار سمجھا جائے اور انھیں وظیفہ کے طور پر اپنی تعلیم دلجمعی کے ساتھ جاری رکھنے کے لیے مالی امداد دے دی جائے۔ اس امتحان میں حاصل کردہ نمبروں کو ترتیب وار زیادہ سے کم نمبروں کی نزولی ترتیب سے لکھ لیا جاتا ہے۔ مثلاً ۱۰۰ نمبروں میں زیادہ سے زیادہ نمبر لینے والا طالب علم ۹۰ نمبر لیتا ہے۔ اس طرح فہرست میں رول نمبر پر ۹۰ والے طالب علم کا نام اور اس کے بعد اس سے کم اور کم ترین نمبروں کی فہرست تیار کی جاتی ہے۔ اس فہرست کو میرٹ لسٹ (Merit List) استعدادی فہرست کہتے ہیں۔ اب امتحان دینے والے اگر ۲۰۰ طلباء ہیں اور وظائف صرف ۵۰ طلباء کو ملنا ہے تو فہرست میں سے پہلے 50 طلباء کو وظائف کا حق دار قرار دیا جائے گا۔

پہلے مقصد کو ترقی کا امتحان (Promotion Test) کہتے ہیں۔ دوسرے مقصد کو وظیفے کا امتحان (Scholarship Test) کہتے ہیں۔ عام طور پر وظیفہ کا ٹیسٹ تعلیمی مدارج کے اختتام پر ہوتا ہے۔ مدارج تعلیم پر بحث سابقہ یونٹ میں ہو چکی ہے۔

اصطلاحات:

امتحانات کے لیے بالعموم اساتذہ دو اصطلاحات استعمال کرتے ہیں۔

ا۔ **امتحان (Examination):** امتحانات عام طور پر تعلیمی سال کے کسی ایک سیشن (Session) وقفہ کی تکمیل پر منعقد ہوتے ہیں۔ مثلاً سہ ماہی امتحان، ششماہی امتحان اور سالانہ امتحان۔

۲۔ آزمائش (Test): اسے بھی امتحان سمجھا جاتا ہے لیکن مختصر سا تدریسی مواد پڑھانے کے بعد مدرس یہ امتحان لیتا ہے۔ جسے وہ Test کا نام دیتا ہے۔ اسے کلاس ٹیسٹ (Class Test) کہتے ہیں۔ اس کا مقصد مدرس کے اپنے کام کا جائزہ لینا ہوتا ہے۔

تعلیم کے شعبے میں چونکہ تحقیق اور تعلیمی مشاورت کا رجحان بہت بڑھ چکا ہے۔ بلکہ تعلیمی تحقیق کے لیے مرکزی حکومت وزارت تعلیم کے ماتحت کیریکولم اینڈ ٹیچر ٹریننگ ونگ اسلام آباد میں قائم ہو چکا ہے۔ اور صوبوں میں ادارہ تعلیم و تحقیق و تربیت اساتذہ کے شعبے قائم ہیں۔ ان اداروں کا کام تعلیمی و تدریسی مسائل پر تحقیق کر کے حکومت کو نتائج سے آگاہ کرتے رہنا ہے۔ جس سے حکومت کو تعلیمی نصاب، درسی کتب، نظام امتحانات اور تربیت اساتذہ کے پروگراموں میں تبدیلی اور بہتری لانے میں مدد ملتی ہے۔ لہٰذا اس سلسلہ میں جو اصطلاحات استعمال ہو رہی ہیں ہمارے ابتدائی اساتذہ کے لیے ان کا جان لینا خالی از دلچسپی نہیں کہ ریفریشر کورسز یا تربیت کے دوران پروفیسر صاحبان یہ اصطلاحات حسب ضرورت و موقع کی مناسبت سے استعمال کرتے رہتے ہیں۔

۱۔ امتحان (Examination):

اس کو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ جب کوئی مریض بیمار ہو کر ہسپتال یا ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے۔ تو ڈاکٹر ان کی نبض دیکھتا ہے۔ اسٹیتھو سکوپ (ٹوٹی) لگا کر پھیپھڑوں کی آواز سنتا ہے۔ دل کی حرکت محسوس کرتا ہے۔ آنتوں کی حرکت کا اندازہ کرتا ہے۔ سانس کے آنے جانے کا انداز محسوس کرتا ہے۔ منہ کھلوا کر حلق کا معائنہ کرتا ہے۔ ناک کے اندر لائٹ ڈال کر دیکھتا ہے۔ پھر کھانسنے کو کہتا ہے۔ پھر زور زور سے سانس لینے کو کہتا ہے۔ تھرمامیٹر سے حرارت دیکھتا ہے۔ بلڈ پریشر دیکھتا ہے۔ پھر مریض سے اس کی کیفیت پوچھتا ہے اور اندازہ لگاتا ہے کہ اسے یہ بیماری کس وجہ سے ہو سکتی ہے۔ اس تمام عمل کو مریض کو Examine کرنا کہتے ہیں۔ ڈاکٹر مریض کو جس کمرے میں دیکھتا ہے اسے ایگزامیشن ہال کہتے ہیں۔ اس مثال سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ لفظ

(Examination) کا اصل مفہوم کیا ہے۔

۲۔ آزمائش (Test):

ڈاکٹر مریض کو ایگزامن کرنے کے بعد دوائی دیتا ہے۔ دوائی کے استعمال سے اگر اسے فائدہ نہ ہو تو اس سے کہتا ہے کہ اب وہ خون کا ٹیسٹ کروائے۔ پیشاب، پاخانہ، بلغم، شوگر، ایکسرے، الٹراساؤنڈ اور بے حساب Test ہیں جسے وہ مناسب سمجھتا ہے کرواتا ہے۔ اس طرح بالآخر وہ مریض کے اصل مرض کو پکڑ لیتا ہے۔ مریض کو صحیح دوا مل جاتی ہے اور وہ صحت یاب ہو جاتا ہے۔ یہاں ڈاکٹری کارروائی کی تفصیل بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ آزمائش یعنی Test کے اصل مفہوم کے تصور کی وضاحت کرنا ہے۔ امتحان بھی علاج کے لیے ہوتا ہے اور Test بھی علاج کے لیے ہوتا ہے۔ دونوں عمل ایک ہی مریض کے لیے ہوتے ہیں۔ دیگر اصطلاحات جو عام نہیں ہیں مگر تعلیم میں استعمال میں آتی ہیں۔

۳۔ جائزہ (Evaluation):

جب کوئی دل یا شوگر یا خون کی کمی کا مریض ہو اور اسے آپریشن کی ضرورت محسوس ہو تو سرجن یعنی آپریشن کرنے والا ڈاکٹر پہلے اس مریض کو ان امراض کے سپیشلسٹ ڈاکٹر کے پاس بھیجتا ہے کہ اس مریض کا جائزہ لے کر یہ بتائے کہ اس کا آپریشن کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ خدانخواستہ دوران آپریشن موت تو واقع نہیں ہو جائے گی۔ تو متعلقہ سپیشلسٹ اس مریض کا جائزہ لینے کے لیے چند مخصوص طریقے استعمال کرتا ہے۔ اور لکھ کر دیتا ہے کہ مریض آپریشن کے قابل ہے یا نہیں۔ آپ نے دیکھا یا سنا ہو گا کہ جب کوئی مریض ہسپتال میں آپریشن کے لیے داخل ہوتا ہے تو سرجن اسے آپریشن کے لیے تیار کرتا ہے یعنی آپریشن سے قبل اس کی تمام جسمانی کیفیات کا جائزہ لے کر اسے آپریشن کے قابل بناتا ہے پھر آپریشن کرتا ہے۔ اس مثال سے جائزے کا تصور واضح ہو جاتا ہے۔

۴۔ تخمینہ (Assesment):

مریض ہسپتال میں داخل ہے۔ علاج ہو رہا ہے رفتہ رفتہ صحت یاب ہو رہا ہے۔ اس کے ورثہ ڈاکٹرز سے اصرار کرتے ہیں کہ مریض کو ہسپتال سے فارغ کر دیا جائے۔ ڈاکٹرز انکار کرتا ہے لیکن ورثہ بضد ہیں۔ چنانچہ وہ بڑے ڈاکٹر سے مشورہ کرتا ہے۔ بڑا ڈاکٹر کہتا ہے کہ اس مریض کی صحت کا تخمینہ لگاؤ اگر تسلی بخش ہو تو اسے فارغ کر دیا جائے۔ چنانچہ تخمینہ لگانے کے لیے ڈاکٹر اپنے مخصوص طریقے استعمال کرتا ہے۔ مریض کو ہسپتال میں خود سے چلا پھرا کر دیکھتا ہے۔ کبھی تیز تیز سیڑھیاں چڑھنے اترنے کو کہتا ہے۔ پھر پوچھتا ہے کہ جسم میں کہیں درد تو محسوس نہیں ہوا۔ سانس تو نہیں پھولا۔ ہر بیماری کا تخمینہ لگانے کا طریقہ مختلف ہوتا ہے۔ تخمینہ کے بعد ڈاکٹر فیصلہ کرتا ہے کہ مریض کو فارغ کیا جائے یا ہسپتال میں مزید رکھا جائے۔

۵۔ پیمائش (Measurement):

ہسپتال میں جب کسی مریض کا قد نہیں بڑھ رہا ہوتا یا وزن کم ہوتا ہے یا گھٹ رہا ہوتا ہے تو ڈاکٹروں کے پاس ایک معیار ہے جس کے ذریعے وہ مریض کا قد اور وزن دیکھ کر بتاتے ہیں کہ یہ نارمل ہے یا نہیں۔ یہ پیمائش کہلاتی ہے۔ چھوٹے بچوں کو ترازو کے پلڑے میں ڈال کر ان کا وزن کیا جاتا ہے۔ بڑوں کے لیے مشین استعمال ہوتی ہے۔

ہسپتال میں جب کوئی بچہ جنم لیتا ہے تو بچوں کی ڈاکٹر یعنی ڈاکٹر نوزائیدہ بچے کو Examine، Test، Evalutation، Assesment اور Measurement کرتا ہے۔ پھر بچے کو بے بی روم سے باہر آنے دیا جاتا ہے۔ ورنہ بچے کو مخصوص شعبہ میں بھیج دیا جاتا ہے تاکہ اس کی جان بچائی جا سکے۔

۶۔ جائزہ (Survey):

اس عمل سے دیکھ کر اندازہ لگانے کے بعد جس کیفیت کا پتہ چلتا ہے اسے (Survey) کہتے ہیں۔ مثلاً بعض بچے کمزور نظر آتے ہیں۔ سامنے بیٹھے ہوئے شخص

دیکھ وہ دائیں بائیں طرف ہوتے ہیں۔ کچھ بچوں یا لوگوں کو رات کو کم نظر آتا ہے۔ کچھ لوگوں کی بینائی کمزور ہوتی ہے، کچھ کی سماعت۔ یہ تمام کیفیات مریض کی حرکات وسکنات کا مشاہدہ کرنے کے بعد معلوم ہوتی ہیں۔ اس عمل کو (Survey) کہتے ہیں۔

ہم اپنے تدریسی پروگرام کے دوران ہر قسم کے بچوں سے دوچار ہوتے ہیں اور ہم بھی یہ تمام طریقے اپنے تدریسی عمل کے دوران بچوں کے لیے اپناتے ہیں۔ مثلاً جب ایک بچہ داخلے کے لیے مدرسہ میں آتا ہے تو مدرس اس کے والدین اور بچوں سے کچھ سوالات پوچھتے ہیں۔ ''تدریس کیسے'' کے یونٹ میں ان کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ لہٰذا ہمارے اساتذہ جن مراحل سے گذرتے ہیں اور طلباء کو جانچتے اور پرکھتے ہیں۔ ان کے لیے اگر صحیح اصطلاح استعمال کی جائے تو طالب علم کے متعلق صحیح معلومات فراہم ہوسکتی ہیں۔ معالجاتی تدریس میں یہ تمام اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں۔ کیونکہ تعلیمی مشیر ایک ڈاکٹر کی حیثیت رکھتا ہے اور ہوم روم ایک لیبارٹری یا ڈاکٹر کے ایگزامیشن روم کی۔!

◆◆◆

یونٹ نمبر ۴۱

تعلیمی ادارہ کیا ھے

تعلیمی ادارہ کون نہیں جانتا کہ کیا ہوتا ہے۔ آج کے دور میں اگر کوئی تعلیمی ادارے میں داخل نہیں ہوا۔ تعلیمی ادارے کی اہمیت کو صرف ایک زندہ مثال سے واضح کیا جا سکتا ہے۔ کہ ملائشیا جب کوئی رہائشی آبادی جسے ہم گاؤں کہتے ہیں۔ تعمیر کرنے کے لیے منصوبہ بناتا ہے تو ماہر تعمیرات ایک بلیو پرنٹ بنا کر محکمہ تعلیم کے سربراہ کو بھیجتا ہے۔ اس سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ مقررہ اراضی پر تعلیمی ادارے کی جگہ کہاں مناسب ہوگی اور جگہ کا انتخاب کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا جائے کہ آئندہ دس سالوں تک بچوں کے داخلے کے لیے عمارت میں کس قدر جگہ رکھی جائے۔

تعلیمی ادارہ کے عملہ کی رہائش کے لیے کس قدر جگہ رکھی جائے۔ چنانچہ ماہرین بلیو پرنٹ پر سڑکوں، گلیوں اور پارکوں کے نشانات کو سامنے رکھتے ہوئے اس بلیو پرنٹ پر تعلیمی ادارے اور اس کی متعلقہ دیگر ضروریات کے مطابق نشاندھی کر دیتے ہیں۔ پھر سب سے پہلے تعلیمی ادارے کی عمارت اساتذہ کی رہائش، شاپنگ سنٹر اور دیگر ضروریات کے مطابق تعمیر شروع ہو جاتی ہے۔

لوازمات تعلیمی ادارہ:

۱۔ ادارہ کے لیے، مدرس کے لیے رہائش گاہ۔

۲۔ عمارت کی تعمیر سکول کی عمارت کی تعمیر کے لیے ماہرین نے H.T.L.F طرز کی عمارت کے لیے تجویز کی ہے۔

۳۔ عمارت میں دفتر استقبالیہ۔

۴۔ اساتذہ کے لیے سٹاف روم۔

۵۔ پرنسپل کا دفتر۔

۶۔ کلرک، ٹائپسٹ اور کمپوزر کا کمرہ۔

۷۔ کتب خانہ کے لیے کمرہ یا ہال۔

۸۔ کمرہ گودام۔

۹۔ بڑا ہال کمرہ۔

بیمار طلباء کے لیے کمرہ:

آسٹریلیا میں بچوں کے دانتوں کی تکلیف عام ہے لہٰذا تقریباً تمام سکولوں میں ڈینٹسٹ اور ڈینٹل چیئر کے ساتھ ایک کمرہ مخصوص ہے۔ علاوہ ازیں اگر کبھی کوئی بچہ بیمار ہو جائے تو اسے بیمار کے کمرے میں بھیج دیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ایک ہم جماعت لڑکا گپ شپ کے لیے بھیج دیا جاتا ہے اور کتابیں اور قصے کہانیوں کی کتابیں رکھ دی جاتی ہیں۔ تفریح کے لیے چیزیں رکھی ہوتی ہیں۔ پانی کی بوتل بھی ہوتی ہے۔ وقتاً فوقتاً Day ماسٹر بھی بیمار پرسی کے لیے آتا رہتا ہے۔ چھٹی کے وقت تفصیلی رپورٹ کے ساتھ بچے کو گھر بھیج دیا جاتا ہے۔

کھیلوں کے سامان کا کمرہ:

آسٹریلیا میں بچوں کے کھیل کے لیے بھی بڑا کمرہ ہوتا ہے۔ جہاں پر لکڑی یا ربڑ کی ٹائلیں لگی ہوتی ہیں۔ جہاں بچے کھیلتے رہتے ہیں لیکن کھیل کا سامان وہاں رکھا ہوتا ہے۔ عبادت گاہ کا کمرہ یا اس کے لیے وہاں کوئی جگہ مخصوص ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ کھیل کے میدان اور بیت الخلاء کی سہولت بھی موجود ہوتی ہے۔

کینٹین یا چھوٹی ٹک شاپ:

آسٹریلیا میں کینٹین مائیں چلاتی ہیں۔ کینٹین آدھی چھٹی کے وقت کھلتی ہے۔ مائیں گھر سے بچوں کے لیے چیزیں تیار کر کے لاتی ہیں۔ باری باری سب مائیں یہ کرتی ہیں۔ بچوں کو باہر سے کھانے کی اجازت نہیں ہوتی۔

ہوم روم:

اس کا تذکرہ راہنمائی مشاورت کے یونٹ میں ہوا۔ تفصیل بتائی جارہی ہے۔ جب کوئی بچہ نفسیاتی مسائل کا شکار ہوتا ہے اور اس کی تعلیمی کیفیت متاثر ہورہی ہو تو اسے ہوم روم میں بھیج دیا جاتا ہے۔ اس کمرے میں گائیڈنس ٹیچر اور ماہر نفسیات موجود ہوتے ہیں۔ وہاں بہت سے پڑھنے کی کتابیں اور کھیلنے کودنے کی اشیاء موجود ہوتی ہیں۔ بچہ آزادانہ اس کمرے میں گھومتا پھرتا ہے۔ دیکھتا بھالتا ہے۔ اشیاء سے کھیلتا ہے۔ کتابیں پڑھتا ہے۔ گائیڈنس ٹیچر اور ماہر نفسیات اس کا مشاہدہ کرتے ہوئے ضروری نوٹ لکھ رہے ہوتے ہیں۔ بعد ازاں والدین کو انٹرویو کے لیے بلایا جاتا ہے۔ انٹرویو کے دوران بچے کی تمام کیفیات پر بحث ہوتی ہے۔ بچے کی بیماری کے اسباب معلوم کیے جاتے ہیں۔ اگر معالجاتی تدریس کی ضرورت ہو تو والدہ یا کوئی مخصوص ادارہ یہ کام کرتا ہے۔ آسٹریلیا میں ایسے ادارے خصوصیت کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔

میوزک روم:

موسیقی کا کمرہ ملائشیا میں موسیقی P.T.C کے کورس میں شامل ہے اور ٹیچر ٹریننگ دیتے ہیں۔ اسلامیہ یونیورسٹی کوالالمپور میں ہے۔ جہاں پر اساتذہ طلباء کو ٹریننگ دیتے ہیں۔

عمارت کا رقبہ

ضروری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

بجلی، ٹیلیفون، گیس، پانی وغیرہ کا کنکشن

تدریسی کمرے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کمرے کا سائز طلباء کی تعداد کی بنیاد پر رکھا جاتا ہے۔ جس میں طلباء کی نشست کے لیے معیاری گنجائش رکھی گئی ہے۔

اسی طرح اساتذہ کا بھی ایک کمرہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔ ایک شہری پرائمری سکولوں میں ۵ مدرس اور دیہاتی سکولوں میں ۲ مدرس۔ دیہات میں ۲ کمرے اور شہروں میں ۵ کمروں کا پورا سکول ہوتا ہے۔ ہائی سکول ڈیڑھ مدرس فی سیکشن ہوتا ہے۔ لیکن اب طلباء کی تعداد کے تناسب پر

اساتذہ کی تعداد کا تعین کیا گیا ہے۔ وہاں پر کوئی کام ملازم نہیں کرتے بلکہ ملازم رکھے ہی نہیں جاتے۔ ہر شخص اپنا کام خود کرتا ہے۔ خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا۔ ضروری سامان، دفتر، کمرہ جماعت، سامان، تربیت وغیرہ اتنا ہو کہ دس سال تک کی ضرورت کے لیے کافی ہو تفصیلی معائنہ کے وقت ان تمام چیزوں کو نوٹ کیا جاتا ہے۔ تدریسی کام کی نگرانی اس کے علاوہ ہے۔

◆◆◆

یونٹ نمبر ۴۲

تعلیمی نظم و نسق

طلوع و غروب شمس و قمر ہو کہ آمد و رفت لیل و نہار، موسموں کا تغیر و تبدل ہو کہ بہار و خزاں کا ظہور، معجزہ حیات و ممات ہو کہ آب و آتش کی خلقت، یہی تو نظام کائنات ہے۔ قدرت کا وضع کیا ہوا نظام۔ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ کسی مقررہ نظام کے تحت ہو رہا ہے۔ فطرت نے ہمیں ایک نظام کے تابع کر رکھا ہے۔ ہم ذرا سا بھی انحراف کرتے ہیں کسی نہ کسی مشکل کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے ہم جو کچھ بھی کرنا چاہتے ہیں اسے منظم طور پر کرتے ہیں تو ہمارا منصوبہ کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے ورنہ ناکامی ہمارا مقدر بنتی ہے۔

نظم و نسق مدرسہ بہت وسیع باب ہے۔ ادارے کے متعلق معلومات پہلے فراہم کی جا چکی ہیں۔

مفہوم نظم و نسق مدرسہ:

مدرسہ کی فعالیتوں کا انتظام اس طرح کیا جائے کہ وہاں تعلیم و تربیت کے وہ تمام مقاصد پورے ہو جائیں جو بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں نصاب چونکہ مرکزی حیثیت رکھتا ہے لہٰذا ہر ادارے کا اپنا فلسفہ ہوتا ہے۔ اور اسی کے تحت ادارے کا نظم و نسق چلایا جاتا ہے۔ لیکن ہمارے ملک کا نصاب مرکزی ہے اسے ہماری تعلیم کے نظم و نسق کا فلسفہ مرکز سے آتا ہے۔ اور یہ ملک کے تمام ادارے ان ہی اصولوں کے تحت انتظامات پر عمل درآمد کرتے ہیں۔

نظم و نسق مدرسہ کے اہم مقاصد:

ادارے میں جو افعال و اعمال کا لائحہ عمل تیار کیا جاتا ہے۔ جس میں مقاصد کا طے کرنا،

مادی اور مالی وسائل کا انتظام کرنا، اساتذہ کا انتخاب، تقسیم اوقات، دفتری عملے کی تقرری، آمدن و اخراجات کا تخمینہ لگانا وغیرہ نظم و نسق مدرسہ میں شامل ہے۔ ادارے کو فعال بنانے میں درج ذیل عناصر کام کرتے ہیں۔

۱۔ انتظامی ذمہ داری کا سنبھالنا اور ان کی تنظیم۔

۲۔ منصوبہ بندی کرنا۔ ہر قسم کی فعالیتوں کی منصوبہ بندی کرنا۔

۳۔ تعلیمی سرگرمیاں اور اس سے متعلق لوازمات کی تکمیل۔

۴۔ ہم نصابی سرگرمیوں کا اہتمام کرنا۔

۵۔ باہمی رابطہ، متعلقہ اداروں اور افراد کا تعاون حاصل کرنا۔

۶۔ راہنمائی و مشاورت، طلباء، اساتذہ اور والدین اور محکمہ سے راہنمائی حاصل کرنا۔

۷۔ ہر قسم کے معاملات و واقعات کی رپورٹنگ کرنا۔ رپورٹنگ کا طریقہ کار علیحدہ یونٹ میں بیان کیا گیا ہے۔

۸۔ مدرسہ کے بیرونی تعلقات، معاشرے سے روابط۔

۹۔ مالی وسائل کی نشاندہی اور ان کا صحیح استعمال۔

۱۰۔ تجویز کردہ ہدایات پر عملدرآمد کا جائزہ لیتے رہنا۔

تعلیمی نظم و نسق موثر بنانے کے کچھ اصول وضع کیے گئے ہیں۔

اصول نظم و نسق مدرسہ:۔

۱۔ **کفایت شعاری:** وسائل کو نہایت خوش اسلوبی سے استعمال کیا جائے۔ خواہ وقت ہی کیوں نہ ہو۔ ذرا ذرا سی بات پر چھٹی کا اعلان کر دینا اصول کفایت شعاری کے خلاف ہے۔

۲۔ **تعلیمی سرگرمیوں کا اجراء:** تعلیمی پروگرام کے اجراء میں سالانہ امتحان کے نتائج اور نئے داخلوں میں تعلیمی سال کا کافی وقت ضائع ہو جاتا ہے۔ ایسا اہتمام کیا جائے کہ تعلیمی نصاب کو

مقررہ وقت میں ختم کرنے کے لیے تعلیمی سال کے اوقات کار میں کمی نہ واقع ہونے پائے۔

۳۔ **سادگی اور خوش اسلوبی:** تمام باتوں کے علاوہ یونیفارم میں سادگی ہو۔ مدرس کے لباس سادہ اور صاف ستھرے ہوں۔ خواتین زرق برق لباس زیورات اور میک اپ سے گریز کریں۔

۴۔ **اعتماد و یقین:** غیر ضروری پابندیاں اور بے جا سختیاں پیدا کر کے مدرسے کے افراد کے اعتماد اور یقین کو متزلزل نہ کیا جائے۔

۵۔ **پیشہ ورانہ نشوونما:** ادارے کے اساتذہ میں فرائض منصبی کی ادائیگی کا جذبہ پیدا ہو اور ایسے مواقع پیدا کیے جائیں کہ پیشہ ورانہ نشوونما کے زیادہ سے زیادہ مواقع میسر ہوں۔

۶۔ **معاشرے کے ساتھ تعلقات:** تعلیمی ادارہ معاشرے میں پھلتا پھولتا ہے۔ اسی کے لیے کام کرتا ہے۔ معاشرے سے تعمیری اور مثبت تعلقات استوار کیے جائیں۔

۷۔ **اصلاح و ترمیم:** قواعد و ضوابط میں لچک ہو۔ ضرورت کے مطابق اصلاح کی جائے اور جائز تبصرہ اور تنقید برداشت کی جائے۔

۸۔ **مقاصد کی وضاحت:** مدرسہ کو صحیح خطوط پر منصوبے کے مطابق چلانے کے لیے ضروری ہے کہ مقاصد کا تعین پہلے سے کر لیا جائے۔ تمام مدارس اپنے خاص مقاصد کے حصول کے لیے وجود میں آتے ہیں مثلاً عام تعلیم کے مدارس، ٹیکنیکل مدارس، ہنرمندوں کے مدارس، تربیتی مدارس علیٰ ھذا القیاس مقصد کی نوعیت کے لحاظ سے اس کا نظام قائم کیا جاتا ہے اور اس نظام کو چلانے کے لیے جو طریقے یا وسائل بروئے کار لائے جاتے ہیں۔ اسے انصرام یا نسق Management کہتے ہیں۔ انتظام کو Administration کہتے ہیں۔ یہ اصول و ضوابط مدرسہ ہوتے ہیں۔ مثلاً مدرسہ میں تدریس کا انتظام کرنا۔ انتظامی امور کے لیے وسائل اور طریقوں کا وضع کرنا نسق و انصرام ہوتا ہے۔

۹۔ **جامعیت:** مدارس میں طلباء کو آنے کی ترغیب کس طرح دی جائے گی۔ ان کے لیے

[illegible]

[illegible]

[illegible] (Human) [illegible]

[illegible]

۱۔ **[illegible]:** تعلیمی ادارے معاشرے میں خلا میں کام نہیں کرتے بلکہ [illegible] تعلیمی ادارے کام کرتے ہیں [illegible] موثر افراد، سیاسی اور معاشی [illegible] مختلف [illegible] افراد، تجارت پیشہ، کاروباری، ملازمت پیشہ، غریب، امیر [illegible] تعلیمی ادارے کو معاشرے کے تمام افراد کے ساتھ مل کر چلنے [illegible] اور ان سے تعاون کرنا ہے۔ اس کے بغیر ادارے کامیابی سے [illegible] تمام منصوبے تشنۂ تکمیل رہ جاتے ہیں۔

۲۔ **نظم و ضبط کا ہونا:** کوئی منصوبہ کسی خاص طریقہ کار پر چلنے سے کامیاب ہوتا ہے۔ کامیابی حاصل کرنے کے لیے اصولوں کا وضع کرنا اور ان کی پابندی خود کرنا ہے [illegible] جس سے افراد معاشرہ و ادارہ بھی اس کے پابند ہوں۔ خواہ اوقات کار ہوں خواہ [illegible] لباس یا طلباء کی یونیفارم ہو۔ خواہ اوقات کی پابندی ہو یا مجوزہ پروگرام پر عملدرآمد [illegible] نظم و ضبط سے انحراف کیا جاتا ہے تو تمام منصوبہ درہم برہم ہو جاتا ہے۔ نیز تعلیمی ادارے کے منصوبے کے خاطر خواہ مقاصد حاصل نہیں ہوتے۔

۳۔ **ناپسندیدہ اور ناقابل عمل ضوابط سے اجتناب:**

تعلیمی ادارے کو کامیابی سے چلانے کے لیے ایسے اصول قطعاً وضع نہ کیے جائیں جو [illegible] قابل عمل ہوں یا افراد معاشرہ اسے پسندیدہ نگاہوں سے نہ دیکھیں۔ مثلاً ایک پسماندہ علاقہ کے

تعلیمی ادارے میں بڑی بڑی فیسوں کی شرح، قیمتی یونیفارم کی پابندی، قیمتی درسی مواد کی فراہمی کی پابندی، امیر غریب کا امتیاز، بلا لحاظ سلوک، رخصت یا فیسوں وغیرہ میں رعایت۔

۱۴۔ **اساتذہ کی بہبود:** تعلیمی اداروں کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے اساتذہ کے پیشہ ورانہ مسائل ہی نہیں بلکہ زندگی کے بنیادی مسائل کے حل پر بھی نظر رکھے۔ جس قدر ممکن ہو اساتذہ کو سہولتیں فراہم کی جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ اساتذہ کو تعلیمی ترقی پر تنخواہ میں بھی اضافی ترقیاں دی جاتی ہیں۔ پیشہ ورانہ تربیت کے لیے کسی ادارے میں داخلہ لینے پر مع تنخواہ رخصت بکار سرکار دی جاتی ہے۔ ادارے کے لیے سفر کرنے پر سفری بھتہ دیا جاتا ہے۔ رہائشی سہولت نہ دینے کی بنیاد پر کرایہ مکان، علاج معالجہ کے لیے مالی امداد، حتیٰ کہ ملازمت سے سبکدوش ہونے پر پنشن اور مفت علاج معالجہ کی سہولت دی جاتی ہے۔ ملائشیا میں تو اساتذہ کو موٹر گاڑیاں ڈیوٹی فری خریدنے کی سہولت دی جاتی ہے۔

۱۵۔ **تعلیمی ادارے کے ریکارڈ کی تکمیل وحفاظت:**

تعلیمی اداروں میں بے شمار ریکارڈ موجود ہوتا ہے۔ مثلاً مالیاتی، دفتری، طلباء اور اساتذہ کے محکمانہ احکامات، ادارے کی پراپرٹی وغیرہ کا ریکارڈ موجود ہوتا ہے۔ ہمہ اقسام کے ریکارڈ جن کا تعلق تعلیمی ادارے سے ہو متعلقہ افراد اس کی تکمیل اور حفاظت کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہے۔ یہ امر نہایت اہم ہے کہ تعلیمی ادارے میں طلباء کی درج شدہ تاریخ پیدائش کا ریکارڈ نیز ان کی تعلیمی اکتسابی کیفیت کے ریکارڈ دنیا کے ہر حصہ میں مستند سمجھے جاتے ہیں۔ اس لیے ریکارڈ کیپنگ اور اس کی حفاظت (Maintenace and Preservation) نہایت ضروری امر ہے۔

۱۶۔ **ایجوکیشن کوڈ (Education Code):**

ہر محکمہ کو چلانے کے لیے اصول وضوابط مرتب کیے جاتے ہیں۔ جنھیں قانونی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ انھیں (Efficiency and Discipline ، Code of Conduct Rules) کہتے ہیں۔ اس میں ہر قسم کی کوتاہی کی سرزنش وتحسین کے لیے سزا و جزا کا ذکر ہوتا ہے۔

محکمہ کے ہر فرد کے اختیارات کے دائرہ کار کی وضاحت ہوتی ہے۔ محکمہ تعلیم میں اس کی ابتدائی کتاب کو ایجوکیشن کوڈ (Education Code) کہتے ہیں۔ اس میں تعلیمی اداروں کے افراد اور ادارے کو حکومتی قانون کے مطابق چلانے کے لیے تمام قواعد وضوابط درج ہوتے ہیں۔ ضروری ہے کہ ہر مدرس نہ صرف ان کا مطالعہ کرے بلکہ اسے خرید کر اپنے پاس رکھے۔ یہ کتاب افسر بالا کی اتھارٹی کے بغیر ذمہ داری ادارہ فروخت نہیں کرتا۔ اس کا ذمہ دار گورنمنٹ پرنٹنگ پریس کا افسر مجاز ہوتا ہے۔ یہ ادارہ سردست موثر حالت میں نہیں ہے۔

◆◆◆

maablib.org

یونٹ نمبر ۴۳

انصرام و اهتمام مدارس

(Management of Schools)

تعارف:۔

منصوبہ چھوٹا ہو یا بڑا مناسب اہتمام اور مطلوبہ انصرام و انتظام کے بغیر حسب خواہش نتائج کا حامل نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک حقیقت پسندانہ رویہ ہے کہ ہر کام شروع کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کی مناسب منصوبہ بندی کر لی جائے اور ان تمام عوامل کی فراہمی کو علی الترتیب یقینی بنا لیا جائے۔ جو ممکنہ درکار ہیں تا کہ وقت اور توانائی ضائع کیے بغیر کسی منصوبے کے لیے درکار جملہ ضروریات کی فراہمی اور ان کا اس انداز سے استعمال جس سے وسائل وقت اور محنت کا ضیاع کم سے کم ہو اور بہترین نتائج بھی برآمد ہوں اس تعریف کی روشنی میں انصرام ایک وسیع المعانی لفظ نظر آتا ہے۔ جس کے دائرہ کار میں ان گنت معاملات آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج مینجمنٹ ایک الگ میدان عمل ہے۔ اور اس پر بہت زیادہ کام ہو رہا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے مختلف شعبوں میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی جا سکتی ہے۔ تاہم یہاں ہمارے پیش نظر عام تعلیمی اداروں کی مینجمٹ ہے۔

اہم نکات برائے انصرام (Management):۔

انصرام کے ذیل میں چیدہ چیدہ نکات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ **لائحہ عمل کی تیاری:۔**

تعلیمی ادارے کی انتظامی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے لیے لائحہ عمل تیار کرنا نیز ان ذمہ داریوں کو منظم کرنا۔ مثلاً تعلیمی ادارے کا قیام، ادارے کے لیے ضروری ساز و سامان، اساتذہ، طلباء، دفتری عملہ اور نائب قاصدوں کے اختیارات و ذمہ داریاں وعلیٰ ھذ القیاس۔

۲۔ **منصوبہ بندی:۔**

جیسا کہ تعلیمی ادارے کے عناصر سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک پھلنے پھولنے والے پودے کی مانند ہوتا ہے۔ ضروری ہے کہ ان کی آبیاری کے لیے قبل از وقت جامع منصوبہ بندی اس طرح کر لی جائے جس طرح حکومت وقت اپنی مشینری کو چلانے کے لیے منصوبہ بندی کرتی ہے۔ منصوبہ بندی کے بغیر خاطر خواہ مقاصد کا حاصل ہونا محال ہو جاتا ہے۔ منصوبہ بندی کے اہم نقاط حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ تعلیمی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے لیے لوازمات کی فراہمی۔

۲۔ نصابی سرگرمیوں کو منظم کرنے کے لیے لوازمات اور ان کی تکمیل کے لیے وسائل۔

۳۔ ہم نصابی سرگرمیوں کی نشاندہی اور ان کی مزید منصوبہ بندی۔

۴۔ معاشرتی تعامل، افراد سے رابطہ اور ان سے وسائل کا حصول۔

۵۔ اساتذہ، والدین اور محکمہ کی مشاورت حاصل کرنے کے لیے لائحہ عمل کا تیار کرنا۔

۶۔ روزمرہ کے کاموں، نظام الاوقات مدرسہ، حادثاتی واقعات کی رپورٹنگ کا طریقہ کار۔

۷۔ مالی وسائل کی منصوبہ بندی اور ان کا مناسب استعمال۔

۸۔ جائزہ کا پروگرام نہ صرف کارکردگی بلکہ منصوبے کی کامیابی و ناکامی کا جائزہ لینے کے لیے لائحہ عمل مرتب کرنا۔

۳۔ **تدریسی امور کی جامع منصوبہ بندی:۔**

تدریسی امور میں بنیادی طور پر اساتذہ کی صلاحیت و لیاقت، تدریسی و تعلیمی سامان کی فراہمی کے علاوہ کلاس روم کی تنظیم نہایت اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ بادی النظر میں کلاس روم کی تنظیم کا تصور ابھرتے ہی مدارس، طالب علم، کلاس، فرنیچر اور نصاب تمام ہی آتے ہیں۔ لیکن یہ بنیادی عناصر ہیں۔ کلاس روم کی تنظیم میں بہت سے عناصر کام کرتے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ جب طلباء کلاس روم میں داخل ہو کر کمرہ جماعت کا دروازہ بند کر دیتا ہے تو اس کی حیثیت ایک بادشاہ کی ہوتی

ہے۔ یہ تصور مغربی دنیا میں انیسویں صدی کی ابتداء میں ابھرا۔ جس کے تحت اساتذہ کی پیشہ ورانہ تربیت اور شخصیت کی نشوونما پر بہت زور دیا جانے لگا۔ ایک مشہور قصہ ہے کہ مدرس کلاس میں انگریزی پڑھا رہا تھا۔ انسپکٹر داخل ہوا تو مدرس نے تختہ سیاہ پر لکھا ہوا تھا G-I-R-L اور وہ طلباء کو بتا رہا تھا کہ گرل ہے۔ انسپکٹر باہر نکل گیا۔ انگریزی کی گھنٹی ختم ہونے کے بعد مدرس کو انسپکٹر نے دفتر میں طلب کیا اور پوچھا کہ G-I-R-L کیا ہوتا ہے؟ مدرس نے جواب میں کہا کہ گرل۔ انسپکٹر نے کہا کہ کلاس میں گرل کیوں پڑھا رہے تھے؟ مدرس نے جواب دیا کہ "اس تنخواہ میں گرل ہی پڑھایا جا سکتا ہے۔" وہ اپنی کلاس کا بادشاہ تھا۔ اس کے پس منظر میں ایک مدرس کا عمل کارفرما تھا۔ اس عملی مثال سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ کمرہ جماعت میں مدرس بے تاج بادشاہ ہوتا ہے۔ اس کی شخصیت جس میں اس کی لیاقت، صلاحیت، انداز ورویہ اور وضع قطع کو بڑا دخل ہے نہایت اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

تعلیم رسمی اور غیر رسمی ہوتی ہے۔ رسمی تعلیم میں ہمارے مدارس اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ غیر رسمی مدارس میں کلاس مینجمنٹ رسمی مدارس کی مینجمنٹ سے مختلف ہوتی ہے۔ کیونکہ رسمی اداروں کے پاس وسائل محدود ہوتے ہیں۔ عمارت حسب ضرورت نہیں ہوتی۔ مدرس ایک ہی ہوتا ہے۔ نصاب کی تکمیل کا دورانیہ کم ہوتا ہے۔ کثیر الجماعتی طریقہ تدریس ایک ہی مدرس کے ذریعہ عمل میں آتی ہے۔ لہٰذا مدرس بھی ہوتا ہے اور دفتری کام بھی اس کو سرانجام دینا ہوتا ہے۔ لہٰذا غیر رسمی سکولوں میں کلاس مینجمنٹ نہایت چابک دستی سے کی جاتی ہے۔ ان کی تفصیل "تدریس" کے باب میں آچکی ہے۔ البتہ کلاس روم اور مدرسہ میں نظم وضبط قائم رکھنا بھی ایک اصولی امر ہے۔ نظم و ضبط سے کیا مراد ہے؟ نظم وضبط کس طرح قائم رکھا جاتا ہے؟ اس کی بحث جدا باب میں کی گئی ہے۔ تعلیمی ادارے کے نظام کو منظم ومربوط رکھنے کے لیے کچھ ریکارڈ بھی تیار کرنا ہوتا ہے۔ جس کی ضرورت وقتاً فوقتاً پڑتی رہتی ہے۔ ان کی چند مثالیں سابقہ سطور میں آچکی ہیں۔ البتہ بنیادی ریکارڈ کی تیاری کے لیے وسائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں۔

سکول ریکارڈ کی مینجمنٹ:۔

سکول میں ہر قسم کے تعلیمی و تدریسی کوائف کا ریکارڈ رکھنا ضروری ہے۔ ریکارڈ مرتب کرنے کے کچھ دستاویزات یا رجسٹر خود بنانے پڑتے ہیں۔ کچھ بازار سے طبع شدہ ملتے ہیں۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

ریکارڈ کی عمومی دستاویزات

Record Documents

۱۔	فارم داخلہ	۲۔	رجسٹر داخلہ
۳۔	رجسٹر حاضری روزانہ (طلباء و طالبات)	۴۔	لاگ بک
۵۔	سٹاک رجسٹر	۶۔	پراگرس رپورٹ (انفرادی)
۷۔	رزلٹ شیٹ جماعت وار	۸۔	ماہوار سلیبس
۹۔	ٹیچرز ڈائری	۱۰۔	رجسٹر امتحانات
۱۱۔	اوسط نکالنے کا طریقہ اور Format	۱۲۔	آرڈر بک
۱۳۔	اجلاس کا ریکارڈ		

فارم داخلہ:۔

فارم داخلہ سکول ریکارڈ کی بنیادی اور اہم دستاویز ہے۔ اس میں طالب علم کا نام، ولدیت، تاریخ پیدائش اور مکمل پتہ وغیرہ درج ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد پر ضروری کوائف رجسٹر داخلہ میں درج کیے جاتے ہیں۔ یہ سکول کا ایک مستقل ریکارڈ ہے۔ اس کو انتہائی احتیاط سے سنبھالنے کی ضرورت ہے۔

رجسٹر داخلہ:۔

اس میں طالب علم کے تمام ضروری کوائف درج ہوتے ہیں۔ جب طالب علم سکول چھوڑ کر چلا جاتا ہے یا سکول ہذا کی آخری کلاس بھی پاس کر لیتا ہے اور اس سکول سے سرٹیفکیٹ

لے کر کسی بڑے تعلیمی ادارے میں داخل ہوتا ہے تو بھی اس رجسٹر کی اہمیت کم نہیں ہوتی۔ بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت پڑ سکتی ہے۔ اور اس وقت بھی اس رجسٹر سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ بعض اساتذہ پرانے رجسٹر داخلہ کو غیر اہم خیال کرتے ہوئے اس کی اہمیت کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور نتیجتاً ان کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جب کوئی مقدمہ تاریخ پیدائش یا رہائش یا ولدیت کا عدالت میں درج ہوتا ہے تو تعلیمی ادارے سے یہی رجسٹر طلب کیا جاتا ہے۔

رجسٹر حاضری روزانہ (طلباء و طالبات):۔

اس رجسٹر میں جماعت کے تمام طلباء کے نام درج ہوتے ہیں۔ استاد جو کلاس انچارج ہوتا ہے۔ وہ آتے ہی صبح سویرے سب سے پہلا کام یہی کرتا ہے کہ تمام طلباء کی حاضری لگائی جائے۔ تمام کے تمام طالب علموں کی حاضری کا ریکارڈ اس رجسٹر میں درج ہوتا ہے۔ یہ بات استاد کے علم میں ہوتی ہے کہ کون سا طالب علم حاضر ہے اور کون سا غیر حاضر ہے۔ اس طرح طالب علم کی پراگرس رپورٹ تیار کرنے میں یہ رجسٹر ٹیچر کے لیے بے حد مددگار ثابت ہوتا ہے۔

لاگ بک:۔

یہ انتہائی حساس قسم کا رجسٹر ہے۔ اس کو برقرار رکھنے اور بہ حفاظت الماری میں سنبھالنا نہایت ضروری ہے۔ اس میں محکمہ کے افسران اپنے مشاہدات ریکارڈ کرتے ہیں۔ جو اساتذہ کی کارکردگی، ترقی اور تنزلی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ محکمہ تعلیم کے افسران کے علاوہ حکومت پاکستان یا حکومت پنجاب کے افسران اگر ادارہ کا وزٹ کریں تو وہ اس رجسٹر میں مشاہدات درج کر سکتے ہیں۔

سٹاک رجسٹر:۔

اس رجسٹر میں سکول کے تمام سامان کا ریکارڈ مثلاً فرنیچر، کھیلوں کا سامان تدریسی معاونات، لائبریری کی کتابیں وغیرہ درج کی جاتی ہیں۔ سکول کا ایک سینیئر اور تجربہ کار استاد یہ اہم فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ اندراج کے بعد یہ سامان زیر استعمال آتا ہے۔ اس طرح جو سامان

فرسودہ ہو جاتا ہے۔اسے ریکارڈ سے خارج کر دیا جاتا ہے۔ سامان کے اخراج کے طریقہ کار کا مدنظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

پراگرس رپورٹ (انفرادی):۔

یہ پروفارمہ دو یا تین صفحات پر مشتمل ہو سکتا ہے۔ اس میں طالب علم کی پراگرس کا ریکارڈ ہوتا ہے۔ یہ پراگرس ماہانہ، سہ ماہی، ششماہی، نوماہی اور سالانہ ہو سکتی ہے۔ اس میں طالب علم کا مجموعی ریکارڈ مثلاً روزانہ حاضری، صفائی، دوستوں ہم جماعتوں اور اساتذہ کرام کے ساتھ رویہ نصابی اور ہم نصابی سرگرمیوں اور امتحانات میں کارکردگی وغیرہ شامل ہے۔

رزلٹ شیٹ (جماعت وار):۔

یہ دستاویز انفرادی بھی ہو سکتی ہے اور اجتماعی بھی۔ اس کو اساتذہ کرام باقاعدہ تیار کرتے ہیں اور اپنے افسران بالا کو برائے اطلاع ارسال کرتے ہیں۔ یہ پراگرس رپورٹ کا لازمی حصہ ہے۔

ماہوار سلیبس:۔

ہر استاد اپنی جماعت کا ماہانہ سلیبس تیار کرتا ہے اس میں اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ کتنا سلیبس ایک ماہ میں پڑھایا جائے گا۔ اس کی مقدار اور تفصیلات کیا ہیں۔ اس کی دو کاپیاں تیار کی جاتی ہیں۔ ایک کمرہ جماعت میں آویزاں کر دی جاتی ہے اور دوسری خود استاد اپنے پاس رکھتا ہے۔

سالانہ پروگرام:۔

اساتذہ کرام کو مشترکہ طور پر مل کر سالانہ پروگرام تیار کرنا چاہیے۔ بلکہ اس کی تیاری میں طلباء کو بھی شریک کیا جائے۔ اس طرح طلباء کو اس کی اہمیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح تیار کیا ہوا پروگرام ہیڈ ماسٹر کے آفس میں علاوہ ازیں تمام جماعتوں کے کمروں میں آویزاں کیا جا سکتا ہے۔ یہ ویسے تو مارکیٹ سے یا مختلف بک سٹورز سے دیگر اداروں کے تیار کردہ پروگرامز بھی

دستیاب ہیں ان سے بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

ٹیچرز ڈائری:۔

یہ ایک استاد کی ذاتی دستاویز ہے۔ اس میں ٹیچر اپنے روزانہ کے نصابی اور ہم نصابی کام کو ریکارڈ کرتا ہے۔ یہ ڈائری استاد کے اپنے کام میں باقاعدگی پیدا کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہے۔

رجسٹر امتحانات:۔

اس رجسٹر میں بچے کے سالانہ امتحان کا ریکارڈ درج کیا جاتا ہے۔ یہ رجسٹر انتہائی اہم ہے۔ اس میں بچے کی سال بھر کی کارکردگی کا ریکارڈ موجود ہوتا ہے۔ اس رجسٹر سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ بچے نے مضمون وار کتنے نمبر حاصل کیے ہیں۔ اور مجموعی نتیجہ کتنے فیصد ہے۔

میٹنگ کا رجسٹر یا فارم:۔

اس فارم میں وقت، جگہ، شرکا کے نام، مسائل، نمبروار، تجاویز اور فیصلہ لکھا جاتا ہے۔ جو آئندہ اجلاس میں دہرایا جاتا ہے تاکہ یہ دیکھا جا سکے کہ کیے ہوئے فیصلوں پر کس حد تک عمل ہوا ہے۔

اوسط نکالنے کا طریقہ:۔

کلیہ = مجموعہ / تعداد

ایک کلاس میں ۳۰ بچے ہیں۔

یومیہ حاضر بچوں کی تعداد کا مجموعہ ماہانہ تقسیم ۳۰ یا ۳۱ یا ۲۸ جو مہینہ ہو۔

آرڈر بک:۔

سربراہ ادارہ وقتاً فوقتاً اہم امور کے متعلق تحریری طور پر ہدایات جاری کرتا رہتا ہے۔ ہدایات کے اس ریکارڈ کو آرڈر بک کہتے ہیں۔

دستیاب وسائل کی مینجمنٹ:۔

غیر رسمی تعلیمی اداروں نے وسائل خود پیدا کرنے ہوتے ہیں۔ نیز ان وسائل کو نہایت، ہوشیاری اور ذہانت کے ساتھ استعمال کرنا ہوتا ہے۔ وسائل کی دو نوعیتیں ہیں۔

۱۔ بنیادی ۲۔ اختیاری

بنیادی وسائل درج ذیل ہیں۔

۱۔ عمارت یا جگہ کا میسر ہونا۔

۲۔ بنیادی ضرورتوں کا مہیا ہونا۔ مثلاً پانی، بجلی، ٹائلٹ وغیرہ۔

۳۔ ضروری فرنیچر مثلاً ریکارڈ رکھنے کے لیے الماری، میز، کرسی، ٹاٹ وغیرہ۔

۴۔ تدریسی اشیاء مثلاً درسی کتب، ریکارڈ رکھنے کے لیے ضروری رجسٹرات، ٹیچرز ڈائری، تختہ سیاہ، چاک، ڈسٹر وغیرہ۔

اختیاری وسائل:۔

۱۔ تدریسی سامان میں نقشہ جات، چارٹ وغیرہ۔

۲۔ کھیل کا میدان یا کھلی جگہ۔

۳۔ سٹور روم برائے تحفظ اشیائے ضروری۔

۴۔ معاون مدرس۔

۵۔ متفرق تدریسی معاونات (A.V.Aids)

۶۔ طلباء کے لیے کھیل کا سامان۔

اسی طرح دیگر اشیاء اگر دستیاب ہوں تو انھیں استعمال کے بعد محفوظ کر دینا چاہیے تاکہ آئندہ بھی کام آسکیں۔

◆◆◆

maablib.org

یونٹ نمبر ۴۴

نظم و ضبط

سابقہ یونٹوں میں "نظم و ضبط" کی اصطلاح بار بار استعمال کی گئی ہے۔ نظم و ضبط سے کیا مراد ہے؟ اس کی وضاحت ضروری ہے۔ تعلیمی نظام کو موثر طور پر چلانے کے لیے ایسے اصول جن کی پابندی نہ صرف تعلیمی ادارے کے لیے بلکہ اس سے متعلق بڑے چھوٹے فرد تک کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ اگر ان تمام امور کا تجزیہ کیا جائے تو اس کے لیے نہ صرف ایک باب بلکہ ایک جدا کتاب لکھنا ناگزیر ہو جائے گا۔ اس کی ایک معمولی مثال مدرسہ کا یومیہ نظام الاوقات، طلباء کی یونیفارم، اساتذہ کے فرائض۔ جس طرح کھیل کے میدان میں کیپٹن کے اشاروں پر ٹیم کے تمام ممبران عمل کرتے ہیں۔

نظم و ضبط کیا ہے:

تعلیمی ادارے کو موثر طور پر چلانے کے لیے ایسے قواعد و ضوابط جن کی پابندی ادارے سے متعلق ادنیٰ و اعلیٰ ہر فرد کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ مثلاً اوقات نظام مدرسہ کی پابندی، اساتذہ کے تقرر و تبادلہ نیز ان کی کارکردگی کے اصول، ماہر تعلیم P.H.Hurst کا کہنا ہے کہ نظم و ضبط کی اہمیت کو تعلیمی اداروں میں وہی حیثیت دی جاتی ہے جو فوج میں۔ جس طرح فوج میں "کرو یا مرو" کا اصول فوج کی کامیابی کی ضمانت سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح تعلیمی ادارے میں نظم و ضبط کی پابندی تعلیم و تدریس کے خاطر خواہ نتائج برآمد کرنے کے لیے ضروری ہیں۔ تعلیمی مقاصد کی تکمیل کے لیے نظم و ضبط کی اساس مختلف نظریات پر ہے۔

نظریہ نمبر ۱: روایتی (Conventional):۔

اس نظریے کی عکاسی ماحول اور معاشرے میں دکھائی دیتی ہے۔ اس نظریہ میں سزا و

جزا، محبت و شفقت کا عنصر شامل ہے۔

نظریہ نمبر۲: ہر قسم کی بندش سے آزاد (Laises Faire):۔

یہ نظریہ جمہوری طرز عمل کے منافی ہے۔ اس میں ایک شخص کا حکم حرف آخر ہوتا ہے۔ فیصلہ درست ہو یا غلط۔ انجام کوئی بھی ہو تو فکر نہیں ہوتی۔ جیسے مثل مشہور ہے "پھندا جس گلے میں فٹ آجائے اسے پھانسی دے دو" کیونکہ شخصی حکم کے مطابق پھانسی تو دینا ہے۔ کسی کو بھی دے دی جائے۔ تاکہ حکم کی تعمیل ہو جائے۔ میر تقی میر نے اس نظریے کی درست طور پر عکاسی کی ہے۔

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب
گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا

جمہوری نظریہ (Democratic):۔

اس نظریے کے مطابق قواعد و ضوابط کسی ایک خاص شخص یا جماعت کی سوچ کی عکاسی نہیں کرتے بلکہ مختلف نمائندوں کی جماعت بحث تمحیث اور انجام پر غور و خوض کے بعد قواعد و ضوابط مرتب کرتے ہیں۔ جس طرح ۱۹۵۹ء میں جب تعلیمی پالیسی کے مطابق نیا نصاب آیا۔ اس کے تحت نئی کتب آئیں۔ طلباء نے دیکھیں جنھیں مشکل اور غیر مفید سمجھتے ہوئے اورینٹل کالج لاہور کے گیٹ کے سامنے تمام کتب رکھ کر نذر آتش کر دیں۔ اور نعرہ لگا دیا کہ نصاب دوبارہ بنایا جائے۔ نصاب جس کے تحت کتب لکھی گئیں ہیں غیر مفید ہیں۔ ایسا اس لیے ہوا کہ وہ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے مارشل لا کی تخلیق تھیں۔ ان کتب کی تیاری میں طلباء اور متعلقہ اساتذہ کی آواز کو اہم نہ سمجھا گیا تھا۔ اس طرح تمام قواعد و ضوابط جمہوری طرز پر مرتب کیے جاتے ہیں۔ تاکہ ان کے اثرات اور نتائج قابل قبول ہوں۔ اسی طرح کلاس روم کا نظم و ضبط، درشتی و نرمی دونوں اسی طرح بہتر ہیں ۔جس طرح جراح زخم کو چیرا بھی لگاتا ہے۔ جس سے مریض تڑپ جاتا ہے اور جراح کو برا بھلا کہتا ہے۔ لیکن جراحی کے بعد وہی جراح کٹے ہوئے زخم کی مرہم پٹی بھی کرتا ہے۔ مدرس یا ماہرین تعلیم کا بھی ایسا ہی کردار ہونا چاہیے۔ طلبا کے ساتھ ساتھ اساتذہ اور تعلیمی ادارے کا رویہ نہایت

مناسب ہونا چاہیے تاکہ تعلیمی ادارہ کو طالب علم اپنی پناہ گاہ محسوس کرے نہ کہ عقوبت خانہ۔ روزمرہ مدارس میں یہ مناظر چھٹی کے وقت دیکھنے میں آتا ہے کہ بچے چھٹی ہوتے ہی خوشی سے شور مچاتے، سیٹیاں بجاتے مدرسے سے تیز تیز باہر نکلنے کے لیے کوشاں ہوتے ہیں کیونکہ جتنے وقت کے لیے طلباء تعلیمی درس گاہ میں رہتے ہیں خود کو قیدی محسوس کرتے ہیں۔ آسٹریلیا کے ایک پرائمری سکول میں یہ منظر دیکھنے میں آیا کہ تیسری جماعت کے ایک بچے کو سخت بخار کی حالت میں اس کی ماں سکول لائی اور اس کے ٹیچر سے درخواست کی کہ اس کا ٹیچر بچے کو سمجھائے کہ سکول سے چھٹی کر کے گھر واپس چلا جائے۔ لیکن بچہ مدرسہ میں قیام کو گھر پر قیام سے بیماری کی صورت میں بھی ترجیح دے رہا تھا۔ اسے بہت سمجھایا گیا لیکن بچہ سکول سے نہیں گیا۔ بالآخر مدرس نے بچے کو اس کے ایک ہم جماعت ساتھی بچے کے ہمراہ اسے کمرہ تیمارداری (Sick Bay) میں بھیج دیا۔ اسی لیے مدارس میں کمرہ تیمارداری کا ہونا ضروری حصہ سمجھا گیا ہے۔ اس مثال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تعلیمی ادارے کے قواعد وضوابط اس طرز کے ہوں جسے اپنا کر بچے خود کو پرسکون اور محفوظ سمجھ سکیں۔ نہ کہ کوئی جھوٹا بہانہ بنا کر تعلیمی ادارے سے فرار کی راہ اختیار کرنے پر مجبور ہوں۔ تعلیمی اداروں میں سزا و جزا کے احترام کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس پر بھی دو آراء ہیں۔ ایک سزا دینا ضروری سمجھتا ہے (Spare The Rod, Spoil The Child) سزا کے خوف کے بغیر بچے کی شخصیت تباہ ہو جاتی ہے۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ سزا بچے کو تعلیمی عمل اور تعلیمی ادارے سے متنفر کر دیتی ہے۔ پس چہ باید کرد۔ اس کتاب کے دوسرے یونٹ میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

نظم وضبط کی اقسام:۔

کوئی ادارہ یا تنظیم، کوئی فرد ہو یا جماعت نظم وضبط کا مسئلہ ہر ایک کے لیے اہمیت کا حامل ہے۔ انسانی زندگی اگر قدرتی نظم وضبط کے مطابق گذاری جائے تو انسان بہت سی ذہنی وجسمانی امراض سے بچا رہتا ہے۔ گھر کا تمام نظام گھر کے بزرگوں کے بنائے ہوئے نظم وضبط کی بنیادوں پر چلتا ہے۔ نظم وضبط مقررہ اصولوں پر چلنے سے قائم رہتا ہے۔ لیکن بعض حالات میں کسی ایک اصول

سے انحراف بھی کرنا پڑتا ہے۔ انحراف کی صورت میں دو اقدار کا ٹکراؤ ہو جاتا ہے۔ کچھ لوگ ناراض ہو جاتے ہیں اور کچھ مطمئن۔ مثلاً ترقی یافتہ ممالک میں رسم و رواج کے روایتی اصولوں سے انحراف نہیں کیا جا سکتا ورنہ انحراف کے اقدام کو معاشرے کے خلاف بغاوت کا نام دے دیا جاتا ہے۔ مثلاً برصغیر میں عید کے تہوار کے ساتھ سویاں وابستہ ہیں۔ عید کے دن سب کچھ پکا لیا جائے اور سویاں نہ پکائی جائیں تو لوگ حیرت سے کہتے ہیں۔ کہ یہ کیسی عید ہے کہ سویاں تو پکی ہی نہیں۔ یہ بہت معمولی سی مثال ہے۔

رمضان کے مہینہ میں مسلمانوں کے لیے روزہ فرض ہے اور جو اس فرض سے کسی عذر شرعی پر مستثنیٰ ہو تو اس پر احترام روزہ ضرور فرض ہوتا ہے۔ یعنی کسی روزہ دار کے سامنے یا کھلے بندوں کچھ نہ کھائے پیے۔ ایسا واقعہ ہو کہ سرحدی علاقہ میں ایک روزہ دار چوکیدار نے دیکھا کہ ایک شخص رمضان میں دن کے وقت کینٹین میں بیٹھ کر کچھ کھا پی رہا تھا۔ چوکیدار کا خون کھول رہا تھا۔ جیسے ہی وہ بے روزہ شخص کینٹین سے باہر نکلا۔ چوکیدار نے اپنی بندوق کا نشانہ باندھا اور روزہ خور کو وہیں ڈھیر کر دیا۔ لوگوں نے چوکیدار کو پکڑ لیا۔ لوگوں نے زجر و ملامت شروع کر دی۔ چوکیدار نے کہا لعنت اس مرد پر بھیجو جو دن کی روشنی میں روزے کے دنوں میں کینٹین میں چائے پی رہا تھا۔ بے غیرت مر گیا۔ جہنم میں گیا۔ آگے کا قصہ نہیں لکھا جائے گا کہ یہ بہت طویل اور حقیقی داستان ہے۔ رمضان کے مہینہ میں نظم و ضبط قائم رکھا جاتا ہے لیکن ایک حد تک۔ بعض اوقات جب انسان خود اپنے بنائے ہوئے قوانین کی زد میں آتا ہے تو اسے توڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ نظم و ضبط کی خلاف ورزی ہے۔ نظم و ضبط کن قوانین کے مطابق قائم رکھا جا سکتا ہے اس پر بحث ہو چکی ہے۔ اس میں اب اس کی اقسام سے بحث ہو رہی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے جس کا مفہوم ہے کہ جو تم اپنے لیے پسند نہ کرو دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرو۔ جو تم کھاؤ وہی غلام کو کھلاؤ۔ تمہیں جس قدر آرام کی ضرورت ہے اسے بھی انسان ہونے کے ناطے آرام کی اتنی ہی ضرورت ہے۔ ماہرین نے نظم و ضبط کو تین اقسام میں منقسم کیا ہے۔ مثلاً

۱۔ <u>خارجی یا آمرانہ (Rigid):۔</u>

آمرانہ نظم وضبط سخت گیری کا نتیجہ ہے۔ اصولوں میں قطعاً لچک نہیں ہوتی۔ نظم وضبط کا بے لوچ رویہ تعلیمی اداروں میں بالکل نہیں چلتا۔ جن اداروں میں اس طرز کا نظم وضبط ہوتا ہے۔ ان ہی اداروں سے طلباء دوران مدرسہ خفیہ طور پر فرار حاصل کرتے ہیں۔ کچھ تو پڑھائی سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ یہ نظریہ یہی بتاتا ہے (Spare the rod Spoil The child) یہ روسی نظام کا نظریہ ہے۔ جہاں تعلیم میں طلباء کی مرضی کا دخل نہیں ہوتا جو اصول وضع کر دیتے ہیں۔ بے چون و چرا ان پر عمل درآمد کرایا جاتا ہے۔ خواہ وہ قانون فطرت کے اصولوں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً اساتذہ کو اصول ضرورت کے تحت رخصت نہ دینا۔ طلباء کی ذرا ذرا سی کوتاہی پر سرزنش کرنا۔ ۳۳ فیصد کا فیل یا پاس کا تصور نہایت ہی ناقص ہے۔ اس ضابطہ کو انسانی نفسیات کی تائید حاصل ہے۔ ایسی بے تحاشا مثالیں ہیں۔

۲۔ <u>آزادانہ نظم وضبط (Freedom):۔</u>

ماہر تعلیم Froebel کا کہنا ہے کہ بچہ آزادی میں بہتر طور پر سیکھتا ہے۔ جب تک آغوش مادر میں رہتا ہے اسے قدرت سکھاتی ہے۔ بغیر مار کھائے یا ڈانٹ کے حسب ضرورت تعلیم حاصل کر لیتا ہے۔ جب انسانوں کے بنائے ہوئے نظم وضبط کے اصولوں کے شکنجے میں آتا ہے تو اسے مار بھی پڑتی ہے اور ڈانٹ بھی۔ پھر بھی نہیں سیکھ سکتا تو اسے ڈھیٹ یا کند ذہن کہ کر چھوڑ دیا جاتا ہے اور بچہ برباد ہو جاتا ہے۔ بچے کو خود سے کر کے سیکھنے کی آزادی ہونی چاہیے۔ استاد کی نگرانی اس امر کی ہو کہ بچہ خود کو کوئی نقصان نہ پہنچا لے یا کوئی بڑا نقصان نہ کر دے۔ اسی طرح ادارے کے تمام افراد کے ساتھ لچک دار ضبط کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ سربراہ ادارہ مدرسہ میں تاخیر سے آئے اور اساتذہ سے وقت پر آنے کا تقاضہ کرے تو یہ اس کی نادانی ہے۔ اصول ہر ایک کے لیے یکساں ہوتا ہے۔ اسی طرح جب چاہے مدرسہ سے غائب اور مدرس کو ضرورت پڑنے پر بھی رخصت نہ دے تو آہستہ آہستہ اس کے ادارے کا نظم وضبط بگڑتا جائے گا۔ اسی طرح بہت سی

مثالیں روزمرہ زندگی میں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ طلباء کو رفع حاجت یا پانی پینے کی چھٹی نہ دینا کلاس روم کے نظم وضبط کو تباہ کر دیتا ہے۔ طلباء جھوٹے بہانے بنا کر غائب ہو جاتے ہیں۔ گھر کا کام نہ کر کے لانے پر یا سبق یاد نہ ہونے پر سرزنش کرنا غیر دانش مندی ہے اور ظاہر کرتا ہے کہ مدرس بچوں کی تعلیمی نفسیات سے واقف نہیں۔

۳۔ داخلی ضبط (Self Discipline):

نظم وضبط قائم کرنے کی سب سے بہترین قسم ہے۔ تعلیمی ادارے کے افراد میں ایسا احساس پیدا کر دینا چاہیے کہ ہر فرد اصول وضوابط کی پابندی خود سے عائد کر لے۔ جیسے وقت کی پابندی، نماز پنجگانہ کی ادائیگی، باقاعدگی سے مدرسہ میں آنا، اساتذہ کا روزانہ ڈائری لکھنا، تدریسی فرائض خود سے ایمانداری کے ساتھ ادا کرنا۔ اس کے لیے کہنے کی ضرورت نہیں بلکہ ہر فرد اپنے فرائض کو جانے اور ان کا احساس کرے۔ پھول نہ توڑے، تختہ سیاہ کو توشی نہ کرے، پانی کھڑے ہو کر نہ پیے، جھوٹ نہ بولنا، ایمانداری سے کام لینا یہ ایسی اقدار ہیں جن پر خود عمل کر کے نمونہ پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ ہر ایک جانتا ہے کہ ایک بار ایک خاتون آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنے بچے کو ساتھ لائی اور کہنے لگی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرا بیٹا میٹھا بہت کھاتا ہے اسے منع فرمایئے۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو دن بعد آنے کو کہا۔ خاتون دو دنوں کے بعد حاضر خدمت ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچے کے سر پر شفقت سے دست مبارک پھیرا اور کہا کہ "بیٹا میٹھا کم کھایا کرو" خاتون نے یہ سن کر کہا "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ بات اسی دن کہہ دیتے۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسکراتے ہوئے کہا اس وقت میں میٹھا کھاتا تھا۔ اس دن کے بعد میٹھا کھانا چھوڑ دیا اس لیے آج بچے کو منع کر دیا ہے۔ آپ اندازہ لگایئے اسی کا نام اپنے نفس پر ضبط مسلط کرنا ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو تمام جرائم اور گناہ خود بہ خود ختم ہو جائیں۔

۴۔ اعلیٰ ثانوی اور بین الدرجاتی (Higher Secondary & Intermediate):۔

پاکستان میں گیارہویں اور بارہویں کلاسوں کا اضافہ ثانوی مدارس میں کر دیا گیا ہے اور ان مدارس کو اعلیٰ ثانوی مدارس کا نام دیا گیا ہے۔ اعلیٰ ثانوی جماعتوں کو ثانوی مدارس میں شامل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ثانوی درجہ دس جماعتوں کی بجائے بارہ جماعتوں پر مشتمل ہوتا کہ ثانوی تعلیم دس سال کی بجائے بارہ سالوں کی ہو جائے۔ کیونکہ دنیا کے تمام ممالک میں ثانوی تعلیم کے مدارس میں بارہ سال تک تعلیم دی جاتی ہے۔ مقصد یہ تھا کہ اس عمل سے آہستہ آہستہ تمام ثانوی مدارس اعلیٰ ثانوی جماعتوں میں بدل دیے جائیں گے اور انٹرمیڈیٹ درجات جو پہلے سے انٹر کالج کے نام پر چل رہے تھے آہستہ آہستہ انٹرمیڈیٹ کالج ختم ہو جائیں گے۔ اور ثانوی جماعت کے بعد یونیورسٹی کی جماعتیں اسی طرح شروع ہو جائیں گی جس طرح دنیا کے تمام ممالک میں ہیں۔ لیکن نہ جانے کس وجہ سے یہ سکیم پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکی اور اب اعلیٰ ثانوی تعلیمی مدارج کے ساتھ ساتھ انٹرمیڈیٹ کالج بھی چل رہے ہیں۔ بیشتر انٹرمیڈیٹ کالجز کو ڈگری کالج کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ لیکن ان میں اب بھی گیارہویں اور بارہویں جماعتوں کی تعلیم جاری ہے۔

۵۔ یونی ورسٹی درجہ (Tertiary Level):۔

طلباء بارھویں کلاس پاس کرنے کے بعد یونیورسٹی کے درجوں میں داخل ہوتے ہیں۔ بارھویں جماعت تک کے امتحانات سرٹیفکیٹ امتحانات (Certificate Examination) کہلاتے ہیں۔ یونیورسٹی درجہ کے امتحانات ڈگری امتحان (Degree Examination) کہلاتے ہیں۔ ڈگری امتحانات کے ہر دوسرے سال کا نام پوسٹ گریجویٹ ڈگری بعد ازاں دو سال ماسٹر ڈگری ہوتی ہے۔

◆◆◆

یونٹ نمبر ۳۵

تعلیم اور معاشرہ

تعلیمی مقاصد کے حصول اور معاشرتی و ثقافتی اقدار کے تسلسل میں تعلیمی ادارے مرکزی کردار ادا کرتے ہیں۔ فلپائن کے صوبے اور صوبوں میں (Community) کا تصور دنیا میں سب سے پہلے ابھرا۔ کیمونٹی ایک وسیع علاقہ ہوتا تھا۔ اس میں محلے جنھیں (Commune) کہتے تھے۔ محلوں میں تعلیمی ادارے کو کیمونٹی سکول کہتے تھے۔ ہیڈ ماسٹر اس وقت مجسٹریٹ کے اختیارات کے ساتھ محلے کی انتظامیہ کا بھی ہیڈ ہوتا تھا۔ موجودہ صورت حال کا اندازہ نہیں ہے۔ یہ ابتدائی صورت حال تھی۔ فلپائن کے اسی تصور سے کیمونٹی ڈویلپمنٹ نے جنم لیا۔ جو اس وقت اصطلاح عام بن چکی ہے۔

جوزف۔ ایس۔ رسک (Joseph.S.Rusk) کا کہنا ہے کہ آفرینش میں تمام جان دار یکساں ہوتے ہیں۔ تعلیم انسان کو انسان بناتی ہے۔ معاشرہ افراد سے بنتا ہے اور یہ معاشرہ اپنے افراد کے اجتماعی سیرت و کردار، علم و عمل کا عکاس ہوتا ہے۔ معاشرے کے افراد ہی معاشرے کی نشوونما کا کام کرتے ہیں۔ جیسے افراد ہوں گے ویسا معاشرہ ہو جائے گا۔ اس میں حکومت ذمہ دار ہے اور نہ عوام۔ چین میں معاشرے کے افراد نے طے کر لیا کہ اپنے محلے سے چوہوں کا خاتمہ کرنا ہے۔ انھوں نے متفقہ فیصلہ کیا اور ایک دن کی مہم میں تمام چوہوں کا خاتمہ ہو گیا۔ خانہ بدوشوں کی بستی کے لوگ پسماندگی کی زندگی گزار رہے تھے۔ معاشرے کے افراد نے سوچا کہ خانہ بدوش بھی ان کے معاشرے کا حصہ ہیں۔ ان کی حالت بہتر بنانی چاہیے۔ انھوں نے ان سے محلے کا کوڑا اکٹھا کروایا۔ کوڑے کی چھانٹی کروائی۔ انھیں بیکار اشیاء سے کارآمد اشیاء تیار کرنے کی تربیت دے کر ان کی تیار شدہ اشیاء کی نمائش لگوا کر ان اشیاء کو فروخت کے لیے پیش کر

دیا تمام کوڑا کارآمد اشیاء کی صورت میں محلہ کے خوشحال گھرانوں میں پہنچ گیا اور خانہ بدوشوں کی معاشی حالت بہتر ہونے لگی۔ اس فن کا نام چینیوں نے چیکوتومی رکھا اور اس فن کو ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ملکوں میں بڑی پذیرائی حاصل ہوئی۔ ہمارے ملک پاکستان کی ایک مثال کراچی کی ایک صفائی کی مہم ہے کہ قومی متحدہ والوں کی جماعت کے لیڈر نے اپنے کارکنوں کو تجویز دی کہ کراچی سے ایک دن میں تمام غلاظتیں دور کی جائیں اور کراچی کو صاف ستھرا شہر قرار دلوایا جائے۔ کارکنوں نے کراچی کے گلی کوچے خود اپنے ہاتھوں میں جھاڑو پکڑ کر صاف کر دیے۔ معاشرہ کی خوبی اور برائی کا دارومدار معاشرے کے افراد پر ہوتا ہے۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے ملک میں بھیک مانگنے والوں کی تعداد میں دن بہ دن اضافہ ہو رہا ہے۔ سڑک پر بیٹھ کر ہوٹلوں کے ہال کمرے چھوڑ کر کھانا کھانے کا رواج عام ہوتا جا رہا ہے۔ جگہ جگہ کوڑا کرکٹ کا ڈھیر دن بہ دن زیادہ ہی نظر آنے لگا ہے۔ اس کی ذمہ داری معاشرے کے افراد پر ہے۔ جسمانی طور پر صحت مند افراد کو خیرات کے نام پر بھیک مانگنے والوں کو نقد رقم دے کر معاشرے میں بھیک مانگنے کا رجحان بڑھایا جا رہا ہے۔ کم مشاہرے پر چھوٹے بچوں سے ملازمت کروانے کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔ اسی لیے شرح خواندگی تمام کوششوں کے باوجود سست رفتاری سے آگے بڑھ رہی ہے۔ ان تمام خرابیوں کے قصوروار افراد ہیں عوام نہیں۔ عوام معاشرے کا حصہ ہوتے ہیں۔ افراد معاشرے کو جنم دینے والے ہوتے ہیں۔

جس معاشرے میں عزت نفس رکھنے والے افراد ہوتے ہیں وہ خود انحصاری پر یقین رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان میں عزت نفس کا احساس ہوتا ہے۔ قرض مانگنے والا معاشرے کے عوام کی عزت نفس کا سودا قرض دینے والے کے ساتھ کر دیتا ہے۔ اس لیے تمام بین الاقوامی مالیاتی ادارے جب قرض دیتے ہیں تو اپنی شرائط منواتے ہیں۔ اور ملک کی حکومت کو ان کے مطابق چلنا پڑتا ہے۔ تعلیمی ادارے چونکہ معاشرے میں کام کرتے ہیں لہٰذا یہ ضروری ہوتا ہے کہ تعلیمی اداروں کا تقدس ان کے معیار، ان کی افادیت کو قائم رکھنے کے لیے تعلیمی اداروں کا معیار بلند ہو۔ طلباء و

اساتذہ کی علمی وانفرادی ضروریات پوری ہوتی ہوں۔ اسی سے تعلیمی حالت میں بہتری کی ضمانت ملتی ہے۔ معاشرہ تعلیمی اداروں کے قیام کے لیے ہی نہیں اس کی بقائے دائمی کا اہتمام کر کے بہت سے معاشرتی فوائد حاصل کرسکتا ہے۔ مثلاً

ا۔ معاشرتی تعلقات میں اضافہ اور گہرائی۔

۲۔ معاشرتی معاونت میں امداد۔

۳۔ معاشرتی اصلاح کی ضمانت۔

۴۔ باہمی اشتراک و یکجہتی کی ضمانت۔

تعلیمی ادارے کو معاشرے میں مرکزی حیثیت دینے کے لیے حکومت پاکستان نے ۱۹۸۶ء میں اسلام آباد میں ایک سیمینار منعقد کیا تھا۔ جس میں اس موضوع پر غور کیا گیا ہے کہ تعلیمی اداروں کو معاشرے میں مرکزی حیثیت کس طرح دی جاسکتی ہے۔ چنانچہ بہت سی ایسی سرگرمیوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ تعلیمی اداروں میں ان کا انعقاد کر کے انھیں معاشرے کے قریب لایا جاسکتا ہے۔ ان سرگرمیوں کو کس طرح عملی صورت دی جاسکتی ہے۔ شرکائے سیمینار نے بڑی عرق ریزی کے بعد ان تمام تجاویز کو آخری شکل دی لیکن معلوم نہیں کیوں وہ تجاویز سرد خانہ میں چلی گئیں۔ ان تمام سرگرمیوں کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ تعلیمی اداروں کو معاشرے کا تعاون حاصل ہو اور تعلیمی درس گاہوں سے باہر رہنے والے قابل تعلیم بچوں کو تعلیمی اداروں میں لایا جاسکے۔ خصوصاً بچیاں جو خواندگی اور تعلیم کی بنیادی سہولتوں سے محروم ہیں۔ مدارس میں نہ آنے کی وجہ سے گھروں میں رہ کر مختلف مسائل خصوصاً ذہنی بیماریوں کا شکار ہو جاتی ہیں۔ انھیں صحت مند زندگی گذارنے کا موقع فراہم کیا جاسکے۔ نیز پڑھ لکھ کر انھیں اچھی مائیں بنایا جاسکے۔ اس سے نہ صرف معاشرے کے افراد کی پیداواری صلاحیت کو بڑھا کر انھیں مفید شہری بنایا جاسکے۔ اس سے نہ صرف معاشرے (Community) کے تعلیمی اداروں کا مقام بلند ہوتا ہے۔ بلکہ معاشرے کی معاشی اور معاشرتی حالت بھی سدھرتی ہے۔

◆◆◆

اختتامیہ

امید کی جاتی ہے کہ اساتذہ جو باقاعدہ کسی ادارے سے تدریس کی باقاعدہ تربیت حاصل نہیں کر سکے۔ تدریسی نسخہ کے مطالعہ کے بعد خود میں ایک نمایاں حقیقی تبدیلی محسوس کرتے ہوں گے۔ اور وہ خود کو اپنے ان ساتھیوں کے ہم پلہ محسوس کرنے لگے ہوں گے۔ جنھوں نے تربیتی اداروں سے باقاعدہ تربیت حاصل کر رکھی ہے۔ ان کے رویوں میں ان کے رفقائے کار نمایاں تبدیلیاں محسوس کرنے لگے ہوں گے کیونکہ تدریسی نسخہ کی تالیف کے وقت اس امر کو ملحوظ رکھا گیا تھا کہ پیشہ تدریس سے متعلق جس قدر معلومات کی ضرورت ہے وہ تمام نہایت سادہ اور روزمرہ کی زبان میں اساتذہ کی علمی لیاقت کے معیار کے مطابق ہو تاکہ مندرجات کی تفہیم آسان ہو سکے۔ یہ ضروری نہیں کہ تربیت کسی تربیتی ادارے سے ہی حاصل ہو۔ تربیتی اداروں سے تربیت حاصل کرنے کے لیے ایک سند ملتی ہے۔ جس سے ملازمت حاصل کرنے کی سہولت ہوتی ہے۔ لیکن یہ یقین نہیں ہوتا کہ ہم میں وہ صلاحیتیں (Competencies) پیدا ہوتی ہیں۔ جو ایک موثر اور کامیاب مدرس بننے کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔ انسان خود مطالعہ کر کے زیر ملازمت اساتذہ کو کام کرتے دیکھ کر بھی بہتر تربیت حاصل کر سکتا ہے۔ اہم اور پیچیدہ نکات پر زیر ملازمت اساتذہ تجربہ کار اساتذہ سے مشورہ حاصل کر کے بھی ایک کامیاب مدرس بنا جا سکتا ہے۔ رسمی تعلیم سے قبل اساتذہ کیا تربیت گاہ تعلیم یافتہ اور تجربہ کار اساتذہ کی صحبت ہوا کرتی ہے۔ اچھا طالب علم اچھے استاد کا عکس ہوتا ہے۔ اچھا مدرس بننے کے لیے وہ اپنے مدرس کی کارکردگی اور شخصیت کو اپنائے تو یقیناً وہ اچھا مدرس بن سکتا ہے۔ کیونکہ مدرس کو نہ صرف دوران تربیت بلکہ تربیت کے بعد بھی تحصیل علم سے وابستہ رہنا پڑتا ہے۔ کیونکہ تحقیقات جاری رہتی ہیں ان کے نتائج سامنے آتے رہتے ہیں اور جدید علوم کے ذریعے کھلتے رہتے ہیں۔ بیسویں صدی کے وسط میں اسی لیے یورپ سے ایک نظریہ

حیات تعلیم کا ابھرا۔ (Life Long Education) جس کی نشاندہی دین اسلام نے پہلے ہی کر رکھی ہے کہ علم آغوش مادر سے قبر میں اترنے تک حاصل کرتے رہو۔ اسی لیے تحقیق و تربیت کا سلسلہ تسلسل کے ساتھ جاری وساری ہے۔ حکومت نے بھی اپنی پالیسی میں وضاحت کردی ہے کہ مدرس کو ہر پانچ سال کے بعد ریفریشر کورس کروایا جائے تا کہ وہ تعلیم و تحقیق کے جدید تقاضوں سے روشناس ہوتے رہیں۔ تحقیقات نے تدریس کے عمل کو موثر اور آسان بنانے کے لیے اساتذہ اور طلباء کے لیے بہت سے ایسے طریقے اور اشیاء کی نشاندہی کروائی ہے جس سے عقل حیران رہ جاتی ہے۔ کمپیوٹر کی مدد سے لکھی جانے والی کتب کے لحاظ سے اپنے گھر پر بیٹھے بیٹھے دیکھے جاسکتے ہیں۔ استاد کے نہ ہوتے ہوئے بھی تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا جا سکتا ہے۔ تربیتی عمل جاری رہتا ہے اور رہے گا۔ تدریسی نسخہ میں آج جو معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ تحقیقات کے نتیجے میں کل یہ حیران کن معلوم ہوں گی۔ اسی لیے کتاب سازی کا عمل بھی مسلسل جاری ہے۔ پڑھتے رہیے، دیکھتے رہیے، سنتے رہیے، سمجھتے رہیے اور اپنے تدریسی طریقوں میں بہتری لاتے رہیے۔

﴿ختم شد﴾

maablib.org

تعارف مصنف

نام : محمد مجتبیٰ حسین ابن مولوی محمد جواد
حسین متولد بمقام جونپور (یو۔ پی
انڈیا) بتاریخ ۱۰ جنوری ۱۹۳۳ء

تعلیم: ایم۔ اے، ایم۔ ایڈ (پنجاب)
گریجوایشن (لکھنو)، اردو ادب (علی
گڑھ) فارسی ادب (لکھنو) فارسی وعربی زبان مع تاریخ (لکھنو) ہندی و اردو ادب (الہ آباد انڈیا) جنرل انسٹرکٹر سول ڈیفنس (کراچی) وڈ بیج (سکاؤٹنگ) (مری ہلز پنجاب) زیر ملازمت کورسز (اسلام آباد۔ لاہور پاکستان)

تعلیم و تربیت زیر ملازمت :
ہیڈ ماسٹر ثانوی مدارس، تحقیق تعلیمی نصاب، تحقیقی جائزہ مسائل تعلیمی (۷ رپورٹس) عملی تربیت برائے تربیت اساتذہ (پنجاب، بلوچستان، سندھ) آزاد کشمیر، مظفر آباد

مطالعاتی دورہ بیرونی ممالک:
ملائیشیا (تربیت اساتذہ)، آسٹریلیا (تدریس زبان دانی و تربیت اساتذہ)

اداروں سے وابستگی:
تعلیمی و تدریسی و تربیتی منصوبہ جات (یونیسف، ورلڈ بنک) یو این ڈی پی، الیکشن کمیشن آف پاکستان، اوپن یونی ورسٹی، پنجاب ٹیکس بک بورڈ، ثانوی تعلیمی بورڈ، او۔ ڈی۔ اے

تعلیمی و تحقیقی مشاورت:

نیم سرکاری ادارے (سیٹیزنس کمیشن فار ہیومن ڈویلپمنٹ، انڈس فاؤنڈیشن فار ہیومن ڈویلپمنٹ پیراڈائز، پرومارک، جوہر ایجوکیشن ٹرسٹ، ریسرچ کونسل (بہاولپور)، اقبال ایجوکیشن سوسائٹی۔

قومی رضا کارانہ خدمات :

چیف وارڈن سول ڈیفنس، تربیت افراد برائے سول ڈیفنس رکن ضلعی کمیٹی برائے کھیل، سیکرٹری اور ہیڈ ماسٹرز و اساتذہ ایسوسی ایشن، صحافت کالم نگار برائے اطفال، ادبی افسانہ و ڈرامہ نگار، شرکت بزم شعرا۔

عہدے اور مناصب :

ثانوی مدارس میں تدریس اور انتظام و انصرام، ماہر مضمون، معاون، تحقیق، نائب ناظم (نفاذ پرائمری سکول پراجیکٹ) پرچہ سازی امتحانات و ممتحن۔

ریٹائرمنٹ :

مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۹۳ء بطور نائب ناظم (تعلیم) بمقام مرکز تحقیق و ترقی نصاب لاہور بعد از۔ آغاز ملازمت بطور مدرس گورنمنٹ ہائی اسکول خانپور، ضلع رحیم یار خان سابقہ ریاست بہاول پور بتاریخ یکم مئی ۱۹۵۳ء۔

◆◆◆

maablib.org

THE AUTHOR

Barri Merinals 75 4º 2º
Sabadell 08205
Spain

Ph: +34 937 262 064
Cell : +34 692 858 008
E_mail: burzilman@gmail.com

Date of Birth 01/Dec/1968
Passport No. KF524727

Inaam Hussain

Objective Professional excellence through innovativeness and hard work.

Experience **2006-2007** Logic Networks S.L.

System Analyst

- Training of Staff
- System Analysis
- Faultfinding and Technical Assistance

2002-2006 United Management Services

Commerical Consultant

- Market Strategy
- Sales Planning
- Secutiny of the Contract
- Training and Evaluation

2000-2002 Chinar Army Public School

Lecturer

- Teaching + Lecture Planning (Informaties)
- Evaluation of the Students and Counseling

1991-1996 & 98-2002 Johar Model Public School

Teacher

- Teaching + Evaluation (Junior Classes)

Education

2008-2012 Universistat Autonoma de Barcelona

- Doctorate Studies in Multicultural Education

2007-2008 Barceloan Graduate School of Econor

- Master in Economics of Science and Innovation

1996-1998 University of the Punjab

- Master of Computer Science (First Division)

1989-1991 University of the Punjab

- Bachelor of Commerce (First Division)

1986-1987 Punjab Board of Tech. Education

- Diploma in Commerce (1 year studies)

1983-1984 Punjab Board of Tech. Education

- Certificate in Commerce. (1 year studies)

1972-1983 Board of Inter & Secondary Education

- Matriculation with Science Subjects (10 years of scholling)
- Aug. 2002, College of Army Education (Pakistan)

Professional Training

- Teacher Training Cadre

maablib.org

Countries Visited

- Pakistan
- Spain
- United Arab Emirates
- Germany
- Austria
- France

Languages

- English (Excellent Command)
- Spanish (Intermediate Level)
- Urdu (Excellent Command)

Interests

- Teaching in a Multicultural Environment
- Photography
- Environmental Issues
- Traveling and Meeting People

Publications

- SPACE TOURISM, AN ECONOMICS ANALYSIS : Published in "Spanish Economics Review" in February 2008 edition.
- LOWARI TOP : THE PRICE OF NEGLECT : Published in Daily "The News" dated April 6, 1994.

maablib.org

- SNOW BOUND AREAS AND CLEARING ARRANGEMENT : Published in Daily "The Nation" dated March 4, 1994.

- LATEST TECHNIQUES TO CLEAR SNOW IN NORTHERN AREAS: Published in Daily "The Nation" dated December 17, 1993.

- PAKISTAN LACKS POLICY TO FIGHT DISASTERS: Exclusive Interview taken by Mr. Rauf Arif and Published in Daily "The Nation" dated March 6, 2005.

◆◆◆

maablib.org

تدریسی نسخہ کیا ہے؟

کتاب تدریسی نسخہ عام روایت سے ہٹ کر مختلف طریقہ اور انداز سے مرتب کی گئی ہے اور یہ کوشش کی گئی ہے کہ اساتذہ جن کو تربیت حاصل کرنے کا کوئی موقع نہیں ملا اور وہ مکمل طور پر تعلیم و تربیت کے بنیادی اصولوں اور اس کے دیگر امور سے واقفیت نہیں رکھتے اور نہ وہ تربیتی اداروں میں داخلہ لینے کی اہلیت و صلاحیت رکھتے ہیں وہ اس سے استفادہ کر کے اپنے کام کو آسان بنا سکیں اور اپنے اندر وہ صلاحیتیں پیدا کر سکیں جو اچھے معلم کے لیے ضروری ہیں۔ چیدہ چیدہ نکات اس نسخے کے مندرجہ ذیل ہیں جن کی تفہیم میں عام طور پر مغالطہ ہوتا ہے۔

- معلم اور مدرس میں کیا فرق ہے۔
- تعلیم و تدریس میں کیا فرق ہے۔
- کتاب و نصاب میں کیا فرق ہے۔
- آزمائش و امتحان کیا ہیں۔ امتحانی پرچے بنانے کا طریقہ کیا ہے۔
- تعلیمی نگرانی اور مشاورت کا تعلق کیا ہے۔
- کمرہ جماعت میں طلباء کے کن مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔
- تعلیم و تدریس کا نفسیاتی پہلو کیا ہے۔
- مدرس کی خصوصیات کیا ہیں۔
- معالجاتی تدریس کیا ہوتی ہے۔
- اسباق کی موثر منصوبہ بندی کیسے ہو۔
- تعلیم معاشرہ کا تعلق کیا ہے۔

اسی طرح کے تقریباً ۴۵ نکات کی مختصر انداز میں وضاحت شامل ہے۔

اظہار سنز

19۔ اردو بازار لاہور فون: 7230150

ہیڈ آفس: 9۔ ریٹی گن روڈ لاہور فون: 7220761

E-mail: izharsons_2004@hotmail.com

www.izhar-sons.com

[redacted]